خمخانۂ رام

یعنی

کلیاتِ رام

خم اوّل یعنی جلد اوّل

مشمولہ رسالہ الف نمبر ۱ تا ۱۲

مرتبہ

شری آر۔ ایس۔ نارائن سوامی۔ شاگرد رشید
شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

جسے
شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ نے
گلشن ابراہیم پریس امین آباد لکھنؤ میں طبع کرایا

فہرست مضامین

مضامین ابتدائی

مضامین اصل کتاب

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ کو وقتاً فوقتاً
اپنی کتابیں مستحق لوگوں و لائبریریوں (خیراتی
پُستکالاؤں) کو مُفت تقسیم کیا کرتی ہے۔ لیکن اب
دھرم مُورتی و نیکدل اصحاب کو اِس دھرم کاریہ
میں ہاتھ بٹانے کا موقعہ دینے کے لئے لیگ نے
یہ طے کر دیا ہے کہ جو حضرات اِس مدعا سے ایک
رقم لیگ کے پاس جمع کر دینگے لیگ اُسکے سُود سے (جو
چھ فیصدی تک ہوگا) ہر سال اُنکے نام سے کتابیں برابر
تقسیم کرتی رہیگی۔ اُمید کیجاتی ہے کہ فیاض دِل صاحب
خوشی سے اِس نیک کام میں ہاتھ بٹائیں گے اور اس
طرح ناموری و ثواب ہر دو سے بہرہ مند ہونگے

المشتہر۔ بینی پرشاد (ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔)
آنریری سکریٹری۔ رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ۔ لکھنؤ

التماس

اشاعتِ باردوم

از قلم شری آر۔ ایس۔ نارائن سوامی جی

انگریزی کلیات رام کی اشاعت کے بعد ہر طرف سے یہ صدا بلند ہوئی کہ جیسے انگریزی تصانیف و تقریرات رام نہایت عمدہ ترتیب میں مرتب ہو کر چار جلدوں میں بہت صاف و شستہ چھپکر شائع ہوئی ہیں۔ ویسے ہی کل اردو تصانیف و تقریرات رام بھی خمخانۂ رام کے عنوان پر مختلف جلدوں میں سلسلہ وار منقسم ہو کر چھپنی چاہئیں + اِس سے پہلے جسقدر تصنیفاتِ رام مختلف اصحاب نے شائع کیں۔ وہ عوام کے مرغوبِ طبع نہ ہو سکیں۔ وجہ یہ کہ سرمایہ کی کمی سے کسی نے کاغذ و لکھائی کا لحاظ مدِ نظر نہیں رکھا۔ اور کسی نے عدیم الفرصتی کے سبب اُس کے صاف چھپوانے و صحت نامہ کا خیال نہیں کیا۔ تاہم عاشقانِ کلیات رام کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچ گیا + سوامی شِوانند جی مہاراج ایڈیٹر ست اُپدیش لاہور نے بہ نسبت پبلشران سابقہ کے کلامِ رام کو عوام تک بڑی محنت و جانفشانی سے پہنچایا +

اگرچہ رسالہ (ست اُپدیش) کے مختلف نمبروں میں تصنیفاتِ رام کا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھپنا عوام کے لئے اتنا مستفیض نہ ہو سکا

جتنا کہ ایک جگہ اکٹھا و سلسلہ وار چھپنے سے ہو سکتا تھا۔ اگرچہ ص۔ا لوگوں کی یہ شکایت رہی کہ سوامی جی ممدوح اپنے کئی سال کے رسالجات کے نمبر ایک جلد میں مجلد کرا کر کلیاتِ رام کے نام سے اُسے تین روپیہ پر فروخت کر رہے ہیں۔ جس سے خریداروں کو دھوکا ملتا ہے (کیونکہ کلام رام اُن رسالوں میں مختلف صفحوں پر آرٹیکل کی شکل میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر درج تھا۔ اور اُسکے علاوہ بیشمار مضمون اور لوگوں کی قلم سے نکلے) اور بجائے کچھ لطف ملنے کے اُلٹا دِل تنگ ہو جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تاہم اگر نظرِ غور سے دیکھا جائے تو سوامی جی ممدوح نے کلام رام کو اپنے رسالہ کے مختلف نمبروں میں جہاں تک مالی حالات نے اجازت دی شائع کر کے عوام کو بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ اور جا بجا رام کے کلام کو مشہور کیا ہے۔ اِس کے لئے ہر ایک طالبِ حق کو عموماً اور رام پیاروں کو خصوصاً سوامی جی مہاراج کا تہِ دِل سے مشکور ہونا چاہیئے ؟

سوامی شوانند جی کے بعد پنڈت رامچندر صاحب سابق اڈیٹر اخبار آکاش دہلی نے بھی اِدھر اُدھر سے رام کے کچھ لیکچروں کو اکٹھا کیا۔ اور کچھ پبلک فنڈ کی مدد سے اور کچھ اپنے دوستوں سے قرض لیکر اپنے حسبِ لیاقت اُن کو ترتیب دیکر ایک جلد میں شائع کیا۔ مگر سرمایہ و وقت کی تنگی اور مختلف وجوہات سے پنڈت جی اپنے حسب منشا اُسے نہ چھپوا سکے۔ اور وہ جلد نہ ایک جگہ لکھی گئی اور نہ ایک ہی مطبع میں طبع

ہوسکی اور مختلف مقاموں میں مختلف کاتبوں سے لکھے جانے
کے سبب اور مختلف مطبعوں میں طبع ہونے کی وجہ سے اُس
اشاعت کی یہ گت ہُوئی کہ نہ اُس میں ایک خط۔ نہ ایک طرح
کی چھپائی اور نہ شروع سے آخر تک صفحوں کا سلسلہ۔جس سے
وہ جلد بھی عوام کے مرغوبِ طبع نہ ہو سکی ؛

اِس طرح جب حسبِ منشاءِ عوام اشاعت کے کام کا سلسلہ
ڈھیلا و بند نظر آیا۔ تو سب رام پیاروں نے راقم کو اِس اہم
کام کا بیڑا اُٹھانے کے لئے اُکسایا۔ اور ہر طرف سے یہی آواز
آئی کہ سوائے نارائن کے اور کوئی اِس مُفید کام کو اپنا فرض
سمجھ کر یا اپنا دِل دے کر نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی دوسرے پر
رام پیاروں کو بھروسہ ہے۔ اور نہ کوئی رام پیارا کسی دوسرے
کو بِلا پس و پیش ایسے کام میں مالی مدد دینے کی جرأت کرے گا
وغیرہ وغیرہ" چاروں طرف سے ایسی تاکیدوں اور فرمایشوں کے
ہونے پر نارائن کو مجبوراً اُدھر مصروف ہونا پڑا۔ اور انگریزی کلّیاتِ
رام کی اشاعت کے کام سے ذرا فُرصت پاتے ہی جھٹ اُن
صلاح دینے والے رام پیاروں کو لکھا گیا کہ وہ اِس اہم کام
کے لئے چندہ فراہم کرکے ارسال فرمائیں۔ چندے کے فراہم ہونے پر
فوراً اِس کام کا بیڑہ بھی راقم اپنے سر پر اُٹھا لیگا ؛

انگریزی کلّیاتِ رام کی اشاعت کے نیک و مفید کام کا کُل
بارِ صرفہ تو محض ایک نیک دِل پیارے ماسٹر **امیر چند**
صاحب دہلوی نے اپنے ذمّہ لیا تھا۔ جسکے لئے وُہ بلا درخواست کئے

بلکہ اپنے آپ نارائن کے صِرف اشارے اور سرسری ذکر پر ہی آمادہ ہو گئے تھے لیکن اسطرح سے کوئی صاحب اُردو کُلّیاتِ رام کی اشاعت کے خرچ کے لئے اپنے آپ تیّار ہوتے نظر نہ آئے۔ جس سے اُن اکسانے والے پیاروں کو ہی چندہ فراہم کرنے کی صلاح دی گئی

ایسی اطلاع پانے پر چند پیاروں سے چندہ تو وصُول ہُوا مگر وہ اسقدر نہ تھا کہ جس سے کُلّیاتِ رام کا کام شروع کیا جا سکے اِس لئے اُس تھوڑیسی رقم کی مدد سے جو قریب معاضے کے تھی سوامی رام کی غیر طبع شدہ جلدوں کی اشاعت کی گئی۔ یعنی اُس چندہ سے "رام پتر" اور "رام برشا اُردو حصّۂ اوّل" ہردو جلدیں طبع کرائی گئیں ٭ رام پتر یعنی خطوطِ رام میں سوامی جی کے وہ ضروری و مفید خطُوط درج ہیں جو اُنہوں نے زمانۂ طفُولیت سے اپنے خانہ داری کے زمانہ کے گورُو بھگت وقتنا رام جی کو تا اختتامِ عُمر لکھے اور سنّیاس آشرم میں اپنے چند پیاروں کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے ٭ اور رام برشا میں وُہ کُل بھجن ۹ ادھیاؤں میں مرتب ہیں۔ جو سوامی جی کی اپنی قلم سے نکلے اور جو دیگر اُنہوں نے مفید سمجھ کر اپنی نوٹ بُکوں میں درج فرما رکھے تھے ٭ اِن ہردو جلدوں کے شروع تمہید میں چندہ دہندگاں کی مفصّل فہرست بھی دی گئی ہے ٭

اِس قلیل رقم سے جب یہ ہردو جلدیں نہایت صاف و عمدہ کاغذ پر چھپ کر رام پیاروں کے پاس پہنچیں تو ہر ایک نے

سچے دل سے اِس محنت کی داد دی اور اس رام پبلیکیشن فنڈ کو خوب بڑھانے کے لئے دوبارہ چندہ ارسال فرمایا۔ جس سے راقم کی پہلے سے بھی زیادہ حوصلہ افزائی ہوئی۔ اور پھر کلیاتِ رام کی اشاعت کا بیڑا اٹھانے کے لئے دِل نے جرأت کی۔ جو چندہ دوبارہ رام پیاروں سے وصول ہوا اسکی فہرست مفصلۂ ذیل ہے ❖

(۱) لالہ برجپال سرن صاحب بی۔اے ولالہ رگھو نندن پرشاد پسرانِ ساہو رام رتن صاحب رئیس مراد آباد — ۲ مار

(۲) لالہ رام رگھبیر لعل صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ فیض آباد — بکعتد ۱

(۳) ہز ہائنس رانا بھگت چند صاحب بہادر والئے ریاست جبل۔ ضلع شملہ — ۱۲۵ مادعہ

(۴) میاں شیر سنگھ صاحب وزیر ریاست جبل۔ ضلع شملہ — ۵ صعہ

(۵) چندہ اہلکاران ریاست جبل۔ ضلع شملہ — ۱۲ للدعہ

(۶) لالہ گوردھیان سنگھ صاحب وزیر ریاست کنیٹی ضلع شملہ — ۵ فہ

(۷) جادو جی بھائی منیجر فرم لالہ گوپال رائے انبا پرشاد سوداگر رنگ۔ تمباکو کا کٹرہ دہلی ❖ — ۵ فہ

(۸) بھائی رتی لال جی کلرک فرم رامداس مول جی سوداگر رنگ تمباکو کا کٹرہ دہلی ❖ — ۲۵ مجہ

(۹) بابو رگھبیر سہائے ایم اے وکیل ہائی کورٹ۔ و بابو چنپت رائے صاحب بیرسٹر معہ دیگر اصحاب ہردوئی — صہ

(۱۰) لالہ مرجن لال صاحب پانڈے و دیگر ممبران سادھارن دھرم سبھا فیض آباد۔ جس میں بابو مرجن لال صاحب کے مبلغ — ۹۱ مادعہ

اشنے تھے:۔

(۱۱) باباکالی کمبلی والے سوامی رام ناتھ جی منیجر کلکتہ چھیتر رشی کیش (دہرہ دون) — ۱۲۵

(۱۲) ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بہادر والئے ریاست ٹیڑھی (گڑھوال) — ۲۰۰ روپیہ

(۱۳) لالہ فتح چند صاحب پنشنر سری نگر کشمیر — ۵

(۱۴) لالہ بشیشر ناتھ صاحب کلرک کنٹرولر آفس دہلی — ۵

میزان — ۱۱۸۴

چندہ سابقہ — ۷۴۳-۱۲

میزانِ کُل — ۱۹۲۷-۱۲

اِس کُل چندہ سے بمشکل تمام پہلی جلد کُلّیاتِ رام کی شائع ہونے پائی ہے۔ اگر رام پیاروں نے اور مالی مدد سے راقم کی حوصلہ افزائی کی تو فوراً جلد دویم طبع ہونی شروع ہو جائیگی۔ ورنہ جلد ہٰذا کے فروخت ہو جانے پر دوسری جلد کُلّیاتِ رام کی کتابت وغیرہ کا کام جاری ہوگا۔ جہاں تک ممکن ہوا جلد ہٰذا نہایت عمدہ لکھائی سے اعلیٰ کاغذ پر بہت صاف چھپوائی گئی ہے۔ اگر پبلک نے اِس محنت کی قدر کی۔ اور جلد ہٰذا کی کُل کاپیوں کو ہاتھوں ہاتھ خرید کر راقم کی حوصلہ افزائی کی۔ تو اُمید قوی ہے کہ جلد دویم بہت جلد اور پہلے سے بھی زیادہ اعلیٰ شائع ہو جائیگی۔ ورنہ کام ذرا رُکا رہیگا ۔ (جلد دوم جو بہت مدت سے رُکی پڑی تھی اب شائع ہو چکی ہے مؤلف)

اِس تمہید میں یہ واضح کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ سوامی رام کی کُل

تقریرات وتصنیفات کم از کم چار جلدوں میں ختم ہو سکینگی۔ اور ہر ایک جلد حجم میں جلد ہٰذا کے برابر ہوگی۔ جب پہلی جلد پر ہی قریب دو ہزار روپیہ کے رقم صرف ہوئی ہے تو رام پیارے اِس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسقدر اور رقم کی فنڈ میں ضرورت ہے۔ اِس لئے اِس کُل بے بہا خزانہ کا ہر خاص و عام کے ہاتھوں میں پہنچنا محض اُن پیاروں کی ہر طرح کی مدد پر موقوف ہے۔ اُمید ہے رام پیارے اس نیک ومفید کام کی تکمیل میں حتی الوسع مدد کرتے رہیں گے اور اپنی طرف سے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے ۔

آخر میں راقم اُن تمام رام پیاروں کا تہِ دل سے دھنباد کرتا ہے کہ جو اِس نہایت مفید و بھاری کام کے پُورا کرنے میں تن من دھن سے مدد دے رہے ہیں۔ اور کلامِ رام کو جا بجا پُہنچانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اُمید کرتا ہے کہ یہ مفید اشاعت مطالعہ کنندگان کے دِلوں کو ہرا بھرا یعنی محظوظ کریگی اور جس طرح راقم کا دِل اشاعتِ ہٰذا سے محظوظ و مسرور ہُوا ہے۔ ویسے ہی وہ بھی آنند سے بھرپُور ہونگے۔ اور یہ پہلی جلد ہر ایک پیر و جوان کو مفید ثابت ہوگی۔ آمین۔ تتھاستو

اوم

آر۔ ایس۔ نارائن سوامی

التماس

اشاعتِ سوم

از قلم شری آر۔ ایس سوامی نارائن جی

آج پورے نو برس کے بعد خمخانۂ رام یعنی کلّیاتِ رام جلد
اوّل کی سہ بارہ اشاعت نکالتے ہوئے ایک طرف سے تو دل کو خوشی
ہوئی۔ اور دوسری طرف سے قدرے چوٹ لگی۔ خوشی تو اس لئے کہ
اتنے عرصہ کے بعد بھی راقم کو ہی اس کی سہ بارہ اشاعت دیکھنے
کا موقع ملا۔ اور جو لائق کاتب بار دوم کی اشاعت کے وقت کتابت
کے لئے نو برس پہلے ملے تھے وہی اس بار سوم کی اشاعت کے لئے
بھی مل گئے۔ بلکہ یہ اشاعت کاتب صاحب کے اپنے ذاتی مطبع سے
ہی شائع ہوئی ہے۔ اور قدرے چوٹ اس لئے لگی کہ اوّل تو
اشاعتِ سابقہ ختم ہی نو برس میں ہوئی۔ پھر اس قدر عرصے کے
بعد بھی جب اس کے سہ بارہ شائع کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ تو پبلک
نے اپنے بیشمار کاموں میں راقم کو اس قدر مشغول و مصروف رکھا
کہ ایک ہفتہ تک بھی لگاتار دہلی میں ٹھہرنے کا موقعہ نہ دیا۔ جس سے
راقم خود نہ اس اشاعت کے پروف دیکھ سکا اور نہ کتابت۔ بلکہ کاتب
اور دہلی کے ایک رام پیارے لالہ بشیشر ناتھ جی نے باہم مل کر پروف
دیکھا۔ اور اس اشاعت کو تکمیل تک پہنچایا۔ اور جا بجا انگریزی و سنسکرت
کی عبارت کو بھی ان ہر دو اصحاب نے اپنی ہی قلم سے لکھا۔ جس سے

کتابت پہلے کی طرح نہ تو خوبصورت اور نہ صحیح شائع ہونے پائی۔ اگرچہ ان ہردو اصحاب نے اس اشاعت کو صاف و صحیح شائع کرنے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ جس کے لئے راقم ان کا بہت مشکور ہے۔ اور یہ ہردو پبلک کے شکریہ کے بھی مستحق ہیں۔ لیکن سنسکرت و انگریزی کی کتابت میں تجربہ نہ رکھنے کے کارن بہت جگہ بد خط و غلط لکھے جانے سے اشاعت ہذا پہلے کی نسبت قدرے نا صاف و غلط شائع ہوئی ہے۔ جس کے لئے اُمید ہے کہ رام پیارے راقم کی طاقت سے باہر معاملہ دیکھتے ہوئے اُسے معاف فرمائیں گے۔ اور اس اشاعت کو ہاتھوں ہاتھ یعنی بہت جلدی خرید کر راقم کو موقعہ دیں گے۔ کہ جلد وہ اشاعتِ چہارم کو اپنا دِل کھول کر اس سے اعلیٰ چھپوا کر پبلک کی بھینٹ کر سکے ۔

(۴) رام پیاروں کو یہ امر بھی دھیان میں رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ اشاعت سابقہ کے برابر صاف و صحیح یہ جلد شائع نہیں ہوئی۔ لیکن نو برس پہلے جو سیاہی و مزدوری۔ چھپائی و کاغذ کا نرخ تھا اُس سے دُگنا سے بھی زیادہ آجکل بڑھا ہوا ہے۔ اور پس پر بھی نہ وہ اعلیٰ مصالح دستیاب ہوتے ہیں اور نہ کاریگر ہی۔ لیکن ان تمام کمیوں کے ہوتے ہوئے بھی اِس جلد کو سابقہ دام سے ہی پبلک کے پاس پہنچانا یہ کم ہمت و دلیری کا کام نہیں ہے۔ اور رام پیاروں نے اِس ہمت کی اگر داد دی تو اُمید قوی ہے کہ رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ۔ جس نے کہ رام کی تمام تحریرات و تقریرات کو ہرسہ زبان (انگریزی۔ ہندی و اُردو) میں شائع کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ وُہ اِس سے بھی زیادہ دلیری کے

ساتھ زیادہ اعلیٰ و صاف شائع کر کے اشاعت کو اِس سے بھی زیادہ
سستے دام پر لوگوں کی خدمت میں پہنچا سکے گی۔ ایشور کرے کہ
رام پیاروں کی حوصلہ افزائی و لیگ کی ہمت ہر دو بنے رہیں ۔

(۱۳) پرم ہنس سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی تصنیفات و تقریرات
کو خود غرض لوگوں و محض دوکانداری سپرٹ سے محفوظ رکھنے کے لئے
ایک رجسٹرڈ سوسائٹی شہر لکھنؤ میں سوامی رام تیرتھ پبلیکیشن
لیگ کے نام سے جاری کی گئی ہے۔ جس سوسائٹی کو راقم نے
نہ صرف وہ تمام حقوق اشاعت ہی (جو قانوناً درج رجسٹرڈ سٹنے) دے
دیئے ہیں۔ بلکہ پبلک چندہ سے جو رآم کی تصنیفات راقم نے پہلے شائع
کی تھیں وہ سب کی سب مع تمام حقوق کے حوالہ کر دی ہیں۔ اِس لئے
آئندہ کو جس پیارے نے رآم کے کسی لیکچر و تصنیف کا ترجمہ کرنا ہو
یا مذکورہ بالا تین زبانوں کے علاوہ کسی دوسری زبان میں شائع کرنا
ہو تو اُس کے لئے وہ لیگ مذکور سے ہی اجازت مانگے۔ بغیر منظوری
لیگ رآم کے کسی ورکس کو چھاپنے سے وہ جواب دہی کا ذمّہ دار
ہوگا ۔

(۱۴) یہاں یہ بتا دینا بھی نا واجب نہ ہوگا۔ کہ رام تیرتھ پبلیکیشن
لیگ امین آباد لکھنؤ جو ایک رجسٹرڈ سوسائٹی ہے۔ اُس میں ہر ایک
رام پیارا جو اُس کے قواعد کے مطابق چندہ دے سکتا ہے
وہ اِس کا ممبر و مربّی و مددگار ہو سکتا ہے۔ اور جو رام پیارے
اِس لیگ کے ممبر و مربّی ہیں وہی اس کے منتظم و محافظ ہیں۔
کوئی ایک خاص شخص نہیں ۔

۱۴اب یہ لیگ نمبر ۲۵ مارواڑی گلی لکھنؤ میں واقع ہے ۔

(۵) آخر میں رام پیاروں سے یہی پریم بھری عرض ہے کہ اس لیگ کو بالکل اپنا سمجھتے ہُوئے تن من دھن سے اِس کی مدد کریں جس سے کہ رام کے کلام کو یہ جماعت نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے جہان کے کونے کونے میں پہنچانے کے قابل ہو سکے اور خدمتِ انسان میں کامیاب ہو ❖

سب کا اپنا آپ

نارائن سوامی

التماس

اشاعتِ بار چہارم

از قلم بابو بینی پرشاد بھٹناگر۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی

(ہیڈ ماسٹر امین آباد ہائی سکول۔ آنریری سکرٹری۔ رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ۔ لکھنؤ)

گنجینۂ راحت و معرفتِ ذات کے متلاشیوں کو واضح ہو کہ یہ آبحیات جو رام کے چشمۂ دل سے بہا تھا۔ اور بعد ازاں مثلِ دریا در کوزہ کے کتاب کی شکل میں بعنوان "خمخانۂ رام" ہدیہ ناظرین کیا گیا تھا۔ واقعی خمخانۂ معرفت ثابت ہوا۔ اس خم کی مے کو جس کسی نے نوش کیا وہ نشۂ وحدت میں مست و مسرور ضرور ہوا۔ جیسا کہ بیشمار خطوط سے جو لیگ کو موصول ہوئے واضح ہو رہا ہے ؛

اشاعتِ سابقہ کی التماس و دیباچہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس "خمخانۂ رام" یعنی "کلیاتِ رام" کی جلد اوّل میں رسالہ الف کے بارہ نمبر (یعنی ایک سال کی جلد رسالۂ الف کے کل مضامین) درج ہیں۔ یہ وہی رسالۂ الف ہے کہ جو برہم لین سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کی قلم سے اور انکے ہی اپنے شاگرد رشید سوامی ناراین جی کی زیر نگرانی سنہ ۱۹۰۰ء میں جاری ہوا تھا۔ اِس خم یعنی جلد ہذا کی اشاعت بار اوّل سنہ ۱۹۰۰ء میں۔ بار دوم سنہ ۱۹۱۳ء میں اور بار سوم سنہ ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔ اور اب پہلے کی نسبت کم وقفہ میں اس کا بارِ چہارم

اشائع ہونا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ تصنیف ہذا خوب مقبولِ خاطر عوام ہو رہی ہے ؎

اِس مرتبہ گو مضامین و ترتیب جلد ہذا میں کوئی تغیّر و تبدّل چنداں نہیں کیا گیا۔ لیکن اُن تمام نقائص کو جو طبع بار سوم میں بوجہ عدم نگرانی رہ گئے تھے حتیّ الوسع دُور ضرور کر دیا گیا۔ یعنی اِس مرتبہ کتابت و اشاعت بہ نسبتِ سابقہ کے بدرجہا عمدہ ہُوئی ہے۔ کاغذ بھی بہ نسبت پہلے کے بہت بڑھیا قسم کا اور قیمتی لگایا گیا ہے۔ اور قسم اعلیٰ و قسم دوم یعنی ہر دو قسم کی کاپیاں مجلد کرادی گئی ہیں۔ کوئی قسم کی کاپی بِلا جلد نہیں رکھی گئی۔

چونکہ اشاعتِ ہذا کو ہر طرح سے اعلیٰ و مرغوبِ طبع بنانے میں اِس پر صرفہ پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ چھپائی و جلد سازی کا نرخ بھی بمقابلہ گذشتہ نو برس کے تقریباً ڈیڑھ گنا بڑھا ہُوا ہے۔ اور علاوہ اِسکے قسم اعلیٰ (اول)، و قسم ادنیٰ (دوم) یعنی ہر قسم کی کاپیاں سب کی سب مجلد کرادی گئی ہیں۔ لہٰذا جلد ہذا کا دام بھی بہ نسبت پہلے کے آٹھ آنہ فی کاپی بڑھا دیا گیا ہے۔ یعنی پہلے جو قسم ادنیٰ (دوم) کی کاپی معمولی کاغذ پر اور بِلا جلد ہونے کی وجہ سے ایک روپیہ پر ملتی تھی وہ اب اعلیٰ کاغذ پر اور مجلد ہونے کی وجہ سے عہ؍ (ایک روپیہ آٹھ آنے) پر ملیگی۔ اور جو قسم اعلیٰ (اول) کی کاپی عمدہ کاغذ پر اور معمولی کپڑے کی جلد ہونے سے عہ؍ (ایک روپیہ آٹھ آنے) پر ملتی تھی۔ وہ اب بہت بڑھیا کاغذ پر اور بڑھیا کپڑے کی سُنہری جلد ہونے کی وجہ سے ۲؍ (دو روپیہ) پر ملے گی۔ **خمخانۂ رام** یعنی **کلیاتِ رام** کی جلد دوم جس میں کہ رسالۂ الف

کے باقی ماندہ تمام منبر معہ سوامی جی مہاراج کی سوانح عمری کے درج
ہیں وہ بھی اِسی طرح سے شائع کی گئی ہے اور اُس کا حجم اگرچہ جلد
اوّل کے حجم سے قدرے زیادہ ہے لیکن دام ہردو کا ایکساں ہی رکھا
گیا ہے۔ تاکہ کوئی بھی پیارا رامؔ کے کلام اور اُنکی عملی زندگی کے مُطالعہ
سے محرُوم نہ ہونے پائے ✤

اگر طالبانِ حق نے اشاعتِ ہٰذا کی کاپیوں کو جلد ہاتھوں ہاتھ
فروخت کرا کر کارکنانِ لیگ کی حوصلہ افزائی کی تو اُمید قوی ہے کہ
باقیماندہ کُل مضامین بزبانِ اُردو جو رام کی قلم سے مختلف اخباروں اور
رسالہ جات میں اُنکی زندگی میں شائع ہُوئے تھے مع اُن انگریزی
تقریروں کے ترجموں کے جو ابھی تک اُردو کا لباس نہیں پہننے پائے ہیں
سب کے سب سلسلہ وار جلد سوم و چہارم میں لیگ سے جلد شائع ہو
جاویں گے ✤

اِس لئے شائقینِ علم معرفت و طالبانِ حق سے ہماری التجا ہے کہ
وے اس گنجینۂ بے بہا کو عوام تک پہنچانے و بے نقاب کرنے میں لیگ کی
مدد کریں۔ تاکہ لیگ روز افزوں مشکلات کا مقابلہ کرتے ہُوئے بھی ہر خاص
و عام کی خدمتگذاری پُوری طرح سے کر سکے۔ اُمید کامل ہے کہ اگر سچے
دِل سے مضامینِ جلد ہٰذا کا مطالعہ کیا گیا تو قلب کی تاریکی و جُزوی
خودی دُور ضرور ہوگی۔ اور وصالِ ذات اور دائمی خوشی ضرور حاصل ہونگے

سب کا اپنا آپ
بینی پرشاد بھٹناگر
سکریٹری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ۔ لکھنؤ

دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء

(اشاعت دوم)

دیباچہ
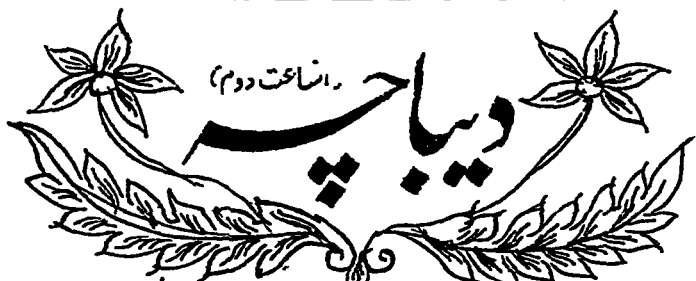
از قلم شری سوامی - آر - ایس - ناراین جی صاحب

راقم کو رام کا کلام و تحریر ہر دو مستئ مجسّم قلب سے بہے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔ اور اُن کا ہر ایک مضمون گویا مستی کا بھرا ہؤا خُم۔ اِس لئے اِن تمام تصنیفات کا نام خُمخانۂ رام رکھا گیا ہے ؛

امریکہ میں جو لیکچر انگریزی زبان میں دیئے گئے تھے۔ وُہ ہندوستان سے چلنے کے چند سال پیشتر تقریباً تمام کے تمام اُردو زبان میں خود رام کی قلم سے نکلے تھے۔ اور راقم کی زیر نگرانی شائع ہوئے تھے۔ اصل میں مستئ مجسّم قلب سے بہی ہوئی یہ اُردو تحریر (تصنیف) ہی تھی کہ امریکہ میں بلباس تقریر انگریزی ظاہر ہوئی۔ علاوہ ازیں کچھ ایسے خیال بھی ہیں کہ جو انگریزی لیکچروں میں تو ہوں اور اُردو تحریروں میں پہلے نہ بیان ہو چکے ہوں۔ اور جو کچھ نئے خیالات اُن سے وہاں امریکہ میں قلمبند ہوئے انہیں قریباً سوامی جی نے ہندوستان میں واپس آکر مختلف اُردو رسالوں میں آرٹیکلوں کی شکل میں عیاں کر دیا۔ جس سے اب کُل انگریزی تقریراتِ رام کا لفظ بلفظ ترجمہ کرنے کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ اُن کُل تحریرات و تصنیفاتِ رام کا شائع کردینا ہی انگریزی تقریرات کے

نفسِ مضمون کا پبلک تک پہنچاتا ہے۔ اور جو کوئی انگریزی لیکچر بلا اُردو لباس پہنے رہ گیا ہے صرف اُسی کا ترجمہ کیا جائیگا۔ باقی کسی لیکچر کا نہیں ؛

رام کی یہ کُل انگریزی تقریریں و تحریریں کُلیاتِ رام کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ہیں (جو اب سات یا آٹھ جلدوں میں شائع کی جا رہی ہیں) اور خمخانۂ رام میں اُن سب انگریزی تقریروں و تحریروں کا اصلی نوٹو دیعنی اُردو تحریرات جو خود رام کے دستِ مبارک سے قلمبند ہوئی تھیں) ہی سلسلہ وار درج کیا جاتا ہے۔ اِس امر کو واضح کرنے کی خاطر ان جلدوں کا عنوان اُردو کُلیاتِ رام بھی رکھا گیا ہے۔ تاکہ اُردو داں اِن جلدوں کے مطالعہ سے یہ سمجھ لیں کہ وُہ انگریزی کُلیاتِ رام ہی کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور اُن تقریروں کے نفسِ مضمون سے محرُوم نہیں ہونے پائے ہیں ؛

اُوپر یہ واضح کر دیا ہے کہ انگریزی کُلیاتِ رام زیادہ تر اُردو تصنیفاتِ رام ہی کا عکس ہیں۔ اِس لئے جس سلسلہ سے یہ اُردو تصانیف سوامی جی کی موجودگی میں شائع ہوئی تھیں وُہی سلسلہ اب اختیار کیا گیا ہے۔ انگریزی کُلیاتِ رام کے سلسلے کی پیروی نہیں کی گئی ؛

سب سے پہلے سوامی جی کی قلم سے رسالۂ الف جاری ہُوا تھا۔ اُس کا پہلا نمبر جنوری ۱۹۰۰ء میں زیرِ اہتمام راقم نکلا تھا۔ اِس کے بعد قریب اٹھارہ نمبر رسالہ کے نکلے۔ جو دو سال کی جلدیں گردانے گئے۔ بعد ازاں امریکہ سے واپس آنے پر

کئی مضامین لکھے گئے۔ اور کئی لیکچر مختلف مقاموں پر دیئے
گئے جو موقعہ بموقعہ مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوئے۔
اب بھی خمخانۂ رام کی پہلی جلد میں رسالۂ الف کے بارہ[۱۲] نمبر یعنی
ایک سال کی پوری جلد شائع کی گئی ہے۔ بعد ازاں دیگر تحریرات
و تصنیفاتِ رام متعدد جلدوں میں منقسم ہو کر شائع ہونگی۔ مگر
سلسلۂ ترتیب تقریباً پہلے کی طرح رہے گا۔ جلد دوم میں رسالۂ
الف کے باقیماندہ نمبر معہ مفصّل حالاتِ زندگیٔ رام شائع ہونگے
(جو اب شائع ہو چکے ہیں) اور جلدِ سوم میں باقیماندہ کُل مضامین
جو اُردو اخباروں یا رسالوں میں شائع ہوئے ہیں معہ اُن انگریزی
تقریروں کے ترجموں کے کہ جو ابھی تک اُردو کا لباس
نہیں پہننے پائیں سب کے سب سلسلہ وار شائع ہونگے۔ ہر ایک جلد
قریب ۵۰۰ صفحوں کے رکھی جاویگی۔ اگر مضمون ان صفحوں سے بہت
زیادہ تجاوز کر گیا تو چوتھی جلد بھی نکالی جاویگی۔ مگر اس امر کا
مفصّل ذکر جلد سوم کے دیباچہ میں کیا جاوے گا۔

جلد ہذا میں جو رسالۂ الف کے نمبر شائع ہوئے ہیں سب
خود رام ہی کے ترمیم شدہ ہیں۔ علاوہ نئی ترمیم کے راقم نے
تمام فارسی انگریزی اور سنسکرت کی نظموں یا عبارت کا مفصّل
ترجمہ یا مطلب اُن کے نیچے نوٹ میں درج کر دیا ہے۔ تاکہ
اُردو داں اُن کے نفسِ مضمون سے بے بہرہ نہ رہیں اور مضمون
کے سمجھنے کا سلسلہ بھی نہ ٹوٹنے پائے۔

دربارۂ رسالۂ الف ناظرین کو مختصراً اتنا ہی کہنا ہے کہ یہ

رسالہ اپنی بالکل نرالی وضع قطع و مُدّعا لئے نکلا تھا۔ اور ابھی تک اِس نمونہ کا رسالہ اِس کے بعد ہندوستان میں نکلنے نہیں پایا۔ مختلف قسم کے رسالے مختلف مدّعا لئے ہُوئے تو بیشک بہت نکل چُکے ہیں۔ مگر ویدانت (تصوّف) کی رُوح پھُونکنے والا اور اُس کے فلسفہ کو بآسانی سمجھانے والا ابھی تک الف جیسا مدلّل و دلچسپ رسالہ تختۂ ہستی پر نہیں آیا۔ اور نہ وُہ سحر بیانی و زبان دانی کسی رسالے میں دیکھی گئی جو کہ رسالۂ الف میں رام کی قلم سے نکلی تھی۔ الغرض یہ رسالہ ہر طرح سے اپنے ڈھنگ و نمونہ کا ایک ہی نکلا تھا۔ اور اِس کا عنوان بھی دُنیا بھر میں نرالا ہی تھا۔ اور جو کچھ جادُو بھرا اثر اِس سے تعلیم یافتہ لوگوں پر ہُؤا۔ وُہ مختلف اخباروں و رسالوں کے ریویوؤں سے جو جلد ہٰذا کے آخر میں درج ہیں واضح ہو رہا ہے ؛

جس مدّعا و منشا سے یہ رسالہ جاری ہُؤا تھا وہ سب کا سب مختصرًا اُس اعلان میں درج ہے جو رسالہ جاری کرتے وقت برائے اطلاع بابی بانٹا گیا تھا۔ برائے ملاحظۂ ناظرین اُس کی نقل بھی درج کی جاتی ہے ؛ اگرچہ رسالہ بموجب اطلاع ہر مہینے کی پہلی تاریخ لگاتار شائع نہ ہو سکا۔ جس سے ہر ماہ اعلان میں دربارۂ تاریخ اشاعت کچھ تبدیلی ہوتی رہی۔ تاہم رسالۂ ہٰذا کی غرض و منشا ظاہر کرنے کے خیال سے سب سے پہلے والے اعلان کی نقل دی جاتی ہے ؛

اعلان
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما
اکائی ذات میں میری ہزاروں رنگ ہیں پیدا
مزے کرتا ہوں میں کیا کیا۔ اہا ہا ہا! آہا ہا ہا!!
کروڑ میں پوری کروڑ اکائیاں شامل ہوتی ہیں۔ اور لاکھ کئی لاکھ
اکائیوں سے مرکب ہوتا ہے۔ لیکن اکائی میں کروڑ اور لاکھ اور
ہزار کا نظارہ دکھانے والا "ہمہ یک است چہ دہ چہ صد چہ ہزار"
کی جھلک دکھانے والا اور باتا ثا وغیرہ کو ایک الف میں لانے والا
رسالہ "ا" نمودار ہوا ہے ؛
اس میں علاوہ دیگر مضامین کے کل کا کل ویدانت درشن
بھگوت گیتا اور ساری اپنشدیں (معہ بھاشیہ) آہستہ آہستہ اردو
میں شائع کی جائیں گی (مطابق سدھانت بھگوان شنکر) ؛
نئی روشنی والوں کے لئے بھی روحانی غذا کافی ہوگی۔ قیمت
سالانہ بلا محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ) معہ محصول ڈاک (عہ)
تاریخ اشاعت ہر مہینے کا شروع ؛
ع جسکو منظور ہو درخواست کرے ساتھ کے ساتھ ؛
المشتہر
نارائن مینیجر رسالۂ الف۔ آنند پریس سوتر منڈی لاہور

خوش قسمتی سے رسالہ کے جنم دن سے ہی اُس کی اشاعت وغیرہ کا انتظام راقم کے ذمّہ تھا۔ اور مالی مدد رام بھگت لالہ ہر لعل جی کے ذمہ تھی۔ اگرچہ چندہ وغیرہ بھی اِس ذمّہ واری میں کچھ حصّہ لیتا تھا۔ اور آج قریباً تیرہ سال کے بعد اِسکی دوبارہ اشاعت کا ذمّہ پھر راقم کی گردن پر پڑا ہے اور بجائے ایک رام پیارے کے بیسیوں رام بھگتوں نے مالی مدد کا ذمّہ اپنے کندھوں پر لے لیا ہے۔ اِس پبلک خدمت کی تکمیل تو بھگوان رام پر ہے مگر اِس خدمت میں نارائن کی حوصلہ افزائی کا انحصار رام پیاروں کی مالی مدد پر ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اِس نیک کام میں کسی نہ کسی طرح سے حصّہ لے رہے ہیں۔ اور دھن ہے نصیب "نارائن" کے کہ جس کو پھر یہ پبلک خدمت اَدا کرنے کا موقع دیا گیا۔ اور اُن کا خاص کر دھنباد ہے جنہوں نے مالی مدد دیکر اس نہایت مُفید ورکس کی اشاعت کو کچھ تکمیل تک پہنچایا ؏

آر۔ ایس۔ نارائن سوامی۔

اِکّو الف تیرے درکار
पूर्णमदः पूर्णमिदं पूर्णात् पूर्णमुदच्यते । पूर्णस्य पूर्णमादाय पूर्णमेवावशिष्यते ॥

آنند
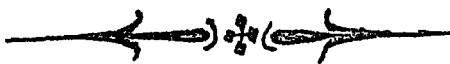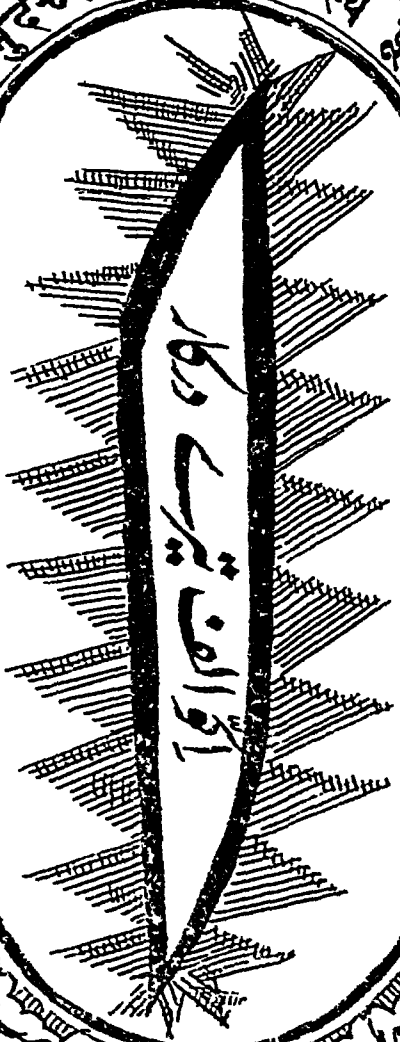
او اِس مضمون سے آنکھ لڑانے والے پیارے! ذرا اُس دن کو یاد کر جبکہ تیرا آنند ماں کے آنچل تلے ڈھکا تھا۔ ماں کی آستین سے بندھا تھا۔ حوریں بُلاتی ہیں۔ اپسرا گود میں لیا چاہتی ہیں مگر تم ہو اور ماں کا دوپٹہ۔ آپ چھپتے ہو۔ مکھڑا چھپاتے ہو۔ راجہ صاحب بُلاتے ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب یاد فرماتے ہیں۔ تمہاری بلا سے۔ تم تکتے تک نہیں۔ بلکہ پری رُخساروں اور ذی وقاروں پر سچ مچ پیشاب کرنا آپ ہی کا کام تھا۔ ایم۔ اے اور ایل ایل ڈی کی تمہارے سامنے کچھ حقیقت ہی نہیں۔ قیمتی کتابیں تمہارے خیال میں صرف پھاڑ دینے کو بنائی گئی تھیں۔ کیوں جی کیسے شاہی تھے اُن دنوں؟ سب دیکھنے والے بلائیں لیتے ہیں۔ بھائی فدا ہُوا چاہتے ہیں۔ بہنیں اپنے تئیں نچھاور کرنے کو تیار ہیں۔ باپ کے پیارے۔ ماں کی آنکھوں کے تارے۔ اوڑھنے کی فکر نہ بچھونے کا ذکر۔ سچ ہے ع

معصوم کے بہشت سدا ہمرکاب ہے۔

Heaven dwells with us in infancy.

یہ وُہی دن ہیں جہاں نگاہ میں نہ دُنیا ہے نہ اپنا۔ نہ بندہ ہے نہ خدا۔ نہ من ہے نہ تُم۔ نہ نیکی ہے نہ خطا۔ نہ گستاخی ہے نہ حیا۔ نازنینوں کے نخرے اور ادا بالکل لایعنی۔ دنیوی کرّ و فر مطلقاً بے معنی ⁂

جُملہ معترضہ۔ دھن ہیں وہ مہاپرش جو بچپن سے لیکر تمام منازل طے کر کے بگیان سروپ ہو دوبارہ بچے کی مانند ضدّین سے خالص بنچکے ہیں۔ اور مصداق اِس مقولے کے ہیں۔

ع۔ انتہائے کار جو تھی ابتدائے کار تھی ⁂

اَے ناظرین یاد رہے یہ مہاتما اوپر سے پیارے پیارے بھولے بھالے وُہی ہیں جن کا کام ہے ایشور کی چھاتی پر کُودنا۔ اِندر آدِک دیوتا اُن کو ہاتھوں پہ اُٹھاتے ہیں۔ برہما آدِک اُن پر وارے وارے جاتے ہیں۔ مگر بل سے استغنا کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھتے بھی تو نہیں۔ چاروں وید اُنہی کی حمد و ثنا گاتے ہیں ⁂

ع۔ دُھول تہاندی جے ملے نانک دی ارداس

کچھ بہت عرصہ نہیں گذرنے پاتا کہ بچے کا آنند اپنا صدر مقام تبدیل کرتا ہے۔ اب کھیل کُود میں جو مزا ہے وُہ اور کہیں نہیں۔ یہاں تک کہ ماں بھی بِسر جاتی ہے۔ علم و ہُنر۔ دولت و عظمت کا تو پُوچھنا ہی کیا ہے ⁂

تھوڑے سے مُدّت اور بسر ہوتی ہے کہ آنند کا چکّر اپنا مرکز کتابوں کو بنا لیتا ہے۔ اب نہ کھیل سُوجھتی ہے نہ ورزش۔ نہ ماں یاد ہے نہ حُسن و تماشا ⁂

کچھ زمانے کے بعد ملازمت وغیرہ ملی۔ آنند لکشمی کے کرشمہ میں آ قائم ہوا۔ اب روپیہ کی ٹنکار جیسا کوئی راگ ہی نہیں۔ دولت اِکٹھا کرنے سے بڑھکر کوئی کاج ہی نہیں ۔

اِس جڑ مایا کے آنے پر چنچل مایا (اِستری) کی لگن میں مگن ہو گیا۔ وہ روپیہ جو باقی کُل چیزوں سے زیادہ پیارا تھا عورت کی خاطر اُس روپیہ کو ایک گونہ طلاق دینا بسر و چشم منظور ہُوا۔ اب کن بچھٹے گوَرد جی (عورت) کے رات کے ایکانت کے گور منتروں میں آنند جی نے آسن جمایا۔ مگر اُس کو چَین کہاں ؟ بھوجی اور بابُو جی سُنجے کی باٹ تاکتے ہیں۔ ہائے کب ہمارے گھر میں بالک کھیلے گا۔ کب اس کھلونے سے دِل بہلے گا۔ بابُو جی تو اخباروں اور ڈاکٹروں سے نُسخے دریافت کرتے ہیں۔ اور بھوجی گنڈا تعویذ سادھو فقیر کی تلاش میں رہتی ہیں کہ ہائے کسی صُورت سے اپنے جوبن کے پودا کو پھل لگے۔ زر ہے۔ زیور ہے۔ زمین ہے۔ پر ایک ہی چیز کی کمی ہے۔ جس بِنا یہ کُل چیزیں پھیکی ہیں ۔ بچے کی خاطر بابُو جی اپنی اردھنگی کی موجُودگی میں دُوسرا بیاہ کرنے کو مُستعد ہیں ۔

گنگا مائی کی کرپا سے بالک ہُوا۔ آنکھیں ملتے ملتے اِکلوتے بیٹے کا مُنہ دیکھا۔ ایسا شُگُن پھر کب ہو گا۔ خوشی سے پھُولے نہیں سماتے ننھا ہے کہ اِک تماشا ہے۔ کُل کُنبے کی جان ہے۔ اُس سے ایک دم کی جُدائی دُوبھر ہے۔ دفتر میں کام کرتے ننھا ہی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ گرہست کے آنند کا معراج ہو چکا

ماں ہے کہ اِس بچے کو چُومتی نہیں۔ گئو کی طرح چاٹتی ہے۔ اپنی ہی جان۔ اپنے ہی دیہ پران گمان کرتی ہے۔ دادی کے عشق کا تو کچھ پُوچھئے ہی نہیں ؎

دولت کوئی دُنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گُل تر سے نہیں بہتر
صدیوں میں علاج دل مجرُوح یہی ہے
ریحاں ہے یہی۔ راح یہی۔ رُوح یہی ہے
ماں باپ کی آسایش و راحت ہے پسر سے
تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خُوں جسم میں۔ آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر۔ قوّت دِل۔ راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ پژمردہ جواں ہے

بچہ کچھ بڑا ہُوا۔ ماں کی آنچل کے اوجھل ذرا مُنہ چھپایا اور توتلی زبان سے پتا کو کہا "پاپا جھات" اتنے ہی میں ماں اور باپ دونوں کو بے سُدھ کر دیا۔ من موہ لیا۔ چت چُرا لیا۔ والدین باغ باغ ہو گئے ؎ بھئی سچ کہنا یہ حالت ایک عام دُنیا دار کے لئے آنند کا زینۂ راحت کا بلند ترین پایہ ہے کہ نہیں ؟ نظرِ انصاف سے دیکھو تو ماننا پڑے گا کہ اس

اوستھا کے بعد آنند کا سورج سمت الرّاس سے اُتر جاتا ہے۔
زاں بعد اِدھر تو جوانی کی دوپہر ڈھلنی شروع ہوگی۔ اور اُدھر بچہ گدگدی کے لائق نہیں رہے گا۔ بلکہ سُدھارنے لائق ہو جائیگا۔
مارے ہنسی کے دوہرا ہوکر اور سارا مُنہ کھول کر بے کھٹکے قہقہہ لگانا پھر کہاں ؟ ✣ اُسے دیکھ کر پھر اس کی تعلیم و تربیّت کی فکر ہوگی۔ گاہے گاہے تنبیہ بھی ہُوا کریگی۔ لڑکا پھر بہجت انگیز نہیں بلکہ فکر انگیز ہو جائیگا ✣
یہ بیان صاف ثابت کرتا ہے کہ ہمارے بابُو صاحب کو زندگانی کے سیر و سفر نے موہنی خوشی کی چوٹی پر آن پہنچایا۔ اِس بلندی پر بابُو جی کو کِھلا ہُوا کنول پھُول مِلا ✣

ننّھا ہے گول مول کہ اِک کنول پھُول ہے
نازک ہے لال لال اچنبھا امُول ہے

لیکن ہمیں بابُو صاحب سے کیا۔ ہمیں تو "آنند" کی تاریخ لکھنا ہے۔ کیسے رُوپ بدلے! کہاں کہاں پھرا! ماں کے آنچل تلے۔ بچوں کے کھیل کُود میں کتابوں کے اوراق میں۔ سونے کی آب و تاب میں۔ گلُوں کے رنگ و بُو میں۔ بُتوں کے تبسّم کُناں دیدوں میں۔ جوڑو کے بوس و کنار میں۔ اور لختِ جگر کے پیارے پیارے لال لال مُسکراتے ہُوئے ہونٹوں میں ✣
او آنند! کیا تُو سچ مچ اِنہیں مقامات میں قیام رکھتا ہے؟ ✣
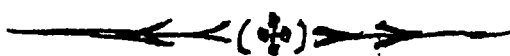
نظارۂ دوم

دوپہر کا وقت ہے۔ ہمارے بابو صاحب کوٹ پگڑی اُتار دفتر کے کام میں مصروف ہیں۔ پنکھا ہو رہا ہے۔ یہ لو۔ لیمونیڈ کی بوتل کُھلی۔ برف ڈالکر بابو صاحب نے نوش فرمائی۔ پیاس نہیں بجھتی۔ ہائے گرمی! ٭

بابو صاحب کی موجودگی میں ماتحت کلرک وغیرہ سب دم بخود اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ کوئی سر نہیں اُٹھاتا ٭

ٹن۔ ٹن۔ ٹن۔ ٹن۔ ٹن ٭

بابو صاحب۔ راما! سُن تو ٹیلیفون کیا کہتا ہے۔ کیا خبر ہے خیر تو ہے؟

ملازم کو اتنا کہا اور نہ معلوم کیوں۔ کام چھوڑ لپک کر خود ہی سُننے لگے۔ سُننا تھا کہ ہائے ہائے کہکر چھاتی پیٹنا۔ کیا ہُوا؟ کیسی خبر تھی؟ کیسا جانکاہ واقعہ تھا۔ جگر خراش آواز تھی سُنتے ہی خرمنِ اُمید پہ بجلی گری۔ رنگ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہوگئے۔ ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔

ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

سرکاری کاغذات اور نوٹ جو ملاحظہ کے لئے کھُلے پڑے تھے صندوقچے بس جھٹ پٹ بند کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دل کو یہ بے قراری کہ ہاتھ کام نہیں کر سکتے۔ کنجیو پیٹی سے بندھی ہوئی تالی سے صندوقچہ بند کیا چاہتے ہیں۔ لیکن اُنگلیاں خطا کر جاتی ہیں۔ جس قدر

جاہی کرتے ہیں - اسی قدر دیر ہوئے جاتی ہے - بیہوشی ہی میں سر پر
پگڑی - اور بدن پر کوٹ رکھنا - اور دفتر سے باہر بھاگے - لیکن
کوئی لکّہ اور کوئی نہیں لگا - کسی سے سلام کی نہ کسی سے رام رام
سب حیران ہیں - الٰہی ماجرا کیا ہے - ٹیلیفون کی اِس کرخت آواز
نے وہی ہل چل ڈالدی جو بانسری کے دلکش نغمہ نے برج کی
گوپکاؤں میں ڈالی تھی) ؎

راما - حضور! سائیس کو حکم دیا ہے وہ ابھی فیٹن لایا ؎

بابو صاحب - ارے جل گئے - جل گئے - آگ - آگ ؎

اتنا کہا اور اپنی شان اور عزت کو بالائے طاق رکھ بیر
بازار دوڑے - ایک دوڑتی ٹریم (گاڑی) والے کو آوازہ کسا - ہاتھ
اٹھایا - ٹھہرو ٹھہرو - اور جست سے اپنے تئیں ٹریم (گاڑی) میں
جا ڈالا - مارے اضطراب کے ٹریم والے کو پکار کر کہتے ہیں - "جاہی
جاہی" - بس چلے تو تازیانہ اور لگام اُسکے ہاتھ سے چھینکر گھوڑوں
کو سرپٹ دوڑا دیں - سامنے سے صوبہ کے گورنر صاحب بہادر کی
گاڑی (وہی گورنر جن کی خدمت میں ہندوستان کے رئیس حاضر
ہو کر سلام کا موقع جب پاتے ہیں تو اس کے بعد برسوں اپنے
سنگتا و احباب (دوست مترون) میں بیٹھ کر بڑے فخر سے اس کا
تذکرہ کیا کرتے ہیں) مگر اس وقت ہمارے بابو جی کی آنکھوں
میں دنیا اندھیر ہو رہی ہے - لاٹ صاحب کی گاڑی پاس
سے گذر گئی اور ان کو معلوم ہی نہیں پڑا - سلام تو کیا کرتے ؎
ٹریم کے اندر دائیں بغل سے میٹھی میٹھی آواز یہ کیا آرہی ہے ؟ با

جُنبش ہیں ہونٹ ایسے ہیں نازک نفس کے ساتھ
جیسے ہلے نسیم سے پتّی گُلاب کی

"حضور! آپ کی نُورانی پیشانی پر ملال کیوں ہے؟ آج چہرے پر جلال کیوں نہیں برستا؟ وہ رونق کیا ہُوئی؟ برائے خُدا ہمیں تو نگاہِ شفقت سے محروم نہ رکھئے گا"۔ پیارے ناظرین! معلوم ہے یہ کس کی آواز تھی؟ یہ ایک مہ لقا زُہرہ جبین رشکِ عُروسی کا بولنا تھا۔ جس پر بابو صاحب کا مُدت سے جی آیا ہُوا تھا۔ جس کے وصل کا خیال کبھی چھوٹتا نہ تھا۔ جس کی تصویر آئینۂ دل میں مُحکم طور سے ثبت تھی۔ جو ذرا کار و بار کا خلاف اُٹھا جھٹ نظر پڑی۔ آج وہ باوجود جمال زُہرہ تمثال شیریں ادائی سے ساتھ بابو صاحب سے سخن سرا ہے۔ لیکن وائے! غُنچۂ دل پر کیسی ژالہ باری ہوگئی کہ مہرِ رُخِ تاباں نمُودار ہُوا۔ پر یہ نہ کِھلا۔

*لب از گُفتن چناں بستم کہ گوئی ۔ دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد

ٹوٹے۔ کیوں جی! اپنے گھر کی آگ بُجھانے کے لئے کبھی تم بھی ایسے بیتاب ہوئے۔ تمہارا کُل اساسہ جل رہا ہے۔ باطن میں آتش زنی ہو رہی ہے۔ تمہارا دارالحکومت (Rome) ملیامیٹ ہو رہا ہے۔ آتما کا پتہ نہیں۔ نشانی مفقود ہے۔ سروپ کا گیان گُم ہے مگر ہے اِس آگ بُجھانے کی فکر؟ نیرو (Nero) کی طرح خان و مان کو شُعلوں کے حوالے کرنا۔ اور اوباشوں میں

*میں نے بولنے سے ہونٹ اِس طرح بند کر لیا کہ گویا مُنہ چہرے کے اُوپر ایک زخم تھا اور وہ اچھا ہوگیا

بیٹھکر گلچھرّے اُڑانا کہاں تک ؟ ✤

٭ آنچہ ما کردیم بر خود ہیچ نابینا نکرد ✤ درمیانِ خانہ گم کردیم صاحبخانہ را

٭٭ دِلا تا کے دریں کاخِ مجازی ✤ کُنی مانند طِفلاں خاکبازی

بابُو جی کا گھر

ٹریم سے اُترنے ہیں پائے تھے کہ دُور سے دُھواں آسمان کی خبر لاتا نظر آیا۔ آگے بڑھے تو شور و شیون گریہ و بُکا استقبال کرنے کو حاضر ملا۔ گھر کے قریب عورت مردوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہُوئے پائے۔ انسپکٹر پولیس۔ سپاہی۔ مزدور ہزاروں آدمی جُوق در جُوق جمع تھے۔ کہرام مچا تھا۔ آگ چو طرفہ لگی تھی۔ ہر سمت سے شعلے بلند۔ یہ شہتیر گِرا۔ وُہ ستُون ٹُوٹا۔ تڑ تڑ۔ چٹاخ پٹاخ۔ صدہا مشکیں اور صدہا گھڑے بھر بھر کر آتے تھے۔ مگر پانی تیل کا کام دیتا تھا۔ سال بھر ہُوا اِس حویلی کو تیار ہُوئے۔ اِس میں بڑی دُھوم دھام سے برہم بھوج کرایا گیا تھا۔ غریبوں اور محتاجوں کو روٹیاں بانٹی گئی تھیں۔ بڑے شوق سے ہَوَن کی اگنی (آگ) روشن کی گئی تھی۔ ایک تو وُہ دن تھا۔ آج وُہ دن ہے کہ سارا مکان آہُوتی رُوپ ہو رہا ہے۔ دَیہ کی رِچاؤں کی جگہ نالہ و زاری کی دُھنی ہو رہی ہے۔ لوگ اُس دن بھی جمع تھے۔ جو بلی بنی تھی۔ آج بھی جمع ہیں۔ تباہ ہو رہی ہے ✤

گھر بناؤں خاک اِس وحشت کدہ میں ناصحا ✤ بیلچہ آئے جب مزدور مجھکو گورکن یاد آگیا

٭ جو کچھ ہم نے اپنے اوپر کیا وُہ کسی اندھے (بیوقوف) نے بھی ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ گھر کے اندر رہتے گھر کے مالک کو کھو ڈالا

٭٭ اَے دِل تو اِس عارضی محل (یعنی دُنیا) میں کب تک بچّوں کی طرح خاک اُڑاتا رہیگا (خاک چھانتا رہیگا) ✤

واہ ری دُنیا تیری ناپائداری! واہ رے انسان تیری جان نثاری!

بھوجی اور بابو جی کہاں ہیں؟ خادم اور لونڈیاں کدھر ہیں؟ ننھا نظر کیوں نہیں آتا؟ سب تڑپ رہے ہیں۔ باقی سب تو شعلوں کے باہر۔ لیکن بچہ مکان کے اندر ٭

بابو صاحب نڈھال تو پہلے ہی سے تھے۔ یہ رُوح فرسا خبر سُنانے کی دیر تھی کہ شیشۂ دل پر اور بھی کٹھیں لگی۔ فرط بے قراری سے رونا شروع کیا۔ کلیجہ بلّیوں اُچھلنے لگا۔ کفِ افسوس ملنے لگے اور چلّا چلّا کر بولے۔ ارے کوئی میرے لختِ جگر کو بچاؤ۔ اُس کی جان کے لالے پڑ رہے ہیں۔ تلملا رہا ہے۔ ابھی وقت ہے۔ ایسا نہ ہو جل بھُن کر راکھ ہو جائے۔ ہزار روپیہ انعام۔ عمر بھر کے لئے غلام رہوں گا۔ بچاؤ! بچاؤ!! خدا کے لئے بچاؤ!!! ٭

بھوجی سونے کے زیور اُتار کر پھینک رہی ہے کہ یہ لو۔ میرے لال کو مجھ سے ملا دو ٭ داہنی چھاتی کوس رہی ہے "ہائے میں مری۔ میں مری۔ میرا ننھا میرا ننھا۔ میرا ننھا! خادم لونڈیاں الگ بلبلا رہے ہیں۔ بچہ کی حالتِ زار نے حویلی کے جلنے اور ہزاروں روپوں کے مال و اسباب کے راکھ ہو جانے کو یاد سے بھُلا دیا ہے۔ بلاشبہ بچہ ایسی ہی عزیز چیز ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی اُس کے مقابلہ میں کیا حقیقت ٭

دُنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے بچہ۔ لیکن بچہ سے زیادہ عزیز بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ دیکھ لو اِس وقت کُل جائداد بچہ پر نثار کر دینے کو کہہ رہے ہیں۔ مگر ایسا عزیز بچہ ایک اور

چیز پر سچ مچ قربان کر رہے ہیں۔ وہ کیا؟ جانِ عزیز۔ "واہ چند میری"۔ ہزاروں روپے جائیں۔ زیورات جائیں۔ ننھے کے بچانے والوں کی جانیں بھی تلف ہو جائیں۔ بلا سے۔ لیکن خود بابو صاحب یا بہو جی آگ کے منہ میں نہیں کود سکتے۔ (اس ماجرے کو دیکھ کر بھاگوت کا وہ کپکپی لانے والا نظارہ آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا جبکہ پیارا کرشن یمنا جی میں کود پڑا۔ کُل گوال بال اور گوپیاں۔ کنارے کھڑے ہکّے بکّے منہ دیکھتے رہ گئے۔ نند اور یشودھا غش کر گئے وغیرہ۔ لیکن ندی میں کوئی نہیں کودا) ٭

اے لو! بچہ کی جان گئی۔ لیکن بابو اور بہو نے اپنی جان رکھی۔ اپنی آنکھوں کے سامنے لختِ جگر کو اگنی میں سواہا ہوتے دیکھا ٭ مثل مشہور ہے۔ جب بندریا کے اپنے پیر جلنے لگتے ہیں تو بچوں کو پاؤں کے نیچے دبا لیا کرتی ہے ٭

ذرا سننا یہ آواز! آگ بھڑ بھڑاتی ہے؟ نہیں۔ اگنی دیوتا پکار پکار کر اُپدیش سناتا ہے کہ

न वा अरे पुत्राणां कामाय पुत्राः प्रिया भवन्त्यात्मनस्तु कामाय पुत्राः प्रिया भवन्ति ॥ (یجروید۔ برہادارنیاک اُپنشد۔ ادھیائے ۴ براہمن ۵ منتر ۶)

ع پسر خوشرو کا تصرف کب ہے اپنے باپ پر
باپ تو عاشق ہوا تھا ایک اپنے آپ پر

کیسی سناٹے کی ہوا چلنے لگی۔ سائیں سائیں! یہ وید کا پیغام لائی ہے۔ گا پھاڑ پھاڑ کر (للکار کر) سنا رہی ہے ٭

स यथा शकुनि सूत्रेण प्रबद्धो दिशं दिशं पतित्वाऽन्यत्रा

यतनमलब्ध्वा बन्धनमेवो पश्रयते, एवमेव खलु सोम्यैतन्मनो दिशं दिशं पतित्वाऽन्यत्रायतनमलब्ध्वा प्राणमेवो पश्रयते, प्राणबन्धनꣳ हि सोम्य मन इति॥

(سام وید چھاندوگیہ اپنشد۔ پراٹھک ۶ کھنڈ ۸ منتر ۲)

قفس ایک تھا آئینوں سے بنا ٭ لٹکتا گل تازہ مرکز میں تھا-
تھا پھول ایک، پر عکس ہر طرف تھے ٭ تھے معشوق سب بلبل ہند کے
گل عکس کی طرف بلبل چلی ٭ چلی تھی نہ دم بھر کہ ٹھوکر لگی
جسے پھول سمجھی تھی سایہ ہی تھا ٭ یہ چیختی تو تڑ شیشہ سر پہ لگا
جو داہنے کو جھانکا وہی گل کھلا ٭ جو بائیں کو دوڑی یہی حال تھا
مقابل اڑی منہ کی کھائی وہاں ٭ جو پیچھے گری چوٹ آئی وہاں
قفس کے تھا ہر سمت شیشہ لگا ٭ کھلا پھول تھا وسط میں واہ وا
اٹھا سر کو جب آن پیچھے مڑی ٭ تو خنداں تھا گل آنکھ اس سے لڑی
جھجکنے لگی اب یہی دھوکا نہ ہو ٭ ہے سچ مچ کا گل تو فقط نام کو
چلی آخرش کر کے دل کو دلیر ٭ ملا گل-لگی اک نہ دم بھر کی دیر
ملا گل-ہوئی مست و دلشاد تھی ٭ قفس تھا نہ شیشے وہ آزاد تھی
یہی حال انسان تیرا ہوا ٭ قفس میں ہے دنیا کے گھبرا ہوا
بھٹکتا ہے جس کے لئے در بدر ٭ وہ آرام ہے قلب میں جلوہ گر

تو آہوئے ختنی مشک جوئی از صحرا ٭ ز نافۂ خویش نداری خبر خطا اینجاست
ڈھنڈورا شہر میں لڑکا بغل میں ٭ خدا اس پاس یہ ڈھونڈے جنگل میں
جھلی ہیر پھرے وچ بیلے ٭ رانجھا یار بغل وچ کھیلے۔

مطلب ٭ بے جو مرگ تیری مشکندہ سے بھیو بہ تین پھیر تور
کستوری تو نکٹ سب کیدنا وعادت سے دور

ے دیکھتا تھا میں جسے ہو کے ندیدہ ہر سُو
میری آنکھوں میں چھُپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

واہ رام! آنند تو کیا بتانے لگے تھے۔ خُوب آگ لگائی

رام۔ ہاں یہ آنند کبھی نہیں ملنے کا۔ جبتک تمام ظاہری خان و مان ایک گونہ شعلوں کے حوالے نہ کر دیا جائے "گھرجال تماشا ڈھٹّا" ٭ بیٹیا شُعلوں میں راکھ ہو جائے۔ عورت۔ ماں۔ اپنا جسم اور سب لواحقین اُڑ جائیں۔ رام ہی رام نظر آئے۔ جیسے خواندہ آدمی کے لئے لکھا ہُوا متن (پرتن) یا اور اکثر جھٹ اپنے معنوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ویسے ہی تمام اشیاء ہاٹرو گلف (تصویری الفاظ) کی مانند نگاہ پڑتے ہی رام کے درس (جھلک) دکھائیں۔ جب آنند ہوتا ہے ٭

अत्र पिता ऽ पिता भवति माता ऽ माता लोका ऽ लोकाः देवा अदेवाः वेदा अवेदाः ॥ (یجروید برہدارنیک اُپنشد ادھیائے ۴ براہمن ۳ منتر ۲۲)

شُولی اُوپر ہے پیارے کی سیج ٭

؎ در نیست خوش۔ کعبِ بوالہوس را نہ دہند
پروانہ را ست شمع مگس را نہ دہند

؎ مطلب۔ ایسی حالت میں آتما تمام تعلقات سے بری ہُوا اپنی ذاتِ خاص میں مقیم ہوتا ہے۔ یعنی بیداری میں جو باپ کے رشتے سے نامزد تھا اُس حالتِ آنند میں وہ باپ باپ نہیں رہتا۔ ماں ماں نہیں رہتی۔ دُنیا بطور دُنیا کے نہیں رہتی۔ دیوتا دیوتا نہیں رہتا۔ ایسے ہی وید (علم) وید نہیں رہتے۔ مُراد یہ ہے کہ جب پُرش تمام تعلقات سے بری ہوتا ہے تب آنند کا بحر اُس کے اندر اُمنڈ آتا ہے یعنی اُسے اپنی ذات کا اِنکشاف ہوتا ہے اِس سے پہلے ہرگز نہیں۔

؎ موتی اچھّی شئے ہے۔ مگر اس کو حریصوں کی ہتھیلی میں نہیں دیتے۔ پروانے کے لئے شمع ہے۔ مکھّی کو نہیں دیتے ٭

سلہ پس از مُردن بنائے جائیں گے ساغر مری رگل کے
لب جاناں کے بوسے خوب لیں گے خاک میں ملکے

روشے (विषय) میں جو آنند ملا۔ کیا وہ عورت کے لہو ماس ہاڑ چام میں آلتی پالتی لگائے ہوئے بیٹھا تھا؟ ہر ہر ہر! بالکل نہیں۔ وہ تو صرف چت برتی کے نرودھ میں تھا۔ ایکاگرتا میں تھا

यद् यत् सुखं भवेत्त तत्त तद् ब्रह्मैव प्रतिबिम्बनात्। سلہ
वृत्तिष्वंतर्मुखा स्वस्यानिर्विघ्नं प्रतिबिम्बनम् ॥

اِدھر لمحہ بھر کے واسطے ما دمنی رہٹی۔ بیم و رجا سے آزادی ملی۔ جسم و اسم کی تمیز فنا ہوئی۔ اُدھر آنند ہی آنند موجزن تھا۔ "میں جسم ہوں" یہ خیال فاسد ہٹتے ہی آنند نمودار ہوا۔ اِدھر وہم کا بادل اُٹھا۔ اُدھر آنند روپی چاند نے منہ دکھایا۔ یہ چاند (آنند) تیرا آتما ہے۔ دوئی کی زلفوں کو چہرے پر سے اُٹھا۔ اور شبِ غم کو روزِ عید بنا۔

سلہ ع تو خود حجابِ خودی اَے دل! از میاں برخیز۔
سلہ بر چہرۂ تو نقاب تا کے ۔ بر چشمۂ خور سحاب تا کے
سلہ گھنڈ کاہے کے کیوں چق مونہ آتے اوہے رہیوں کھاؤ

فقیرا! آپے اللہ ہو

سلہ مطلب۔ جب جب دُنیوی سُکھ ملتا ہے اُس وقت قلب میں برہم سروپ معکوس ہُوا ہوتا ہے۔ یعنی قلب میں بنا اپنی ذات کے معکوس ہوئے آنند ہرگز محسوس نہیں ہوتا۔ اور یہ عکس قلب میں اُس وقت پڑتا ہے جب چت برتیاں (خواہش اندر کے ضبط) ہوتی ہیں۔ اور من بغیر اضطراب کے ہوتا ہے۔

سلہ اپنا حجاب تو آپ خود ہے۔ اے دل بیچ سے اُٹھ بھاگ۔

سلہ تیرے رُخ پر پردہ کب تک۔ آفتاب کے چشمے پر بادل کب تک۔

خود آنکھیں میچ کر اودیا (دُکھ) رُوپی اندھکار پیدا کیا ہے۔ او آفتاب! آنکھیں کھول۔ اُجالا ہی اُجالا ہو جائے گا۔ سب چیزوں کو روشن (آنند سُکھ) بنانے والا تو ہے ؛

سلہ آفتابی آفتابی آفتاب + ذرّہا دارند از تو رنگ و تاب

न तत्र सूर्यो भाति न चन्द्र तारकं नेमा विद्युतो भान्ति कुतोऽयमग्निः। तमेव भान्तमनुभाति सर्व्वं तस्य भासा सर्व्वमिदं विभाति॥ (کٹھ اُپنشد۔ ادھیائے پہلا۔ وَلّی ۵ منتر ۱۵)

سلہ سچ۔ چانَنا کُل جہان دا تُوں	تیرے آسرے ہوئے بیوہار سارا
ہوئے سرب کی آنکھ میں دیکھدا ہیں	تجھے سوجھتا چانَنا اندھیارا۔
نت جاگنا سونا خواب تینوں	دیکھ تیرے آگے ہولے کئی بارا
بُلّھا شاہ پرکاش سروپ تیرا	گھٹ وَدھ نہ ہوت ہے ایکسارا

سوال بچّہ ہر وقت کیوں آنند رہتا ہے۔ مست پھرتا ہے؟

جواب۔ اُس میں "مَیں جسم یا بدّھی ہُوں" یہ وہم جاگزیں نہیں۔ دُوئی کی رات اُس کے لئے ابھی نہیں پڑی ؛

"The baby new to earth and sky[سلہ]
What time his tender palm is prest

سلہ اے پیارے تُو سُورج ہے تُو سُورج ہے اور یہ تمام ذرے (موجودات) تیرے ہی سے چمک دمک رکھتے ہیں

سلہ مطلب:۔ نہ وہاں (اپنی اصلی ذات میں) سُورج چمکتا ہے نہ چاند اور نہ یہ بجلیاں ہی پر مار سکتی ہیں آگ کا شعلہ تو پھر کہاں؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس نورٌ علیٰ نُور ذات کی تجلّی سے یہ سب حکمت تجلّی اترتا ہے اور اُسکے نُور سے ہی یہ سب اسماء و اشکال منوّر ہوتا ہے ؛

سلہ (مطلب انگریزی غزل) جو بچّہ ابھی دُنیا میں نمودار ہی ہُوا ہے۔ جب اُسکی نرم نرم ہتھیلی کو اُسکے سینے سے لگایا جاتا ہے تو اُسے خیال نہیں ہوتا کہ "یہ میں ہُوں" ؛

Against the circle of his breast
Has never thought that this is I.
(Tennyson)

سوال۔ دنیا دار آدمی کی خوشی جو لذات شہوانی و نفسانی سے حاصل ہوتی ہے جگنومیاں کی دم کی طرح چمکتے ہی مات کیوں پڑ جاتی ہے؟

جواب۔ اِن لذات سے دوئی (خیالِ جسمانیت) صرف دم بھر کے لئے ہی دور ہوتی ہے۔ یا یوں کہو کہ دوئی کی شب تار میں صرف ایک لحظہ بھر ہی کے لئے آتم دیو (آنند) کی بجلی کوند جاتی ہے ❊

اوِدیا روپی رات (دُکھ) کو ہمیشہ کے لئے کالعدم کرنا چاہو تو "جانو اپنے آپ کو"
Know Thyself —

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा ॥ (ویدانت درشن سوتر پہلا)

لہ جستجو کن جستجو کن جستجو ❊ در بر خود بیں کہ بیروں نیست او

اتنے صفحے سیاہ ہوئے، سبق کیا ملا؟ یہ کہ جتنی باہر کی اشیاء راحت بخش و خورمی دہ ہیں۔ صرف اِس لئے ہیں کہ آنند کی کان جو اپنا آپ ہے اِس (ہرنیہ گربھ) سے ذرا ذرا سونا لے کر گلٹ کی گئی ہیں۔ جب یہ گلٹ اُتر جاتا ہے تو گویا قلعی کھلی اور چیزیں بد نما بنیں۔ ۲ "ہر کسے را پسرِ خود بہ جمال نماید و عقلِ خود بہ کمال" بچہ ماں کی گود میں توتلی زبان سے جب کہتا ہے۔ "میری ماں" "تماری (تمہاری) ماں"۔ تو اُس میں "میری" اور "تمہاری" ہے گولڈن ٹچ (golden touch) پیارا بنا دینے والا منتر ❊ جب

لہ جستجو کر جستجو کر جستجو کر (یعنی نہایت زیادہ تلاش کر) اپنے اندر دیکھ کیونکہ وہ (پیارا) باہر نہیں ہے ❊

۲ ہر ایک کو اپنا بیٹا خولصورت۔ اور اپنی عقل کمال درجہ کی نظر آتی ہے ❊

بڑے بھائی سے ایک ادا سے کہتا ہے "میری" ہے یہ تمہاری ہے"!
اور وہ بولتا ہے "نہیں میری ہے" تو اسقدر شکر رنجی ہوتی ہے کہ تھنے
سے ہونٹ نکالکر بسورنے لگتا ہے۔ یہ دیکھا اور ماں نے جھٹ چوم کر کہا!
"میری کہنے والے پہ واری"۔ واہ "میری" بھی تو کیا جادو ہے! پھر جوں
جوں دیکھتا ہے کہ اِس ماں میں اوروں کا بھی حصّہ ہے۔ تو اُس کا رشتۂ
تعلق کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اور پہلی اُلفت نہیں رہتی۔ جتنا اِس میں "میر"
کم ہُوا۔ اُتنی ہی اُلفت گئی ۔ کسی اور عورت نے گود لے لیا ہو
تو کبھی اصلی ماں یاد ہی نہیں آتی۔ اَے حضرتِ اِنسان! دُنیا کی
تمام اشیاء تیرے سامنے ناچ ناچتی ہیں۔ مجرا و تماشا دکھلاتی ہیں۔
جس پر تیری نظرِ عنایت ہوتی ہے اُسے تو خلعتِ فاخرہ عطا فرماتا ہے
"میری"۔ "ہماری"۔ "اپنی" اِس اعزاز سے سجاتا ہے۔ یہ وہ خطاب
ہے۔ وہ خلعت ہے کہ جس چیز کو عطا ہوئی وہ آنندرُوپ بنی ۔ ؎

گلستاں میں جا کر ہر اِک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بُو ہے

گارگن (Gorgan) کی آنکھ جس پر پڑتی تھی۔ پتھر بنا دیتی تھی۔
مگر یہ "میرا" کہنے والی آنکھ جس شے پر پڑی وہ سُرور سے بھری۔
ع۔ قُربانِ نگاہِ تو شوم باز نگاہے ۔
ایک شخص سیر کرکے واپس گھر آیا تو کندھے پر کے نہایت قیمتی
دوشالے سے اپنا دو ڈیڑھ روپیہ کا بُوٹ صاف کرنے (جھاڑنے) لگا۔
کسی نے اِس لاپرواہی کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ دوشالہ
اُس کے باپ کا ہے۔ اور بُوٹ اُس کا **اپنا** ۔ واہ پہلے آپ۔

پیچھے باپ ٭
شفق کے رنگ وہ آب و تاب رکھتے ہیں۔اور ایسے عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ مصنوعی رنگ اُن کی خوبی کو کہاں پہنچیں گے ؟ لیکن ڈرائنگ رُوم کی تصویروں کے رنگ نہایت زیادہ مرغوب ہوتے ہیں۔ وجہ ؟ یہی کہ اِن پر "میرے"۔کا اطلاق ہو سکتا ہے ٭
کہاں تو آسمان کے عظیم الشان ستارے۔ اور کہاں ایک دُلہن کی تین گز چُونری (جھمی۔ بنارسی ساڑھی) کے "تارے۔ لیکن ناظرین ! سچ کہنا جو دلچسپی اِن مؤخر الذکر تاروں میں ہے۔ وہ ہے متقدم الذکر ستاروں میں ؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وجہ ؟ بس یہی کہ جھمی کے تارے "میں" و "میرے" کے حلقہ میں ہیں ٭ اے "میں" (آتما) ! تیری کاریگری کے صدقے !
سوال۔ آنکہ دِل را می رُباید از برم پیداست کیست ؟ کون میرے دِل کو چُرا رہا ہے ؟ کون ؟
جواب۔ حُسنِ تو از رُوئے جاناں منعکس شُد شور چیست ٭ تُو ہی معشوق بن کر یہ چوری کر رہا ہے۔ ہیوُ اینڈ کرائی۔ شور و واویلا (hue and cry) کیسی ؟
دِل رُبائی میں سب سے زیادہ چالاک کون ہوتا ہے۔ مہ چاردہ سالہ ؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ جس پر دِل آجائے۔ یعنی جس پر "میں" آجائے ٭ ۵

میرا گریہ ترے رُخسار کو چمکاتا ہے
تیل اِس آگ پہ تِل آنکھ کا ٹپکاتا ہے

کیا لیلےٰ کے حسن پر مجنوں کا جی آیا؟ نہیں مجنوں کے جی آنے پر لیلےٰ کا حسن بنا۔ کیا خوب کہا ہے۔ [ف۱] لیلےٰ را بہ چشم مجنوں باید دید؛ گوپیوں کا جی شیام رنگت پر آیا۔ تو شیام نے وہ سندر روپ پایا کہ تاروں کو لجایا؛ ع

دیکھ چھپی سب تارے لاجیں
نین چکور مکھ چند کو بھاجیں

غور کرکے بتاؤ اے جانِ من! غائب خدا لوگوں کو کیوں مرغوب و مطلوب ہے؟ کس لئے پیارا ہے؟ صرف اپنی خاطر۔ رازق ہے۔ مالک ہے۔ رحیم ہے۔ کریم ہے۔ بنانے والا (maker) ہے۔ ماں کے شکم میں اُس نے پرورش دی۔ بچپن میں دودھ دیا۔ نیز اُسی کی عنایت سے ہے کہ

[ف۲] ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری"

بس اِسی طرح عیسائیوں کے ہاں ایک گیت (hymns) گایا کرتے ہیں (He first loved me) اُس نے میرے

ف۱ لیلےٰ کو مجنوں کی آنکھ سے دیکھنا چاہیئے؛

ف۲ بادل۔ ہوا۔ چاند۔ سورج اور آسمان سب تیرے کام کے واسطے ہیں تاکہ تو روٹی حاصل کرے لیکن اُس کو غفلت سے نہ کھائے۔ یہ سب تیرے لئے چکر لگا رہے ہیں اور تیرے فرماں بردار ہیں۔ پس انصاف کی یہ شرط نہیں کہ تو حکم نہ مانے؛

ساتھ پہلے پریم کیا۔ مَیں کیوں اُس سے عشق نہ کروں) دھنباد کے بھجن اور پرارتھنا (Thanks شکریہ) مُناجاتیں جہاں سُنیں۔ وِدیا ایشور نے آہستہ سے کان میں یہ ندا دی ÷

جمالِ ہمنشیں[1] در من اثر کرد

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہ بذاتہ ضرور محض میرا اپنا آپ کیا ہے۔ جسم ہے ؟ نہیں۔ جسم تو اور چیزوں کی طرح اِس آنند سروپ آتما کے پرتو کو لے کر عزیز بنا ہے۔ بہ نسبت اور چیزوں کے ذرا زیادہ حضوری میں رہتا ہے۔ اِس لئے نسبتاً زیادہ عزیز ہے ÷

ع سگِ[2] حضوری بہ از برادرِ دُوری

جگیاسُو (طالب)۔ اگر آتما جسم نہیں تو جسم میں کہاں پر ہے ؟

گیانی (عارف)۔ جو प्रियतम (عزیز ترین) ہے وُہی آتما ہے۔ وُہ ذات و مدار آتما ہے۔ جس سے بہرہ یاب ہو کر باقی کُل اشیا شیریں بنتی ہیں ÷

طالب۔ کیا وُہ آتما پاؤں ہے کہ سارے جسم کے بوجھ کو سہارتا ہے ؟÷

عارف۔ نہیں۔ پیر عزیز ترین کہاں ؟ ÷

طالب۔ پیر نہیں تو جسم میں کوئی اور عضو آتما ہوگا۔ لو ہاتھ سہی ÷

عارف۔ ہاتھ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ سے تو مستک (پیشانی) بہت

---

[1] ہمنشین (آتما) کی خوشبوداری نے میرے اندر اثر کیا ہے (جس سے) کہ مَیں زندہ بنا ہُوں۔ ورنہ مَیں جیسا کہ ہُوں وُہی خاک ہُوں ÷

[2] پاس کا کُتّا دُور کے بھائی سے بھی بہتر ہے ÷

زیادہ عزیز ہے + ہسپتال میں اِدھر ایک زخمی کا ہاتھ کٹنے لگا ہے۔ مریض بچارا بلبلاتا ہے۔ اور اُدھر ایک کی (پیشانی) پر جراحت کا عمل ہو رہا ہے۔ یہ غریب پہلے مریض کا رشک کرتا ہے۔ آسے کاش! بجائے پیشانی کے میرے بھی ہاتھ پر پھوڑا ہوتا۔ چہرے کو دھبہ تو نہ لگتا + ایسے موقع پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھ کی نسبت پیشانی زیادہ عزیز ہے۔ لیکن پیشانی عزیز ترین شاید نہیں۔ آنکھ یا کوئی اور عضو اس سے بھی زیادہ چاہیتا ہوگا +

طالب۔ تو پھر کیا آنکھ یا کوئی اور عضو عزیز ترین ہونے کے باعث آتا ہے ؟

عارف۔ نہیں۔ اس عزیز ترین عضو سے بھی بڑھکر عزیز کوئی اور چیز آپ میں ہے۔ سوچو! +

طالب۔ ہاں۔ ہاں۔ اب سمجھے۔ بُدھی (عقل) + عقل ضرور آتما ہوگی عزیز ترین قیاس ہے +

عارف۔ نہیں نہیں۔ پھر سوچو! اس سے بھی زیادہ عزیز کوئی اور چیز تم میں ہے ؟ +

طالب۔ (سوچکر)۔ پران (زندگی)۔ ملکہ الزبتھ جب مرنے لگی تو چلائی کہ اب جتنے منٹ مجھے کوئی ڈاکٹر زندہ رکھے اُتنے لاکھ روپیہ لے۔ اسی طرح میرے قیاس میں خواہ کیسا ہی ذی عقل و عالم و صاحب فہم و ذکا کیوں نہ ہو۔ اُسے مرنے کے وقت اگر یہ معلوم ہو کہ آزاد اور سپنسر (Spencer) کی طرح بُدھی صدقہ دینے پر رشتۂ زندگی دراز ہو سکتا ہے۔ تو پران کی خاطر بُدھی سے

مفارقت قبول کرلے گا ✤ پس پران یعنی زندگی سب سے عزیز ہے یہی آتما ہے ✤

عارف۔ نہیں، نہیں۔ پھر ذرا غور کرو! ✤

طالب۔ غور آگے نہیں چلتا۔ عقل یہیں تک کام کرتی ہے ✤

عارف۔ کیا سچ کہا۔ حقیقت میں اِس سے پرے عقل کی دال گلتی ہی نہیں۔ عقل ہار کر کہہ اُٹھتی ہے ✤

[1] اگر یک سر موئے برتر پرم ✤ فروغ تجلی بسوزد پرم

न तत्र चक्षुर्गच्छति न वाग् गच्छति न मनो न विद्मो
न विजानीमो यथैतदनुशिष्यादन्यदेव तद्विदितादथो
अविदितादधि। इति शुश्रुम पूर्वेषां ये नस्तद्व्याचचक्षिरे॥

(سام وید کین اُپنشد منتر ۳)

طالب۔ پس پران (زندگی) ہی عزیز ترین ہے۔ اور یہی میرا آتما (یعنی اپنا آپ) ہے۔ کیونکہ پرے تو عقل میں کچھ آتا ہی نہیں ✤

عارف۔ ہرگز نہیں۔ گو عقل وہاں تک کام نہ کرے۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ آتما عقل اور پران دونوں سے پرے ہے۔ اور مانا کہ آتما کی حقیقت برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ہے۔ لیکن اُسکی ہستی میں کچھ کلام نہیں ✤ ہستِ مطلق ہے ✤

---

[1] اگر ایک بال کے برابر بھی اُوپر اُڑ جاؤں تو نور کی زیادتی میرے پر کو جلا دیگی ✤

[2] ۔ وہاں (ذاتِ حق میں) دیدہ جاتی ہے نہ کلام نہ تخیل اور نہ من۔ یعنی حواسوں کی پہنچ سے وہ ذات باہر ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں کہ کس طرح سے اُس ذات کا اُپدیش (سبق) دیا جائے۔ کیونکہ وہ معلوم اور غیر معلوم (یعنی معروف و مجہول) سے بھی پرے ہے۔ ایسا پہلے اُن عارفوں سے سُنا گیا ہے جنہوں نے ہمارے لئے اُس کا اظہار کیا ہے ✤

طالب۔ بھلا کیونکر؟

عارف۔ لو سنو۔ کچھ عرصہ ہوا۔ ایک طالب علم کو جان چھوڑتے دیکھا اُسے پیروں کی جانب سے درد اُٹھتا تھا اور اوپر کو آتا تھا۔ پہلے تو درد کی دوڑ صرف گھٹنوں تک تھی۔ پنڈلیاں اور پاؤں خود بخود تلملاتے اور جھٹکے کھاتے تھے۔ رفتہ رفتہ درد رانوں تک پہنچا۔ اور جسم کا وہاں تک کا حصّہ خود بخود مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ درد آگے بڑھتا گیا۔ آخر درد جب دِل (قلبِ صنوبری) تک پہنچا۔ دُکھ سے رہائی ہوئی۔ دمِ بازپسین اُس نوجوان کی زُبان سے یہ الفاظ سُنائی دیئے

"ارے میرے پران کب نکلیں گے؟ میرے پران کب نکلیں گے؟"

او پیارے! آتما وہ प्रियतम (عزیز ترین) ہست ہے۔ جو کہتا ہے "میرے پران" یعنی پرانوں کا مالک۔ جس سے چھوت پاکر پران عزیز بنتے ہیں جس آنند سروپ پر پران صدقہ دیئے منظور ہوتے ہیں۔ وہ پرانوں کا پران آتما ہے۔

यत् प्राणेन न प्राणिति येन प्राणः प्रणीयते।
तदेव ब्रह्म त्वं विद्धि नेदं यदिदमुपासते॥

(سام وید کیں اُپنشد منتر ۸)

مطلب

سلہ پرانوں کر جیوت نہیں جو پرانوں کے پران
سو پرماتم دیو تو کر نشچے نہیں آن

یہی آتما کا مترادف (Synonym) تیرا اصلی اپنا آپ آتما ہے۔ جس کی شان میں وید یوں گاتا ہے:

आनन्दो ब्रह्मेति व्यजानात्। आनन्दाद्ध्येव खल्विमानि भूतानि जायन्ते। आनन्देन जातानि जीवन्ति। आनन्दं प्रयन्त्यभिसंविशन्तीति ॥

یجر وید تیتریہ اپنشد بھرگو ولی۔ چھٹا انوواک

ہے لہر ایک عالم بحرِ سرور میں | ہے بود و باش ساری اس کے ظہور میں
بنتی ہے لہر جب آب وہ ہی تو بحر ہے | ہر چار سُو ہے شعلہ مت دیکھ طور میں

ملہ In Him we live, move and have our being.

س کھانڈ کا کتّا گدھا چوہا بلا | منہ میں ڈالو ذائقہ ہے کھانڈ کا

شکر ہی کا اونٹ مع اسباب ڈنڈا (عصا) کے نیچے توڑا۔ کیا نکلا؟ کھانڈ۔ ہاتھی مع راجہ توڑا کیا ملا؟ کھانڈ۔ ریل مع صاحب توڑی۔ کیا ملا؟ وہی کھانڈ۔ کیا کھانڈ بھی ٹوٹی؟ نہیں۔ وہ تو جوں کی توں کھانڈ کی کھانڈ بنی رہی۔ ٹوٹا کیا؟ صرف اسماء و اشکال (نام روپ)۔ اسی طرح کھانڈ اور زہر کے۔ باد آتش اور خاک کے۔ نام روپ (Qualities) کلام عظیم तत् त्वमसि کے ہتھوڑے تلے چکنا چور ہوئے تو کیا ملا؟ ایک آتما۔

س آپ ہی آپ ہوں یاں غیر کا کچھ کام نہیں
ذاتِ مطلق ہیں مری شکل نہیں نام نہیں

حضور ملکہ معظمہ قیصر ہند کی صفاتِ مکانی۔ زمانی اور نفسانی (دیش کال وستو پرچھید) کے نیچے جھانکا تو اپنے ہی آپ کو پایا۔ دیوی دیوتاؤں کے رخ سے نقاب دوئی (Time, Space and Causality۔ یعنی دیش کال وستو) دور کیا۔ تو میرا ہی مکھڑا

ملہ اس پرماتما میں ہم رہتے سہتے، چلتے پھرتے اور ہستی رکھتے ہیں +

صفا تھا۔ خدائے پاک کے چہرہ کا برقع پھاڑا تو میرا ہی
روئے روشن نکلا ؎

لہ　　منم خدا و بہ بانگِ بلند۔ می گویم
ہر آنکہ نور دہد مہر و ماہ را اویم

وہ جو اس ایکتا کو ساکھشات کار (انوبھو) کر چکا ہے۔ یعنی قال میں نہیں، بلکہ حال میں لا چکا ہے۔ اس کے واسطے سائنس اور فلاسفی کے ذخیرہ میں کوئی تازہ خبر نہیں رہی۔ مذہب اپنے حاکمانہ و بزرگانہ سر کو اس کے سامنے خم کرتا ہے۔ چون و چرا کیوں کب وغیرہ کو اس کے دربار میں بار نہیں۔ خواہش روپی گھن کا کیڑا جو شاہوں اور گداؤں کو یکساں بودا اور تباہ کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسے چندن روپی گیان وان کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔

؎ اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید	معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
معشوقِ تو ہمسایۂ دیوار بہ دیوار	در بادیہ سرگشتہ چرائید چرائید

حیف ہے اگر اس خزانۂ عامرہ (اپنے ہی آتما) کو بھول کر کبھی خاک میں۔ کبھی لہو ماس میں اور کبھی چلتی ہوئی ہوا کی طرح

لہ آواز بلند میں کہتا ہوں کہ میں خدا ہوں۔ اور جو نور علیٰ نور اس سورج و چاند کو روشنی بخشتا ہے وہ میں ہوں ؎

؎ اے حج کرنے والو! کہاں جاتے ہو۔ کہاں جاتے ہو؟ پیارا (معشوق) تو یہیں ہے۔ یہاں آؤ! یہاں آؤ! تمہارا معشوق (یار غار) تو تمہاری دیوار سے دیوار ملائے ہوئے پڑوسی بن رہا ہے (یعنی تمہارے از حد نزدیک ہے) ایسی حالت میں پھر تم جنگل میں پریشان کیوں پھر رہے ہو؟ ؎

ناپائیدار لوگوں کی تعریف میں آنند کی جُستجو کی جائے۔ آپ ہی تمام اشیاء کو آنند سے بناتا اور آپ ہی جُگنک کی طرح اُن کا تعاقب کرتا ہے۔

؎ آپ ہی ڈال سایہ کو اُس کو پکڑنے جائے کیُوں ؟
سایہ جو دوڑتا چلے۔ کیجئے وائے وائے کیُوں ؟

او انسان! آنند اگر حاصل کیا چاہتا ہے تو اپنے اندر تلاش کر ۔

۱ جُستجو کن۔ جُستجو کن جُستجو ۔ در بر خود ہیں ہمانجا ہست او

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा। (ویدانت درشن پہلا سوتر)

طالب ؎ فکرِ معاش و ذکرِ بتاں یادِ رفتگاں
دُنیا میں آن کر بھلا کیا کیا کوئی کرے

تس پر آپ ایک نیا بوجھ ہم پر ڈالا چاہتے ہیں۔ پیٹ کے demands (ضروریات) بڑے غالب ہیں۔ اِس کے دھندوں سے چھٹکارا کہاں ؟ پیٹ کی فکر ہم نہ کریں تو اور کریں کیا ؟ چونکہ پرمیشور کی بھی وُہی راس (دُنیا) ہے جو پیٹ کی ۔ ہم پرمیشور کو بھی بڑے ادب سے پرنام کرتے ہیں۔ اور جُھک جُھک کر سجدہ کرتے ہیں (بلکہ دُور ہی سے سلام کرتے ہیں) ۔

عارف۔ کیوں پیارے! تمہارے کھانے کو کون طاقت ہضم کراتی ہے کیا تمہاری فکر وُہ طاقت ہے ؟ تمہارے رگ و پٹھے میں کون خُون چلاتا ہے۔ کیا تمہارا تردّد یہ کام کرتا ہے ؟ تمہارے جسم اور بالوں کو کون

---

۱ جُستجو کر جُستجو کر جُستجو کر (یعنی خُوب تلاش کر) اپنی بغل میں دیکھ وہ (پیارا یار) وہیں ہے ۔

بڑھاتا ہے۔ کیا تمہارے فکر و اندیشہ و محنت کا یہ پھل ہے ؟ تم
جب خواب غفلت میں مدہوش پڑے پلنگ پر آرام کرتے ہو۔ تمہارے
پرانوں کی کون رہبری کرتا ہے ؟ خوب یاد رکھو۔ یہی چیتن (طاقت) رام
ہے جو تمہارے لئے روزی بہم پہنچاتا ہے۔ اُسی کو آپ کی فکرِ معاش
ہے۔ آپ کا جسم و جان۔ آپکے اہل و عیال۔ مال و زر سب کا حامل
وہی ہے ٭ اُس گنوار کی نقل مت کرو جو اسباب کی بھری خورجی
گھوڑے پر لاد اور خود سوار ہو کہیں جا رہا تھا۔ اور جس نے راستے
میں کچھ تو گھوڑے پر ترس کھاکر اور کچھ اسباب کی اُلفت کے باعث
"ہائے میرا اسباب۔ میرا اسباب" کہہ کر خورجی سر پہ اُٹھالی۔ لیکن آپ
برابر سوار رہا ٭ بوجھ تو پہلے کی طرح گھوڑے ہی پر رہا۔ لیکن گنوار
صاحب نے اپنی گردن مُفت میں توڑ لی ٭

سے جسم و عیال و مال و زر سب کا ہے بار رام پر
اسپ پہ ساتھ بوجھ دھر سر پہ اُسے اُٹھائے کیوں ؟

ہائے! ہائے! پیٹ کا آنند راسی بہم آتا ہے مقابلہ کرنا! تمام گرہ
اور راشیاں جس پرماتما کے ایک ابرو کے اشارے میں ہست و
نیست ہوتے ہیں ٭ سے

ے زالِ جہاں شنو سخن عشوۂ نازکی مکن
دل بتو نیست مُبتلا۔ تن تلملا۔ تلا۔ تلا

لباس جسم کی خاطر ہوتا ہے۔ جسم لباس کی خاطر نہیں۔ اُس شخص

ے مطلب:۔ اے جہان کی بڑھیا دیبی اے دُنیا، میری بات سُن اور نخرہ نخرہ مت کر میرا
دل تیرے اندر پھنسا ہُوا نہیں تن تلملا تلملا (مارگی کا سُر جس کے ساتھ یہ شعر مست امر حالت میں گایا
جاتا ہے) ٭

کا حال قابلِ رحم ہے۔ جو سارا وقت کپڑوں کے بناؤ سنگار میں خرچ کر دے پر بیمار جسم کی ذرا خبر نہ لے۔ زیادہ رحم کے قابل اُس شخص کی حالت ہے جو ساری زندگی کو جسم یعنی پیٹ کے دھندوں میں بسر کر دے اور رُوح کو (جس کے سامنے جسم لباس کی حیثیت بھی نہیں رکھ سکتا) برباد ہو جانے دے ٭ اَے عزیز! اِس منشا دِیہ رُوپی سیپ سے موتی نکال لے۔ پھر یہ سیپ خواہ ٹوٹے خواہ رہے۔ کچھ ہی ہو۔ بلا سے ٭

یہ موتی۔ آتم گیان (معرفتِ ذات) جب زبانی جمع خرچ سے تجاوز کر کے جگر میں گھر کرتا ہے۔ روم روم میں رچ جاتا ہے۔ رگ و پے میں دخل پاتا ہے۔ تو تجربہ مندرجۂ ذیل کیفیت کی تصدیق کرتا ہے ٭ کہ اِدھر स्वराज्य (سوراجیہ) کو سنبھالا۔ یعنی خدا کی بادشاہت (Kang-dom of Heaven) میں قدم رکھا یا تختِ حقیقت پہ پیر ٹکایا۔ اُدھر اقبال چاکر ہُوا۔ ملائک فرماں بردار بنے۔ اور کوئی ضرورت نہ رہنے پائی جو خود بخود پُوری نہ ہو گئی ٭ وہ عارفِ کامل جو اِس بُہتان کو نفی کر چکا ہے۔ کہ "میں جسم یا جسمانی ہوں" اور سدا اپنی ذات کے جلال (glory) میں جلوہ گر ہے۔ اپنی مہما میں مست پڑا ہے کُن کہنے نہیں پاتا کہ فیکُون ہو جاتا ہے۔ اُسی کی درِشٹی سرِشٹی بنتی ہے اُسی کی دید پیدا ہوتی ہے۔ یہ نعمتِ غیر مترقبہ اے ناظرین! آپ کا بھی حصّہ ذاتی ہے۔ ہر ایک کے ورثہ میں ہے۔ لیکن سُنا ہوگا کہ[1] Eesaw sold his birth right for a mess (of pottage) حضرت یعقوب کے بڑے بھائی نے بادشاہت اور

[1] مطلب:۔ ایساؔ نے اپنا پیدائیشی حق دال بھات کی ایک ہانڈی کے بدلے بیچ دیا ٭

نبوت جو اُس کا birthright (پیدایشی حق) تھی شوربے کی ایک رکابی کے عوض کھو دی۔ حیف صد حیف کہ اُس کی نقل کرکے روٹی کے بدلے دونوں جہان میں اپنے لئے کانٹے بوئے جائیں۔ اَے عزیز! جسمانی خواہشات کے کُسنگ (صحبتِ بد) کو ترک کر۔ اور اپنی ذات کو پہچان۔ "Know Thyself"

مریض پلنگ پر ایک کمرے میں لیٹا ہے۔ آؤ! ذرا اُس کی بیمار پُرسی کرنے جاؤ۔ دو آدمی سرہانے کی طرف کھڑے ہیں۔ دو پائنتی۔ دو تین اور اِدھر اُدھر حاضرِ خدمت ہیں۔ آپ ایسے ذی اقبال تشریف لے گئے۔ کارڈ بھیجا۔ جواب مِلا۔ اندر جانا نہیں ملے گا۔ زیادہ بیمار ہیں + خیر اصرار سے آپ اندر گئے۔ سارا جسم اُٹھا کر آداب بجا لانا تو کُجا۔ مریض صاحب نے آنکھ اُٹھا کر بھی تو نہ دیکھا۔ دو تین دفعہ آپ نے اپنے آنے کی خبر گوش گذار کی (سلام عرض کی) تو بڑے نخرے سے ناک چڑھا کر کہتے ہیں "ہُوں ایں" علیٰ ہٰذا + گدیلے چاروں طرف بچھے ہیں۔ تکئے دھرے ہیں۔ لوگ باگ سلام کرنے برابر آرہے ہیں وغیرہ۔ بیماری بھی تو امیری ہے! پر پیارے! مرض سہیڑ کر یہ ظاہری اقبال لیا گیا ہے تُف ہے اِس خواہشِ دُنیا (مرضِ مُہلک) پر جو ظاہری اقبال کی مقتضی ہوتی ہے۔ لیکن رُوح کو خستہ و ابتر کر دیتی ہے +

ذرا دیکھنا یہ شادیانے کیسے ہو رہے ہیں۔ باجے بج رہے ہیں۔ اور گیت گاتی خوشیاں مناتی یہ عورتیں کدھر جا رہی ہیں؟

یہ سیتلا کی پوجا کو چلی ہیں۔ ایک بچے کو چیچک نکلی تھی۔ اب مرض سے کچھ صحت پائی ہے۔ صحت کا شکرانہ ادا کر رہی ہیں +

جس عمارت کی بیرونی شان و عظمت کو دیکھ گنج شاہی کا گمان ہُوا تھا وُہ تو کیڑوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا ذخیرہ (یعنی مقبرہ) نکلی۔ پریہ وَر (ائے عزیز)! ان کی نقل مت کرو جو پہلے سنکلپ (desire ہوس) روپی عارضہ چیچک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور پھر جب ذرا سر اُٹھاتے ہیں تو جامے میں پھُولے نہیں سماتے۔ اور طرح طرح کے عیش و عشرت کے سامانوں سے صرف یہ جتلاتے ہیں کہ ہم چیچک[1] کے (victim) شکار تھے۔ (A goodly apple rotten)

(at the core) زہے نصیب اُس شخص کے جو اس بیماری دنیوی کا شکار ہی نہیں بنا۔ جس نے نہ تو کیچڑ سے بدن آلودہ کیا اور جو نہ پھر دھوتا پھرا ؎

کیچ پیچھلو دھوئے کر آگے کو نہ لگاؤ
چندن آتم گیان تج بشے بیج مت جاؤ

دُنیا میں جب کسی کی ایک خواہش مٹتی ہے۔ مثلاً امتحان پاس کرلینا یا شادی ہونا۔ تو اُس کے سر سے کیا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور اُسے کس قدر آنند حاصل ہوتا ہے۔ اب اُس وِدوان کے آنند کا کیا پُوچھنا ہے جس کے ہاں

ع ۔ کسی آرزو کی دِل میں نہیں اب رہی سمائی ٭ جس کے تمام بوجھ ٹل گئے ۔ ایک خواہش باقی نہیں ۔ تمام سنکلپ ناش ہیں ٭

اپنے آپ کو جانتے ہیں جس کے کل فرائض ادا ہو گئے

---

[1] وُہ مثل ایک خوشنما سیب کے ہیں جو اندر سے سڑا ہُوا ہو ٭

आपूर्यमाणमचल प्रतिष्ठं समुद्रमापः प्रविशन्ति यद्वत् ।
तद्वत् कामा यं प्रविशन्ति सर्वे स शान्तिमाप्नोति न कामकामी॥

(بھگوت گیتا ادھیاے ۲ منتر ۷۰)

شاہنشہِ جہاں سے سائل ہوا ہے تو
سو بار غرض ہوئے تو دھو دھو پیئیں قدم
خنجر کی کیا مجال کہ اِک زخم کر سکے
کیا ہر گدا و شاہ کا رازق ہے کوئی اَور
قائم ہے تیرے مُجرے کے موقعہ کی تاک میں
ہم بغل تجھ سے رہتا ہے ہر آن رامؔ تو

پیدا کُنِ زمان ہے ڈائل ہُوا ہے تو
کیوں چرخ و مہر و ماہ پہ مائل ہُوا ہے تو
تیرا ہی ہے خیال کہ گھائل ہُوا ہے تو
افلاس و تنگدستی کا قائل ہُوا ہے تو
کیوں دُور سے اُسکے مُفت میں زائل ہُوا ہے تو
بن پردہ اپنی وصل میں حائل ہُوا ہے تو

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा ।

(ویدانت درشن سُوتر پہلا)

سے جستجو کُن جستجو کُن جستجو — اندرونت ہیں ہمانجا ہست او

ذکرِ بُتاں۔ مژدہ باد۔ او شہیدانِ ناز و ادا۔ کشتگانِ غمزہ و جفا کہ وُہ ماہ جسکی نظر غلط انداز سے ایک شعاع پاکر آفتاب و ماہتاب منوّر ہیں۔ گُلوں کے رنگ و بُو جس کے دم سے۔ بُتانِ طنّاز کا تبسّم جس کے کرم سے۔ وُہ نُوراً علیٰ نُور خوبی کی جان اور حُسن کی روحِ رواں تمہارا ہی آتم دیو ہے ❊

سے باہمہ حسن و خوبیم عاشقِ رُوئے کیستم — رستہ ز دامِ جسم و جاں بستۂ مُوئے کیستم

لہ جس سجن نے اپنی خواہشوں کو یوں سمیٹ لیا ہے جیسے جل سے بھرپور سمندر ندیوں کو اپنے بیچ میں داخل کر لیتا ہے۔ وہی شانتی آنند حاصل کرتا ہے۔ دُوسرا نہیں ❊

ٹہ میں تمام حُسن و خوبی سے آراستہ ہوں پھر میں کسکے چہرہ کا عاشق ہُوں؟ (یعنی کسی کا عاشق نہیں ہوں) میں جسم و جان کے جال سے آزاد ہوں پھر میں کسکی زلف کا قیدی ہُوں؟ (یعنی نہیں ہُوں)

ملہ مست ز بوئے من جاں در پئے نگہتم رواں
والہ و مست در پئے نگہت و بوئے کیستم

سلہ ستم ست گر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن در آ
تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بہ چمن در آ
پئے نافہائے رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو
بخیال حلقۂ زلف او گرہے خورد بہ ختن در آ

نوید خوشخبری یعنی happy news) Gospel وید سناتا ہے

त्वं स्त्री त्वं पुमानसि त्वं कुमार उत वा कुमारी । त्वं
जीर्णो दंडेन वंचसि त्वं जातो भवसि विश्वतो मुखः ॥३॥
नीलः पतङ्गो हरितो लोहिताक्षस्तडिद्गर्भ ऋतवः समुद्राः ।
अनादिमत्त्वं विभुत्वेन वर्तसे यतो जातानि भुवनानि विश्वा ॥

(یجروید شویتا شوتر اپنشد)

یعنی اشری (عورت معشوق) تم ہی بنے ہو۔ عاشق تم ہو۔ پھول تم ہو اور بھنورا تم ہو وغیرہ سہ بانکی ادائیں دیکھو۔ چند کا سا مکھڑا پیکھو۔
بادل میں بنتے جل میں۔ بائو میں میری لٹکیں
تاروں میں ناچکا میں موروں میں میری مٹکیں

ملہ میری خوشبو سے جہان مست ہوکر میری خوشبو کا تعقب کر رہا ہے۔ میں کسکی خوشبو کا دیوانہ وشیدا ہوں (یعنی کسی کی خوشبو کا دیوانہ نہیں ہوں) سلہ اگر تجھ کو لالہ سرو و چنبیلی کی سیر کے لئے کھینچے تو ظلم ہے کیونکہ تو غنچہ سے کم کھلنے والا نہیں۔ صرف دل کا دروازہ کھول اور اپنے باغ کی سیر کر۔ (۲) اے خوشبودار نافوں (دنیا کی لذات) کے پیچھے پڑے ہوئے پیارے! ان کی جستجو کی تکلیف مت برداشت کر۔ اسکے زلف کے کنڈل کے خیال کی گرہ لگا اور اپنے تو ختن میں آ ❖

چلنا ٹھمک ٹھمک کر۔ بالک کا روپ دھر کر
گھونگٹ ابر لٹ کر۔ ہنسنا یہ بجلی بن کر
تبسم گل اور سورج چاکر ہیں تیرے پد کے
یہ آن بان سچ مچ اے رام تیرے صدقے

پس او ذکرِ بتاں میں مستغرق۔ اسی لئے۔

؎ مجتجو کن مجتجو کن جستجو ✣ اندرونت ہیں کہ بیروں نیست او

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा। (ویدانت درشن۔ پہلا سُوتر)

یادِ رفتگاں۔ او مرگِ عزیزاں پر نالہ و گریاں۔ وفاتِ خویش و اقارب پر نوحہ کناں۔ ماتمِ اعزا سے رہائی کا خواہاں ہے تو آ۔ اپنی (inner sanctuary) پاک قلب میں پناہ گزیں ہو۔ امرت روپ بن۔ اپنے اصلی دھام (جاودانی زندگی و سرور) میں نواس کر جہاں موت کو گویا مرگِ مفاجات آ جاتی ہے۔ اور پھر دیکھ۔ ہے شرتی (وید) کا اقرار سچ کہ نہیں۔

अतिमुच्य धीरा प्रेत्यास्माल्लोकादमृता भवन्ति[1] । (سام ویدکین اپنشد منتر ۲)

؎ غم و غصہ و یاس و اندوہ و حرماں ✣ ہوائے مسرت اڑا لے گئی ہے

پس اسی لئے بجائے بے فائدہ واویلا و نالہائے کلبۂ احزاں میں روز کو شب اور شب کو روز کرنے کے۔ شرتیوں کی شرلی دھنی کے ذریعے ؎ جستجو کن جستجو کن جستجو ✣ در بر خود ہیں نہاں جاہست او

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा। (ویدانت درشن پہلا سوتر)

---

[1] دھیر پرش بشیوں کے تعلق سے آزاد ہو کے۔ اِس دنیا سے منہ موڑ کر دیتی رحلت کرتے ہی امرت ہوتے ہیں یعنی وشیوں کے پنجہ سے رہا ہوتے ہی فوراً اپنی ذاتِ لازوال سے وصل پا جاتے ہیں

اے عزیز! دُنیا (phenomenon) کی اشیا واقعی تسلّی بخش نہیں ہوسکتیں۔ دل کا استسقٰے اِن سے کبھی نہیں بُجھتا۔

Anthony sought happiness in love, [1]
Brutus in glory, Caesar in dominion. The first found disgrace, the second disgust, the last ingratitude, and each destruction.

The things of the world being weighed in the balance are all found wanting. Self-realisation alone will bring peace & happiness.

پس سے فکرِ معاش و ذکرِ بُتاں یادِ رفتگاں ÷ اپنا ہی تُو فریفتہ ہووے تو سب مِٹیں

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा। (ویدانت درشن پہلا سُوتر)

سے جُستجو کُن جُستجو کُن جُستجو ÷ در برِ خود ہیں کہ بیرُوں نیست اُو

طالب۔ یہ بہت مُشکل ہے۔ نہایت دقیق ہے۔ ہم کیونکر سر کر سکیں گے ÷

عارف۔ مانا کہ (برہم ودیا) اَدق ہے۔ از حد مُشکل ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ اس بغیر چین بھی کہیں نہیں ملنے کا۔ یہ دوائی کھنگی ہی سہی۔ مگر بے بدل ہے۔ مرضِ مُہلک کا اِس بغیر کوئی اَور علاج بھی تو ہو۔

---

[1] (مطلب) انٹھونی نے عشق میں، بروٹس نے شان و شوکت میں اور شاہِ رُوم (سیزر) نے قلمرو کے حاصل کرنے اور بڑھانے میں خوشی کو ڈھونڈا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اول الذکر کو ذلت و خواری نصیب ہوئی۔ دُوسرے کو نفرت و کراہیت اور تیسرے (آخر الذکر) کو ناشکرگذاری۔ اور ہر ایک بغیر آنند پائے کے ہی تباہ و فنا ہو گیا ÷ اسی طرح اِس دُنیائے فانی کے سب سامان جب تجربہ کے ترازُو میں خُوب جانچے گئے تو سب کے سب ناقص اُترے۔ محض انکشافِ ذات (آتم اَنُوبھَو) ہی راحتِ قلبی اور مسرّت (آنند) کو لاتا ہے ÷

नान्यः पन्था विमुक्तये। ~~ل~~ (دیکھو لیہ اُپنشد منتر ۹)

پس جتنا مشکل ہے اُتنا ہی اشتیاق (जिज्ञासा) زیادہ کردو۔

~~ل~~ حُدی را تیز تر میخواں چو محمل راگراں بینی ٭ نوا را تلخ تر میزن چو شوقِ نغمہ کم یابی

अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा। (ویدانت درشن۔ پہلا سُوتر)

~~س~~ جُستجو کن جُستجو کن جُستجو ٭ در بر خود بیں ہمانجا ہست او

طالب۔ میرے چند دوستوں کو ایک دفعہ ویدانت کا خبط ہُوا تھا۔ اُنہوں نے تو چند روز ٹکریں مار مار کر آخر اِسکا پیچھا چھوڑ دیا۔ کچھ رس آیا نہیں ٭

عارف۔ ہوگا۔ کیا عجب ہے؟ اُس لُومڑی کی بات تم نے کبھی نہیں سُنی جو اپنی کم ہمتی کو چھپانے کے لئے انگوروں کی بابت یوں کہہ اُٹھی کہ "ابھی کچے ہیں کون دانت کھٹے کرے" ٭ پست ہمتی کو ترک کرکے اُلوالعزمی کے ساتھ شروَن (علم الیقین) مَنن (عین الیقین) اور ندِدھیاسن (حق الیقین) کی منازل کو طے کرو ~~س~~

आत्मा वा अरे द्रष्टव्यः श्रोतव्यो मन्तव्यो निदिध्यासितव्यः। (یجروید برہدارنیک اُپنشد۔ ادھیائے ۴۔ برہمن ۵۔ منتر ۶)

وید کا اقرار جُھوٹا نہیں ہے کہ تم آنند گھن (سُرورِ مطلق) ہو۔ چیتن گھن (علمِ مطلق) ہو۔ ست گھن (ہستیِ مطلق) ہو۔ آزما لو ٭

اے والئے براسیرے! (اِس قیدی پر افسوس ہے جو) کہ کانوں کے حلقۂ غلامی کو کرن کُنڈل (زیور) مان بیٹھا ہو۔ اور ہاتھ پاؤں کی بیڑیوں کو کنگن اور پازیب ٹھان بیٹھا ہو۔ گردن کے طوق کو فاخرہ (hood) یونیورسٹی کا

~~ل~~ سوائے انکشافِ ذات (آتم اَنوبھو) کے اور کوئی رستہ مُکتی کا نہیں ہے ٭

~~ل~~ جب تو اونٹ کے بھار (کجاوہ) کو بھاری دیکھے تو حدی (اونٹ کے چلانے کی آواز) کو زیادہ زور سے بول۔ اور جب تو نغمے کا شوق کم پاوے تو آواز کو زیادہ اونچا (پنچم سُر میں) کھینچ

~~س~~ بلاشبہ یہ ذات (آتما) قابلِ دیکھنے۔ سُننے۔ وِردھیان کرنے اور اَنوبھو (وصل) کرنے کے ہے ٭

تسلیم کرچکا ہو ٭ پیارے! اُٹھو۔ جاگو۔ سنسارک خواہشوں کی زنجیریں ایکدم توڑ ڈالو۔ خوابِ غفلت کو جھاڑ ڈالو (shake off)۔ دیکھو تو سہی تمہاری تو قید بھی تمہاری آزادی ثابت کرتی ہے سورج میں اندھیرا کیا؟

उत्तिष्ठत जाग्रत प्राप्य वरान्नि बोधत ॥ (یجروید کٹھ اپنشد ۳ منتر۱۴)

مَنِگر بہر سُوئے جاں کہ تو خاص جانِ مائی
مفروش خویش ارزاں کہ تو بس گراں بہائی

بستاں ز دیو خاتم کہ توئی بجاں سلیماں
بشکن سیاہ اختر کہ تو آفتاب رائی

بگسل ز بیخ اصیلاں مشنو غریو غولاں
کہ تو از شریفِ اصلی کہ تو از بلند جائی

اس تعصب (superstition) چھوڑ کہ میں جسم و جسمانیت ہوں۔ اور
جستجو کن جستجو کن جستجو ٭ در بر خود بیں ہماں جا نیست او

(ویدانت درشن سوتر پہلا) अथातो ब्रह्म जिज्ञासा।

ایک راجہ نے دو استادانِ فنِ نقاشی (رومی اور کوہی) کا امتحان لینا چاہا۔ مقابلہ کی آسانی کی خاطر دونوں کو حکم ہوا کہ آمنے سامنے کی (متوازی) دیواروں پر علم تصویر میں اپنی لیاقت دکھائیں۔ بموجب فرمان پردے تن گئے کہ ایک دوسرے کے کام کو دیکھتے

لہ اُٹھو۔ جاگو! چیدہ عارفوں کے پاس جاؤ۔ اور اپنی ذات کی معرفت پاؤ٭

لہ اے جان تو ہر طرف مت دیکھ کیونکہ تو ہماری جان کی بھی اصل ہے (یعنی جان کی جان ہے) اور اپنے تئیں تو سستا مت بیچ۔ کیونکہ تو بہت بیش قیمت ہے ٭

لہ دیو (نفس امّارہ) سے اپنی انگوٹھی لے لے کیونکہ جان کی قسم تو ہی سلیمان ہے اور اس تاریکی بختی کو دور کر دے کیونکہ تو آفتاب کا روشن کرنے والا ہے (۲) بد ذاتوں سے تو اپنا رشتہ توڑ دے اور چھلاووں و شیطانوں کا غل مت سن۔ کیونکہ تو ذاتی شریف ہے۔ اور تو ہی بلند رتبے والا ہے

نہ پائیں ٭ ہر روز دونوں آتے تھے اور اپنی اپنی دیوار پر کام کرنے کے بعد چلے جاتے تھے۔ میعاد مُعیّنہ گزرنے پر راجہ صاحب معہ درباریوں کے مُلاحظہ فرمانے موقع پر تشریف لائے۔ پہلے رُومی کی دیوار پر سے پردہ اُٹھایا گیا۔ حاضرین دنگ رہ گئے۔ غش غش کرنے لگے۔ بے اختیار بول اُٹھے۔ چین کے نقش و نگار بھلا اس سے بڑھ کر کیا ہونگے ؟

لہ تُرا دیدہ و مانی را شُنیدہ ٭ شُنیدہ کے بود مانند دیدہ

سب طرف سے یہ آواز سُنائی دی کہ بس حد ہو گئی۔ رُومی تو پُورے کے پُورے نمبر (full marks) لے گیا۔ مہابھارت کے کُل مشہور واقعات از سرِ نو زندہ کر دکھائے۔ تصویریں بولا ہی چاہتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر تو کچھ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ رُومی ہی کو انعام ملنا چاہیئے۔ اب کچھ ضرورت نہیں کُومی کی صنعت دیکھنے کی۔ کمال ہے کمال"۔ ٭ سیر تو راجہ صاحب بھی ایسے ہی ہو گئے تھے کہ جی نہیں چاہتا تھا کُومی کی دیوار دیکھنے کی تکلیف گوارا کریں۔ لیکن کُومی نے خود ہی پردہ اُٹھا دیا۔ پردہ اُٹھنے کی دیر تھی کہ بس کچھ نہ پوچھئے۔ چاروں طرف حیرت سے سکتے کا عالم ہو گیا۔ راجہ صاحب اور اُمرا انگشت بدنداں رہ گئے۔ چند لمحے تو سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ گیا۔ جدھر دیکھو۔ لب زیریں بالائی لب سے جُدا سب کے سب متحیّر کھڑے ہیں ٭ آخر ہُوا کیا ؟ کُومی نے ستم کر دیا۔ غضب کیا ڈھا دیا ؟ اجی یہ صفائی ! اوہو ہو ہو ! نظر پھسلے جاتی

لہ میں نے تجھ کو تو دیکھا ہے اور مانی کو محض سُنا ہے۔ بھلا سُنا ہُوا دیکھے ہُوئے کے مانند کیسے ہو سکتا ہے

ہے۔ اور دیکھو دیوار کے اندر دو دو گز گھس کر تصویریں بنا آیا۔ اسلئے ظالم! مار ڈالا۔ کیا ہی ٹھیک نکلا یہ مقولہ "جہاں نہ پہنچے رومی وہاں پہنچے کومی"۔

ناظرین! سمجھے کومی نے کس بات پر رومی کو مات کر دیا تھا؟ متوازی دیواروں کا درمیانی فاصلہ کوئی دو گز کے قریب ہوگا۔ مہلتِ مقررہ میں رومی تو اپنی دیوار کے اوپر رنگ و روغن چڑھاتا رہا۔ اور کومی اتنا عرصہ اپنی دیوار کو صفائی دینے میں ہمہ تن مصروف رہا۔ یہانتک کہ اُسنے وہ دیوار شفاف بنا دی جو نتیجہ ہُوا وُہ تو آپنے دیکھ ہی لیا۔ اِس جھلا جھلکتی دیوار کے مقابلہ میں رومی کی دیوار کھُردری اور بھدی معلوم ہوتی تھی۔ علاوہ بریں رومی کی کُل کی کُل محنت ایک صفائی کی بدولت کومی نے مُفت میں خرید لی۔ اور علمِ مناظرہ (optics) کے مشہور مسئلہ کے مُطابق جتنا دیواروں کے درمیان فاصلہ تھا۔ اُتنے ہی فاصلہ پر کومی کی دیوار کے اندر تصویریں دکھائی دیتی تھیں۔

طُلبائے علومِ ظاہر ہیں! تختۂ دل پر رومی کی طرح بیرونی نقش و نگار کہانتک چڑھا کروگے۔ سطح ہی سطح پر انواع و اقسام کے صور کہاں تک بھروگے۔ (cramm…) دھسے ہوئے الوانِ گوناگوں دماغ میں کبتک رنگ جمائیں گے؟ اور خیالاتِ پریشاں ٹھونس ٹھونس کر بھرے ہوئے کبتک کام آئیں گے؟ ایجوکیشن Education (e, out; duco, I draw) کے معنے ہیں اندر سے باہر نکالنا۔ نہ کہ باہر سے اندر ٹھونسنا۔ ایجوکیشن (تعلیم و تربیت) کی اصلی غرض کو گرد بُرد کرنا ہا ہے۔ کیوں نہیں کومی کی طرح اُس پوتر تا (Purity) اور روشن

ضمیری دلانے والی وِدیا کی طرف رجوع کرتے۔ جس کا خاصّہ ہے

[1] ہردم از ناخن خراشم سینۂ افگار را

تا ز دل بیروں کنم غیرِ خیالِ یار را

کہاں تو معنی دکھانے والی برہم وِدیا اور کہاں صُورت پرست علوم و فنونِ ظاہری جو ایک دن بھارت ورش میں شُودروں کے لئے مخصوص تھے! آج ہمارے نوجوان اِن (so called) برائے نام علوم و فنون کی چاہ میں رگر کر پستی میں بالا تر اور کنوئیں کی تہ میں تارا ہو رہے ہیں ⁂ dark room (اندھیرے کمرے) کی وِدیا Light (روشن ضمیری) مانی گئی تو آج بھی آنکھوں (دیدۂ دِل) کو کور کرے گی۔ اور کل بھی ⁂

جس ایک کے جاننے سے تمام نہ جانی ہوئی اشیاء جانی جاتی ہیں۔ نہ سُنی ہوئی سُنی جاتی ہیں۔ نہ دیکھی ہوئی دیکھی جاتی ہیں۔ جس سے لوحِ محفوظ کے سب نقش شیشۂ دِل میں اُتر آتے ہیں جس سے سرِّ اکبر اور رازِ غیب کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ اُس اُپنشد وِدیا (معرفتِ ذات) [2] روپی سُرمے سے کیوں نہیں دیدۂ دِل کو روشن کرتے؟ ⁂

येना श्रुतꣳ श्रुतंभवत्यमतं मतमविज्ञातं विज्ञातमिति ॥ ३ ॥ (سام وید چھاندوگیہ اپنشد۔ پرپاٹھک ۶ کھنڈ ۱ منتر ۳)

आत्मानं वा विजानीयात् अन्या वाचं विमुंचथ ॥

---

[1] میں اپنے زخمی سینے کو ہردم ناخن سے چھیلتا ہوں تاکہ یار کے خیال کے علاوہ ہر ایک خیال کو دِل سے باہر نکال دوں ⁂

[2] جس (آتم گیان) سے نہ سُنا ہُوا سُنیدہ ہو جاتا ہے غیر معلوم معلوم شدہ۔ اور نادانستہ دانستہ ہو جاتا ہے (دانیا اُس ذات کو پہچانو) ⁂

Know this Atman, give up all other[1] vain words and hear no other.

۲ علم را و عقل را و قال و قیل	جملہ را انداختم در آب نیل
اسم را و جسم را در باختم	تا کمالِ معرفت دریافتم

اِک نُقطے وِچ گل مُکدی ہے ٭

۳ پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں	کر دُور کُفر دیاں باباں نوں
وے پھُوک حساب کتاباں نوں	کر صاف دِلے دیاں خواباں نوں
اک الف پڑھو چھٹکارا ہے	اک الف پڑھو چھٹکارا ہے

۴ جُستجو کُن جُستجو کُن جُستجو ٭ در بر خود بیں ہمانجا ہست او

अथातो ब्रह्मजिज्ञासा । (ویدانت درشن سُوتر پہلا)

ایک شخص مندر میں آکر شکریہ کا پرشاد بانٹ رہا تھا۔ اور رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ کسی نے اِس غیر معمولی خوشی کا سبب دریافت کیا۔ تو جواب دیا کہ " مَیں نے دوبارہ زندگی حاصل کی ہے۔ بھلا بچا ہُوں۔ چوروں کے پنجے سے خلاصی پائی ہے۔ میرا گھوڑا تو چور لے گئے ہیں۔ لیکن ہزار شکر ہے کہ مَیں گھوڑے پر سوار نہ تھا۔ ورنہ مَیں بھی چرایا جاتا۔ میری جیسی قیمتی جنس مالِ مسروقہ میں شمار نہیں ہُوئی۔ اِس بات کی خوشی ہے " ٭

ناظرین جلتے ہونگے کہ عجب احمق تھا۔ اتنا نہ سمجھا کہ اگر

---

۱ اُس آتما کو جانو اور سب فضول گپیں چھوڑو۔ اُس علم ذات کے سوا اور کچھ مت سنو

۲ علم و عقل چون و چرا و گفتگو ان سب کو مَیں نے دریائے نیل میں پھینک دیا ٭ (دوسرا مصرعہ) اور مَیں نے اسم و جسم کو ہار دیا۔ جب مجھ کو معرفت کا کمال حاصل ہُوا ٭

میں گھوڑے پر سوار ہوتا تو میرا چرایا جانا تو درکنار۔ گھوڑا بھی
کیوں چرایا جاتا۔ لیکن ہائے !
لہ ہر کسے ناصح برائے دیگراں ؛ ناصح خود یافتم کم در جہاں
اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کیا حال ہو رہا ہے
سوار گم ہے کہ گھوڑا ؟ وہ ہندوستان جنت نشان جس کے گنجان
درختوں کے جھنڈوں میں یا تو کوئل کی میٹھی سُر سنائی دیتی
تھی۔ یا شانتی برساتی ہوئی ویّد دھنی۔ جس کی مند سپند پَون یا
تو پشپوں کی سگندھ کو اٹھائے پھرتی تھی یا پوتر پرنو (اوم)
دھنی کو۔ جس کے شیشہ کی طرح صاف شفاف چشمے اور دریا اُن
مہا پرشوں کے انتہ کرن سے زیادہ نرمل نہ تھے۔ جو وہاں رمن
کرتے تھے۔ جس کے سرووروں اور تیرتھوں پر ادھر تو کھلے ہوئے
کنول بہار دیتے تھے۔ اُدھر تیرتھ روپی گیان والوں کے جلال
برساتے مُکھار بند۔ جس کے شہروں میں طوطی و مینا تک برہم
بچار کرتے سنائی دیتے تھے۔ آج اُن رشیوں والے بھارت ورش
میں اِس سرے سے اُس سرے تک کتنے آدمی ایسے ملیں گے
جو سروپ میں آرودھ (ذات میں مقیم) ہوں۔ کتنے ہستامل دکھائی
دینگے ؟ جس سے پوچھو۔ سوار ندارد۔ گھوڑے ہی کا پتہ دے گا۔
یعنی دستری جسم ہی کا نام و نشان بتائے گا۔ فلاں دفتر میں
ملازم۔ یہ تنخواہ۔ فلاں قوم۔ فلاں شخص کا بیٹا۔ فلاں سکونت۔

لہ ہر شخص دوسروں کو نصیحت کرنے والا نظر آیا۔ اپنے آپ کو نصیحت کرنے والا
جہان میں میں نے بہت کم پایا ؛

یہ عمر میں خوبصورت ہوں - میں مرد ہوں - میں ایم اے ہوں - وغیرہ

وغیرہ * پیارے! یہ سب تو جسم (گھوڑے) کا حلیہ ہے - لیکن

جسم آپ کبھی نہیں ہو سکتے - جسم پر سوار - جسم کے مالک - آپ

کون ہیں - بتائیے ؟ چُپ - صدائے بر نخیزد * !!! Lost! Lost! Lost

گم! گم!! ! کیا گم ؟ ہیو اینڈ کرائی ؟ (hue and cry) شور و فغاں کیسی ؟

گھوڑا کھو یا گیا ہے کیا ؟ نہیں - گھوڑے یعنی جسم کا تو پتہ برابر رل

رہا ہے - سوار (soul) گم ہے - حیرانی کی بات ہے - کیا تماشا ہے ! *

سلہ ہیچ ما کردیم بر خود ہیچ نابینا نہ کرد *

در میانِ خانہ گم کردیم صاحب خانہ را

بھارت ورش نواسی! (Know Thyself) جان اپنے آپ کو

سہ جستجو کن جستجو کن جستجو * در درونت ہیں کہ بیروں ہست او

(ویدانت درشن سوتر پہلا) अथा तो ब्रह्म जिज्ञासा ।

ہستی و علم ہوں - مستی ہوں نہیں نام مرا

خود پرستی و خدائی ہے - یہ بس کام مرا

چشمِ لیلیٰ ہوں - دلِ قیس و دستِ فرہاد

بوسہ دینا ہو تو دے لے - ہے لبِ جام مرا

گوشِ گل ہوں - رخِ یوسف دمِ عیسیٰ مہرِ سرِ دار

تیرے سینے میں بسوں ہوں ہے وہی بام مرا

حلقِ منصور - تنِ سمش و علمِ علماء

سلہ جو کچھ ہم نے اپنے پر کیا وہ کسی اندھے (بیوقوف) نے بھی نہیں کیا - کیونکہ گھر کے اندر گھر کے مالک کو ہم نے گم کر دیا ہے *

عواہ وا بحر ہُوں اور بُد بُدا اِک رام مرا

طالب۔میرے خیال میں تو پادری لوگ ریورنڈ سلیٹر جیسے (Revd Slater) اور ڈاکٹر کروزیر (Dr Crozier) وغیرہ جیسے فلاسفر سچ ہی کہتے ہیں کہ ویدانت سخت خود غرضانہ مذہب ہے اوّل درجے کی خود غرضی سکھاتا ہے۔اپنی ہی بہتری کی بتاتا ہے۔

عارف دُنیا میں کوئی آدمی ہی نہیں جو آنند کا خواہاں نہ ہو۔ سیدھے یا ٹیڑھے طریقے سے (directly or indirectly) سب آنند کے پیچھے بھٹکتے ہیں۔[1]

सुखं भूयात् दुःखं मा भूयात्।

فرق صرف اتنا ہے کہ بعض نادان ہیں (ج) جو محیطِ کُل اپنے آپکو بھُول کر جسمانیت میں غرق ہیں۔ایک ساڑھے تین ہاتھ کے ٹاپو (جزیرہ) میں قید رہتے ہیں۔باقی تمام مخلوقات کو اپنے سے بالکُل غیر اور جُدا مان کر اُن سے ذرا اُنس نہیں رکھتے۔اور آنند کی جُستجو اُن مادّی اشیا میں کرتے ہیں۔جہاں آنند ہے نہیں۔چونکہ قُدرت (Nature) کے برخلاف عمل کرتے ہیں۔اِس واسطے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔اور مصیبتیں جھیلتے ہیں۔اِن کا نام دُنیا میں خود غرض (Selfish) رکھا گیا ہے۔بجائے اِسکے کہ جاہل یا جھوٹے رکھا جاتا ٭ بعض ایسے ہیں (ب) کہ اپنے تجربہ یا غیروں کے تجربہ کی بدولت یہ جان چکے ہیں کہ آنند صرف ایک جسم کا بھلا چاہنے میں ہمیں نہیں ملے گا ٭

---

[1] سُکھ ہو دُکھ ہرگز نہ ہو ٭

قانونِ عمل و جوابِ عمل (Law of action and reaction)
کے مطابق "کر بھلا ہو گا بھلا"۔ یا یوں کہو کہ یہ وہ ہیں جو
Mother nature داتا پرکرتی) سے چپت کھا کھا کر اتنا سیکھ
چکے ہیں کہ آنند کو لینے کے لئے "I should love others
as I love myself" [1] اوروں کا بھلا کرنے ہی
میں میرا کلیان ہے۔ مگر اتنا ابھی نہیں سمجھے کہ کیوں؟
مشین (کل)، کی طرح کام تو کسی قدر ٹھیک ہی کر دیتے ہیں۔
لیکن اندر جان نہیں ہے۔ بعض ایسے اصحاب خیال میں بھی نہیں
لا سکتے وہ صفائی باطن جس سے ثابت ہوتا ہے
"All are myself, why not love all as myself" [2]
سب جسم میرے ہی ہیں۔ صرف ایک جسم کو اپنا ماننا جھوٹ بولنا ہے
اور شاہنشاہِ عالم نارائن روپ اپنے آتما کو محدود اور مقید مان کر
کلنکت کرنا اور خود کشی کرنا ہے۔ اور جرم کبیرہ کا مرتکب ہونا۔
اِس واسطے خود غرضی کیوں؟"
اشخاص نمبر ب خود غرض (آنند کی غرض والے) ویسے
ہی ہیں جیسے اشخاص نمبر ج۔ البتہ یہ فرق ہے کہ نمبر ب اپنی
خود غرضی کو پورا کرنے کا ڈھنگ بھی کچھ جانتے ہیں اور نمبر
ج والے اِس طریقے سے بالکل لا علم ہیں۔ ان کا نام دنیا میں
رکھا گیا ہے خوش خلق۔ نیک مرد۔ حمیدہ اخلاق والے۔ واہ وا
دھن ہیں ایسے پرش۔ غنیمت ہیں۔ با ایں ہمہ یہ لوگ صحبتِ نایاب

[1] مجھے اوروں سے ایسا ہی پریم کرنا چاہئے۔ جیسا اپنے آپ سے۔
[2] تمام اجسام میرا اپنا آپ ہیں تو پھر میں اپنی طرح تمام سے محبت کیوں نہ کروں۔

کی بدولت یا لوگوں میں نیک نام ہونے کی غرض سے۔ یا مذہب کے تازیانے کھا کر۔ یا خود قُدرت سے سبق لے کر اتنا کسی قدر ضرور سیکھ چکے ہیں کہ ضرب کیونکر دینا چاہیئے۔ اشخاص ممبرج کی طرح ضرب دینے کے لئے تفریق نہیں کر دیتے۔ لیکن ضرب کے قاعدے کے اُصُول کو ذرا نہیں سمجھتے ✤ تمام دُنیا کے اصل اُصولوں کو جاننے والا۔ قاعدۂ اخلاقی ضرب کے اُصُول تو درکنار۔ صعُود لوگارتھم اور کواٹرنیون (Quaternions) کی تہ تک پہنچا ہُؤا اور نیچر (قدرت یا فطرت) کا خاوند ہے وہ شخص (۱) جو جانتا ہے

Everywhere the same Self is manifest[۱]

جہاں تہاں۔ کیا فقیر کیا امیر کیا صغیر کیا کبیر۔ کیا گبر۔ کیا قیدی کیا وزیر سب ایک ہی ہے

[۲]
सहस्रशीर्षा पुरुषः सहस्राक्षः सहस्रपात्।
सभूमिं विश्वतो वृत्वात्यतिष्ठद् दशांगुलम्॥१४॥
(شویتاشوتر اپنشد۔ ادھیائے ۳۔ منتر ۱۴)

صرف یہ شخص (۱) ہے جو خود غرض نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اُس میں نہ خودی رہتی ہے نہ غرض ✤ اُس شخص کو آنند کی غرض بھلا کیُوں؟ وُہ تو خُود آنند ہے! جس کی غرض ہوتی ہے وُہ آپ خود ہے۔ اِس لئے اُس کا نام ہے خود آ۔ یا خُدا۔

[۳] مطلعِ دیدارِ حق دیدارِ ما ✤ منبعِ گُفتارِ حق گُفتارِ ما ✤

---

[۱] ہر جگہ وہی آتما (اپنا آپ) پرکاشمان (ظہور پذیر) ہے ✤

[۲] ہزاروں سر والا۔ ہزاروں آنکھوں والا ہزاروں پاؤں والا وہ پُرش (ذاتِ حق) ہے۔...

[۳] ہمارا درشن دیدارِ حق کا مطلع ہے۔ اور ہماری گُفتگو کلام الٰہی کا منبع ہے ✤

دیکھنا ہو تو یہ نہیں پوچھا جاتا کہ اسکے پاس روپیہ کتنا ہے۔ بلکہ یہ کہ اس کا استغنا کتنا ہے ❖

मही रम्या शय्या विपुलमुपधानं भुजलता वितानं चाकाशं व्यजनमनुकूलोऽयमनिलः। स्फुरद्दीपश्चन्द्रो विरति वनिता संगमुदितः सुखं शान्तः शेते मुनिरतनभूतिर् नृप इव ॥ (بھرتری ہری)

لہ خشت زیر سر و بر تارک ہفت اختر پائے
دست قدرت نگر و منصب صاحب جاہی

ساتھ سات گانٹھ کوپین ہیں سادھ نہ مانے سنگ
رام عمل ماتا پھرے گنے اندر کو رنک ❖

جس ویدانت کی پوتر دہلیز پر قدم رکھنے کے لئے ہی درکار ہے ❖ (ویدانت سار) इहामुत्र फलभोग विरागः یعنی نہ صرف سُرگ (بہشت) کی حور و اپسرا پر آنکھ نہ ڈالنا بلکہ اندر برہما آدک کے عالی رتبوں پر لات مار دینا۔ چہ جائیکہ اس دنیا کی ناپائدار چند روزہ اشیا کے لالچ میں مارے مارے پھرنا اور خاک اڑانا ❖

ع حُور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

البتہ ایک لحاظ سے ویدانت ایک اول درجہ کی خود غرض ودیا ہے بعض فلاسفروں (ڈکٹاو) کا قول ہے کہ جب کوئی نیک مرد

لہ سر کے نیچے تو اینٹ ہے اور پاؤں ساتوں ستاروں کے اوپر۔ تو اس مرتبہ والے کی قدرت کا پایہ و مرتبہ دیکھ ❖

کسی مصیبت زدہ پر ترس کھا کر اُس پر مہربانی کرتا ہے تو وُہ اُس غیر شخص پر احسان کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی ہی خاطر وہ تلطف سرزد ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ جیسے بعض آدمیوں کی طبیعتیں نرم ہوتی ہیں تو وُہ اَوروں کے زُکام کو جھٹ قبُول کر لیتی ہیں۔ پاس کا آدمی جمائی (yawning) لیتا ہے اُن کو جمائی آجاتی ہے۔ دیگر امراض متعدّی سے فی الفور اثر پذیر ہونے کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ویسے ہی نرم دل والا آدمی اپنے پڑوسیوں کی مصیبت کو مرض متعدّی کی طرح جھٹ قبُول کر لیتا ہے۔ اور پھر خود قبُول کردہ رنج و غم کو غلط کرنے کے لئے غریب ہمسایہ پر کرم و عنایت مبذُول فرماتا ہے۔ یہ کرم و عنایت اپنی ہی خاطر ہوتا ہے۔ غیر کی خاطر ذرا نہیں ÷ پس جسے رحم و نوازش مانے بیٹھے ہو۔ یہ بھی تو ایک قسم کی خود غرضی ہی ہے۔ لیکن ویدانت کی خود غرضی اِس سے بھی گئی گُذری ہے۔ پرلے پار جاتی ہے ÷ یہاں تو اُسے ویدانت کو بد گمانی کی آنکھ سے دیکھنے والے صاحب! گیان وان کا "خود" (اپنا آپ) اتنی وُسعت پکڑ لیتا ہے۔ اسقدر مُلک گیری کر لیتا ہے۔ ایسی تسخیر جہان کرتا ہے کہ تعریف میں زبان لال ہے۔ اور خیال کی رسائی مُحال ہے۔[1]

यतो वाचो निवर्तन्ते अप्राप्य मनसा सह । (کرشن یجروید تیتریہ اپنشد ۲۔۴ منتر ۱)

جس طرح سے آپ کو ایک خاص جسم کے متعلق یہ خیال ہے کہ

---

[1] جہاں سے نطق (گل کلام) مع دِل کے واپس لوٹتے ہیں یعنی جو نطق و من کی پہنچ سے باہر ہے ÷

"یہ میرا ہے" ٹھیک اُسی زور کے ساتھ عارف (گیان وان) تمام موجودات کو "میرا" کہہ سکتا ہے [1] ❊

मई सर्वमिदं प्रोतं सूत्रे मणिगणा इव । (بھگوت گیتا۔ ادھیائے ۷ منتر ۷)

यस्तु सर्वाणि भूतान्यात्मन्येवानुपश्यति । सर्वभूतेषु चात्मानं ततो न विजुगुप्सते ॥ (یجروید ادھیائے ۴۰ اپنشد منتر ۶) [2]

ایک اوستھا گیان وان پر یہ آتی ہے کہ ؎

پتّی کو پھول کی لگا صدمہ نسیم کا ❊ شبنم کے قطرے آنکھ سے اُسکی ٹپک پڑے

گلاب کی پنکھڑی پر تو نرم باد سے ذرا چوٹ آئی۔ لیکن ہائے یہ ابھیدتا! کہ گیان وان کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں ❊

؎ خوں رگِ مجنوں سے نکلا فصد لیلےٰ کی جو لی
عشق میں تاثیر ہے پر جذبِ کامل چاہیئے

One with Nature and the God of Nature [3]

اِس گیان وان کے انوبھو (رُوحانی تجربے) کو گرسٹے (Goethe) نے یوں قلمبند کیا ہے ❊

---

[1] مجھ میں یہ سب (جگت) ایسے اوت پروت (پرویا ہُوا) ہے جیسے مالا کے دانے دھاگے میں ❊

[2] جو سب موجودات کو اپنے آتما (ذات) میں اور اپنے آپ کو (ذاتِ خود کو) تمام موجودات میں دیکھتا ہے وہ پھر کسی سے حقارت نہیں کرتا۔ یعنی اُسکو سب اپنا آپ نظر آتے ہیں اسلئے اُس سے تمام کے لئے ایسی ہی محبت اُٹھتی ہے جیسے کہ اُسکو اپنے آپکی خ

[3] قدرت اور قُدرت کے مالک سے ابھید (واحد) ہُوا ہوتا ہے۔ یا قُدرت سے ایک اور قُدرت کا مالک ہُوا ہوتا ہے ❊

ل
I tell you, what's man's supreme vocation
Before me was no world, 'tis my creation
'Twas I who raised the sun from out the sea
The moon began her changeful course with me.

وائے خود غرضی!

ع
تبلاؤں اپنے کفر کی گر رمز شیخ کو
بے اختیار کہہ اُٹھے اسلام کچھ نہیں

یہیں پر ویدانت کب اکتفا کرتا ہے - پیارے Dr Crozier ویدانت کے ظلم و ستم اور دیکھو!

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا؟ ۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟
وہ کیمیاگر نگاہ گیان وان کی جان پڑی - خُدا ہی خدا بنا دیا -
کوئی پستی رہی نہ بلندی - دیوانگی رہی نہ ہوشمندی -

سه
विद्या विनय संपन्ने ब्राह्मणे गवि हस्तिनि ।
शुनिचैव श्वपाके च पण्डिताः समदर्शिनः ॥ (بھگوت گیتا ادھیائے ۵ شلوک ۱۸)

اس نور کے طوفان کے آگے در و دیوار - پیادہ و سوار سب اُڑ گئے -
سہاگہ پھر گیا - سب صفائی ہو گئی - آگے کیا کہوں؟ آگے کیا کہوں؟

ل انسان کا جو سب سے اعلیٰ شغل ہے اسکو علانیہ میں تمہیں بتلاتا ہوں - وہ یہ ہے کہ دنیا مجھ سے پیشتر نہ تھی - اور یہ میری ہی بنائی ہوئی ہے - اور یہ میں تھا جس نے آفتاب کو سمندر سے طلوع کیا - اور مجھ کے سبب چاند نے اپنا تغیّر پذیر دورہ میرے ساتھ شروع کیا ۔

سه عالم و حلیم برہمن میں، گائے، ہاتھی، کتے اور چانڈال میں پنڈت (عارف) لوگ سمدرشی (ایک برابر دیکھنے والے) ہوتے ہیں ۔

س۵ گیان کی آئی آندھی رے یارو گیان کی آئی آندھی
سکل اُڑانی بھرم کی ٹاٹی کیا راٹی کیا باندی ٭
تمام سنسار گیان اگنی میں جل گیا۔ وار۔پار۔یار
جت دل دیکھا نور جمال ٭
پرم ہنس کے سامنے عورت آکھڑی ہوئی۔ ماں! ماں! کالی۔کالی۔
کہہ کر چرن پکڑ لئے۔ مجنوں کے سامنے باپ کھڑا تھا۔
سلہ مجنوں گفتا بگو پدر کیست ٭ غیر از لیلیٰ دگر کسے چیست
شبلی جمعہ کی نماز کے لئے امام بنایا گیا۔تو وہاں یہ کلمۂ شیریں گایا۔
سلہ من خدایم من خدایم من خدا ٭ فارغم از کبر و از کین و ہوا
یہ سن کر جنید نے شکایت کی
سلہ آنچہ من با تو گفتہ ام بہ نہفت ٭ تو عیانش ہمی کنی اظہار ٭
شبلی نے جواب دیا ٭
سلہ من ہمی گویم و ہمی شنوم ٭ نیست کس غیر من بہردو دیار
میں تو سخت تنہائی میں (کنج سنسان میں) ہوں۔غیر کوئی ہے ہی

سلہ اے مجنوں بتا تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا کہ لیلیٰ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے (یعنی لیلیٰ ہی ہے) ٭

سلہ میں خدا ہوں میں خدا ہوں میں خدا ہوں۔ اور لالچ و بغض و غرور سے آزاد ہوں ٭

سلہ جو کچھ تجھ کو میں نے پوشیدگی میں کہا تو اسکو کھلم کھلا ظاہر کرتا ہے ٭

سلہ میں ہی خود کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں۔میرے سوائے دونوں جہانوں میں کوئی نہیں ہے ٭

نہیں۔ ظاہر کرنا کرانا یعنی چہ ؟

[1] تنہاستم تنہاستم در بحر و بر یکتاستم
جز من نباشد ہیچ شئے من جانتم من مانتم

زہے رندی ! جس پر ہزار ایمان قربان۔ زہے دیوانگی ! جس پر لاکھ نیوٹن اور کیلوِن نثار ؂

[2] دردِ ما را بے شما درماں مبادا بے شما
مرگ بادا بے شما۔ جاں نے مبادا بے شما

[3] بشنو از ایماں کہ می گوید بآواز بلند
با دو زلفِ کافرت کایماں مبادا بے شما

ارے دُنیا بین نگاہ۔ ارے ہاڑ اور چام دیکھنے والی درِشٹی !
ع۔ مر کیوں نہ جائیے تو کٹاری پیٹ کھائیے کے

[4] صد شکر گویم ہر زماں ہم چنگ را ہم جام را
کایں ہر دو بردند از میاں ہم ننگ را ہم نام را

---

[1] مَیں اکیلا ہُوں۔ مَیں اکیلا ہُوں۔ اور خشکی و تری میں بے مثال ہُوں۔ میرے سوائے کوئی چیز ہستی نہیں رکھتی۔ مَیں خود زمین ہُوں اور مَیں خود ہی پانی ہُوں ؂

[2] اے پیارے ! تیرے بغیر ہم کو درد ہو۔ اور تیرے سوائے اِس درد کا علاج مت ہو۔ بغیر تیرے ہماری موت ہو۔ اور بلا تیرے ہماری جان مت ہوجیو ؂

[3] ایمان سے سُن جو کچھ شاعر بآواز بلند کہتا ہے (یا جو کچھ شاعر ایمان سے بآواز بلند کہتا ہے اُسے تو سُن) کہ تیری دو کافر زلفوں کے ساتھ میرا یہ ایمان بغیر تیرے مت ہوجیو ؂

[4] مَیں چنگ اور پیالہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ اِن دونوں نے شرم و حیا کو میرے دِل سے بالکل ہٹا دیا ؂

له دل تنگم از فرزانگی دارم سر دیوانگی
کز خود دہم بیگانگی ہم خاص را ہم عام را
چوں مرغ پرد از قفس دیگر نیندیشد زکس
بیند مبارک پیش و پس ہم دانہ را ہم دام را
اے جاں تو گر ہمت کنی۔ دل از دو عالم بر کنی
یکبارہ از ہم بشکنی ہم پختہ را ہم خام را
سجدہ گرد انم کرا اے زاہدا!
خود خدایم خود خدایم خود خدا

له میرا دل عقل سے تنگ ہے۔ کیونکہ میرے دماغ میں مستی و پاگل پن سمایا ہوا ہے اور خاص و عام کو میں اپنے سے بیگانہ سمجھتا ہوں ✤

ٮ٢ جب پرندہ جال سے اڑ جاتا ہے تو پھر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ تب وہ جال اور دانے کو آگے پیچھے مبارک سمجھتا ہے ✤

ٮ٣ اے جان اگر تو ہمت کرے تو میرے دل کو ہر دو جہان سے ہٹا دے اور یکبارہ کچے پکے کو بالکل توڑ ڈالے (یعنی خواہشات کا ناش کر دے ✤

ٮ٤ جب میں خود ہی خدا ہوں۔ میں ہی خدا ہوں تو اے زاہد! بتا میں سجدہ کس کے آگے کروں ✤

زندہ کون ہے ؟
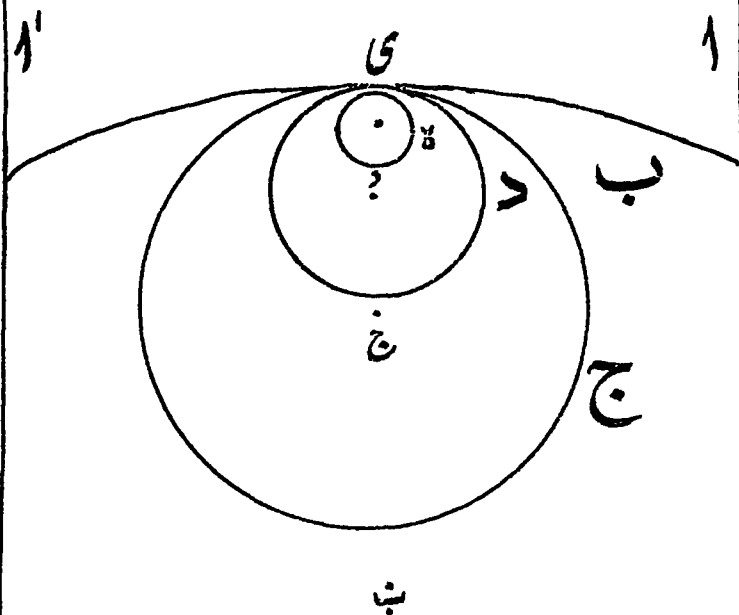
معترض۔ یہ بھول بھلیاں کیوں بنا رکھی ہیں۔ یہ ایچ پیچ حلقے کسکو پھنسانے کے لئے ہیں۔عجب چکروں میں ڈالا چاہتے ہو ؟

رام۔پیارے چکروں سے رہائی دلانے کو یہ دائرے مرتسم کئے گئے ہیں۔تمہاری حالت دکھانے کو یہ آئینے پیش کئے گئے ہیں ؛

کبوتر کو جب بلّی پکڑنے آتی ہے تو وہ بچارا بھولا کبوتر اپنی آنکھیں بند کر لیا کرتا ہے۔جانو ایسا کرنے سے بلّی کی نظر سے

غائب ہو گیا ہے۔ پر غائب کہاں؟ کبوتر کو گو بلّی نظر نہ آئے بلّی کی آنکھیں برابر کھلی ہیں۔ جھٹ شکار کرلیگی ۔ ویسے ہی بھئی اپنی حالتِ زار کو تم اگر بِسار دوگے تو کیا حلقۂ مار مصیبت سے چھٹکارا ہو جائیگا؟ برخلاف اِسکے سُنا ہوگا کہ جنگل میں اگر شیر، چیتا وغیرہ سے سابقہ آپڑے تو وہ شخص بچ نکلتا ہے جو شیر وغیرہ سے نظر بازی کی لڑائی میں ٹکٹکی لگا کر گھورنے میں نہ ہارے ۔ اِسی طرح دُنیا میں بسا اوقات اپنی غلطیوں (گناہوں) اور قصوروں پر غور سے نگاہ ٹکانے (retrospection) میں جھٹ مخلصی کی صُورت نکل آتی ہے ۔ ناظرین! آج اپنی اپنی حالت پر بچار کرنا ہوگا ۔

معترض۔ اجی اِس پیچیدہ مضمون کو پڑھ کر کون دماغ چکّر میں ڈالے؟ آپ ہی اسے لکھو اور آپ ہی پڑھو۔ دوسرے کو اِس سے کیا سروکار؟ اِس طرح آپ کا अद्वैत (مسئلۂ احدیت) خوب سِدھ ہوگا (ٹھیک اُتریگا) ۔

رام۔ بیشک ع "رہنما از پیچ و تاب است ایں رہِ پیچیدہ را"[1] پر بھئی! آپ ہی لکھنے اور آپ ہی پڑھنے کی۔ تو ایک ہی کہی۔

ع۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گِل کوزہ[2] ۔

ع۔ شاگرد ہیں تو ہم ہیں اُستاد ہیں تو ہم ہیں ۔

ہمارے سروپ (ذات) کی ایکتا (احدیت) میں کبھی فرق نہیں

---

[1] اِس پیچیدہ رستے کا رہنما خود پیچ و تاب میں ہے ۔

[2] برتن اور خود برتن بنانے والا اور خود برتن کی مٹّی ہوں ۔

آسکتا۔ ظاہراً گو ہزاروں اور لاکھوں آدمی پڑھنے والے ہوں۔ پھر بھی ایک رام ہی سب میں رمنے والا ہے۔ سب سے اتحادِ ذاتی (سموائے سمبندھ) رکھنے والا ہے۔ خود لکھتا ہے۔ خود پڑھتا ہے۔ اور خود مضمون بنتا ہے اور پڑھ کر خود ہی خوش ہوتا ہے ٭

हा३वु हा३वु हा३वु। अहमन्नमहमन्नमहमन्नम्।
अहमन्नादो३ऽहमन्नादो३ऽहमन्नादः। अहꣳ श्लोककृदहꣳ
श्लोककृदहꣳ श्लोककृत्॥ = (یجر وید۔ تیتریہ اُپنشد بھرگو ولی ۱۰)

ترجمہ۔ آہا! آہا! آہا!

مَیں غذا (محسوسات و معلومات۔ object) ہُوں۔ مَیں غذا ہُوں مَیں غذا ہُوں۔ مَیں غذا کھانے والا (محسوس کنندہ و دانندہ subject) ہُوں۔ مَیں کھانے والا ہُوں مَیں کھانے والا ہُوں ٭ مَیں شاعر (یعنی غذا اور خورندہ کو ملانے والا) ہُوں۔ مَیں شاعر ہُوں مَیں شاعر ہُوں"٭ عالم و علم و معلوم مَیں ہی ہُوں ٭

"الف" کے معنی ہیں "ہزار" تِس پر بھی الف ایک ا ہی ہے۔ بحر میں لاکھوں موجیں ہوتے وہ۔ بحر کی احدیت میں فرق نہیں آسکتا٭ میرے اپنا آپ معترض صاحب! اگر اِن گول چکّروں سے بچنے کی خاطر اِس مضمون سے گریز کیا چاہتے ہو تو بتاؤ تو سہی! کہ پہلے اِس سنسار چکّر کے چکّروں سے، بچاؤ کی کوئی صُورت تجویز کر چکے ہو؟ اولاً آپ کی آنکھ ہی گول ہے۔ چکّر ہے پھر آسمان کی طرف نگاہ ڈالو وُہ گول چکّر ہے ٭ سُورج۔ چندرماں تارے سب گول ہیں۔ (چکّر رُوپ ہیں) خطِ مُستقیم (सीधी रेखा)

(straight line) جسے کہتے ہیں وہ از روئے ریاضی داناں زمان
حال کی تحقیقات کے ایک بہت ہی وسیع دائرہ (چکر) ہے جس کا مرکز
لا انتہا فاصلہ پر ہے ٭ سینٹ آگسٹن کے قول کے مطابق
God is like a circle whose centre is
everywhere but circumference nowhere
"خدا ایک دائرہ ہے جس کا مرکز تو ہے سب جگہ۔ لیکن محیط کہیں
نہیں" ٭ موسمی (monsoon) اور تجارتی ہوائیں (trade winds)
خط استوا (equator) کی جانب چلتی ہیں۔ ہلکی بن کر اوپر کو اڑ کر
اینٹی مونسون (anti monsoon) اور اینٹی ٹریڈ ونڈز
(anti trade winds) کے ناموں سے موسوم ہو واپس جاتی ہیں۔
پھر سردی سے نیچے اتر خط استوا کا رُخ کرتی ہیں۔ یوں ہر وقت
چکر میں لگی ہیں۔ دائرے مرتسم کرتی پھرتی ہیں۔ سمندر کی رَووں
کا یہی حال ہے جیسا کہ گلف سٹریم (Gulf stream) اور اینٹی
گلف سٹریم (anti Gulf stream) نام ہی ظاہر کرتے ہیں ٭
دریا بیچارے رہٹ کے ٹنڈوں کی طرح چکر میں لگے ہیں۔ پہاڑوں
سے اترتے ہیں۔ بڑی محنت سے قوسِ نزولی طے کر سمندر تک پہنچتے ہیں۔
وہاں سے بُخارات کی حیثیت میں اُوپر اُڑ قوس صعودی طے کر پہاڑوں
تک واپس جاتے ہیں۔ اور پُورا دائرہ بناتے ہیں ٭
گھڑی کی سوئیاں XII (بارہ) سے چلتی ہیں اور I (ایک) II (دو)
وغیرہ سب مسافتیں طے کر کے پھر XII (بارہ) پر آ جاتی ہیں۔
اُن کے نصیب میں دن رات اسی چکر کی قید رکھی ہے۔ اسی

سائکلک آرڈر (cyclic order) میں بڑی گردش کھاتی ہیں ٭

اسی طرح "صبح دو پہر شام اور رات" کال چکّر (وقت) کے پیچ میں غلطاں ہیں ٭ بہار۔ گرما۔ خزاں۔ اور سرما اسی ٹائم کے فلائی وہیل (fly wheel) یا چرخ پر دورہ کُناں ہیں ٭ ست جگ ترتیا۔ دواپر اور کلجگ ہستی (existence) کے سرکس (circus) میں اُچکتے پھاندتے (گھوڑ دوڑ مچاتے) دُنیا رُوپی خاک اُڑاتے چکّر لگا رہے ہیں ٭ خود زمین گردش میں ہے۔ چندرمان اِس گھومنے کے ہاتھوں زرد رُو ہے۔ سب سیّارے کسان کی گھمائی کی طرح گھمائے جا رہے ہیں۔ دھرو ستارہ (قطب) ماتا پرکرتی کے چرخے (spinning wheel) میں تکلے کا سرا بن اپنے آپ میں پیچ و تاب کھا رہا ہے ٭ سمندر اِس گردش کے مارے ہا و ہو (واویلا) مچا رہا ہے ٭ ہوا اِس چکّر بازی میں سرد آہیں کھینچ رہی ہے مصیبت زدوں کے ہاں جو فلک ستمگر کہلاتا ہے۔ وہ چرخ اس گردش کی آنکھیں دیکھ کر انجم رُوپی حسرت بھری نگاہیں چاروں طرف ڈال رہا ہے۔

ے ہوا نہیں ہے یہ چرخ کی سرد آہیں ہیں
ستارے کب ہیں۔ یہ حسرت بھری نگاہیں ہیں

غرض کہاں تک اِس گردش کے دورو تسلسل گنیں ؟ "زندگی" (حیات، خودی) تو بحرِ ہستی میں ایک بھنور (چکّر) ہے۔ کچھ عرصہ دریائے ہستی (اِدِّھشٹان noumenon) کی سطح پر حیات کا بھنور بہار بنتا ہے۔ پھر مٹ جاتا ہے ٭

اگر جنم مرن کی آسیا سے رہائی چاہتے ہو تو اِس دائروں والے مضمون کو غور و تامّل سے پڑھو ٭ اِستقلال کے ساتھ چُپکے چُپکے ہم سے باتیں کرتے ہُوئے پہلے چند ٹیڑھی لکیر والے اوراق کی منزل طے کر جاؤ۔ پھر جادۂ مستقیم نظر آئیگا۔ راہِ راست دکھائی پڑے گا ٭ دیکھنا۔کہیں اِن چھوٹے چھوٹے حلقوں کے پھنداروں میں ہی پھنسے نہ رہ جانا ؟

دائرہ کے محیط یعنی (phenomena۔اسماء و اشکال) پر جبتک تگ و پو رہے گا۔اختلاف اور جھگڑے قضیئے ہرگز شانتی (peace) کی صُورت نہیں پکڑینگے ٭ اگر (distractions) دِل کی کشمکش اور تفکرات سے نجات منظور ہے۔ تو مرکز یعنے (noumenon) اصلِ حقیقت کا رُخ کرو۔اُپنشد ودیا پڑھو جہاں سب تفاوتیں مٹ جاتی ہیں۔غیریّت بھاگ جاتی ہے ٭ عُلُوم ظاہری لینٹرن (lantern) کی روشنی کے مشابہ ہیں۔یہ روشنی اِرد گرد کی اشیاء کو کسی قدر جگمگا ضرور دیتی ہے۔لیکن اُس کا دائرہ ہمیشہ اندھیرے کے ایک بڑے دائرے سے محیط ہوتا ہے۔ روشنی جتنی بڑھیگی دائرۂ تاریکی بھی اُسی قدر ترقی کرتا جائے گا۔یونانی لوگ پانی کو عنصر (element) تسلیم کرتے تھے۔ آج کل کے سائنس نے پانی کو مُرکّب بتا کر اُس کی جگہ آکسیجن اور ہیڈروجن کو عنصر ثابت کر دکھایا۔جہاں پہلے ایک (پانی) نامعلوم (تحقیقاتِ طلب) تھا۔اب دو (آکسیجن اور ہیڈروجن) نامعلوم نکل پڑے۔ عِلم ضرور بڑھا۔لیکن ساتھ ہی اُس کے لاعلمی کا دائرہ بھی وسیع ہوا ٭ ظاہری علوم میں

ادھر نیوٹن کی معلومات حاصل ہونگی اُدھر مجہولات (अविज्ञात) کا سمندر اس قدر موجزن ہو جائے گا کہ اُن معلومات کو صرف کنارے کی کنکر سیپ وغیرہ سے نسبت دینی پڑیگی ۔

Empirical Sciences (علومِ صفات و صُور) کا دُشاسن سرپنچ دُنیا(مروپی دروپدی کے پردے (چیر) اُتارا چاہتا ہے۔ ایک تہ اُترنے نہیں پاتی کہ دُوسری موجود ہو جاتی ہے۔ وہ اُترتے ہی تیسری نمودار ہو جاتی ہے۔ علیٰ ہذا۔ اور دشاسن بیچارہ گھبراکر کہہ اُٹھتا ہے "ناری میں ساڑھی ہے کہ ساڑھی میں ناری ہے"!

Veil after veil will be left and there will be veil upon veil behind.

سر آئیزک نیوٹن نے ایک دفعہ اپنے مکان میں پنکھا لگایا۔ عجب انداز سے لیور اور چرخیاں وغیرہ کو ترتیب دیکر پنکھا قُلی پالتو چُوہوں کو مقرر کیا۔ وہ یوں۔ کہ ایک دندانہ دار پہیئے (toothed wheel) کے سرے کے قریب تھوڑی سی گندم اس ترکیب سے رکھی کہ پہیئے کے چلنے پھرنے سے گندم نہ ہلنے پاوے۔ چُوہا گندم کو حاصل کرنے کی نیت سے جب ایک دندانہ سے اُچھل کر دُوسرے دندانے کی طرف جاتا تو پہیہ پھر جاتا۔ پنکھا ہل جاتا۔ لیکن غریب مزدور (چوہا) پھر اپنی پُرانی جگہ پر نیچے گر جاتا۔ اور گندم سے اُسی دُوری (فاصلہ) پر رہتا۔ جب پر چلے تھا۔ وہ سادہ لوح (dupe) پھر اُچھلتا۔ پنکھا ہلا دیتا۔ لیکن آپ کچھ نہ پاتا۔ علیٰ ہذا۔ البتہ یہ خیال اُسے ہردم ضرور رہتا کہ لو۔ یہ گندم ملی۔ وہ ملی

اب ملی کہ ملی۔ایک دفعہ اور اُچھلنے کی دیر ہے۔ فوراً پالوں گا ؀
اسی طرح ہوسِ دُنیا۔ یا ہوسِ علُومِ دُنیا۔ نادان چُوہے کی مانند
کبھی اپنے مقصُود کو نہیں پاسکتی۔کبھی شانت نہیں ہو سکتی۔
ہستِ مُطلق د (Absolute) کو کبھی چھُو نہیں سکتی۔ گو
اتنا ضرور ہے کہ اِس کی بدولت ٹھاکُر ایشور بھگوان کا پنکھا
ہلتا جاتا ہے ؀

سُورج کی روشنی کے سپیکٹرم (صفحۂ الوان) میں (dark lines
سیاہ لکیریں) ہُوا کرتی ہیں۔ لیکن سُورج گرہن کے موقع پر
سپیکٹرم کو دیکھیں۔ تو یہ لکیریں سفید نظر آئیں گی۔ ٹھیک اُسی
طرح پیارے ناظرین! یہ ریایں اور توہیں اور بلّوں جو اوِدیا
رُوپی گرہن کے وقت سفید تاریں (روشن) معلُوم دیتی ہیں۔گرہن
ہٹنے پر دیکھی جائیں تو سیاہ دھاریاں بن جائیں گی ؀

ؔلہ بکوئے مے فروشانش بہ جامے بر نمے گیرند
زہے سجّادۂ تقویٰ کہ یک ساغر نمے ارزد
کلاہِ تاجِ سُلطانی کہ بیمِ جاں درو درج است
کُلاہِ دلکش است امّا بہ دردِ سر نمے ارزد

ؔلہ یہ عجیب پرہیزگاری کا سجادہ (جائے نماز) ہے۔کہ ایک پیالہ (ساغرِ مَی) کے عوض بھی نہیں بکتا۔کیونکہ شراب فروشوں (اہلِ حقیقت یا عارفانِ فنافی اللہ) کی گلی میں اُس دُنیوی پارسائی کو ایک پیالہ کے عوض بھی نہیں لیتے ہیں۔یعنی اہلِ حقیقت کے سامنے ظاہری پارسائی یا مادّی ترقی کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔بادشاہی تاج کی ٹوپی جس میں کہ جان کا خوف ہے اگرچہ دلکش ہے لیکن دردِ سر کے عوض نہیں بک سکتی یعنی اس بیش قیمت تاج سے دردِ سر (بے چینی) دُور نہیں ہو سکتی ؀

What shall it profit a man if he shall gain the whole world but lose his own soul.

"اگر رُوح کو بیچ کر کسی نے تمام دُنیا کو حاصل کر لیا تو کیا فائدہ!

اِس میں کچھ شک نہیں کہ علوم ظاہری کے محققین شہرت دُنیا کے آسمان پر انجم ہو کر چمکنے کے لائق ہیں۔ اور اندھیری رات میں کئی بھُولے بھٹکوں کو راہ گم کرنے سے بچاتے ہیں۔ اور اپنی روشنی سے مُسافروں کو کیچڑ میں پھنس جانے یا گڑھے میں گر جانے سے ہٹاتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو سہی۔ لیکن گیان (علم ذات) کا آفتاب طلُوع ہونے پر تارے وارے سب غائب ہو جاتے ہیں۔ اُن کی کچھ بھی تاب نہیں رہتی ؎

دُنیا و عاقبت رہنا۔ واہ وا جو جہل نے کیا
تاروں سا مہر رام نے۔ دم میں اُڑا دیا کریُوں! (اودیا یا جہل)

اَے ہندوستان کے باشندو! اندھیرے کمروں میں گھُس کر شب تار کی موزُوں آتش بازیوں اور مصنُوعی جھاڑ فانُوسوں کے ذریعے سجاوٹ بناوٹ کرنا تو تُم غیر مُلک والوں سے سیکھ ہی رہے ہو۔ لیکن ہائے! اپنے مُلک کے سُورج (برہم وِدیا) کو مُنہ دِکھانے سے بھی پرہیز کیا جاتا ہے ؎

دائرے

آؤ! اب ذرا اِن دائروں کی حقیقت پر غور کریں ؎ اِس موقع پر مُناسب معلُوم ہوتا ہے کہ وُہ اصطلاحی الفاظ جو بار بار اس مضمُون میں

مذکور ہوتے ہیں۔ اُن کی بھی کچھ توضیح کی جائے ؞

تعریف۔ دائرہ (वृत्त۔ Circle) اس شکلِ مستوی کو کہتے ہیں جو ایک خط دگول لکیر موسوم بہ "محیط" "circumference" (परिधि) سے گھری ہوئی ہو۔ اور جس کے بیچ میں ایک ایسا نقطہ ("مرکز" - केन्द्र "centre" نامی) ہو جس سے خواہ کتنے خطوط (لکیریں) محیط تک کھینچی جائیں سب آپس میں برابر ہوں۔

ان آپس میں برابر لکیروں میں سے ہر ایک کو نصف قطر (त्रिज्या - "radius") کہتے ہیں

دائرہ اگر از حد چھوٹا ہو یعنی اُس کا نصف قطر اگر غایت درجہ تک قلیل ہو تو اِس صورت میں دائرہ صرف نُقطہ ("बिन्दु" "point") سا بن جائیگا۔ جیسے پہلے صفحے پر کی شکل میں سب سے چھوٹے دائرے کا مرکز ہ ی کے نہایت قریب ہے - یعنی نصف قطر ی ہ از حد قلیل ہے۔ اِسی لئے دائرہ ہ صفر بلکہ نُقطہ سا بنا ہوا ہے۔ پھر جوں جوں ی سے مرکز کی دُوری بڑھتی جائیگی۔ نصف قطر دراز ہوتا جائیگا۔ اور دائرہ وسیع ہوتا جائے گا۔ شکل صفحہ ۸۷ میں دُوسرے دائرے کا مرکز (نقطہ) د زیادہ فاصلے پر گیا۔ تو وُہ دائرہ د بھی بڑھا۔ اس دائرے میں ہ جیسے کئی دوائر آجاتے ہیں۔ جب تیسرے دائرے کا مرکز (نقطہ) ج اور بھی دُور گیا تو ساتھ ہی اُس دائرے ج کی قلمرو بھی پھیل گئی۔ حتّٰی کہ اس میں د جیسے کئی دوائر سما سکتے ہیں ؞

علیٰ ہذا القیاس دائرہ ب (جس کے مرکز نے ب سے قدم اور

بھی آگے بڑھایا) اس عروج کو پہنچا کہ ج اور د اور ہ جیسے
کئی دائرے کھپ جانے کی اس میں گنجایش ہو گئی ❖
نتیجہ - پرکار کا نقطۂ مرکز جوں جوں دور رکھا جائے گا۔ دائرے کی
وسعت بڑھتی جائے گی ❖
یہاں پر ایک اور امر کو بھی نظر انداز کرنا ناواجب ہوگا۔

ان دائروں پر ایک غور کی نگاہ ڈالئے گا۔ مقام ی سب دائروں
کے لئے مشترک (ساجھا) ہے۔ اور ا ی اَ سب دائروں کا مماس
"Tangent-स्पर्श रेखा" ہے۔ دائرہ ہ سب سے چھوٹا ہے۔
دائرۂ د اس سے بڑا۔ اسی لئے چھوٹا دائرہ ہ بڑے دائرۂ د
کے اندر واقع ہے ❖
یا یوں کہو کہ نقطۂ ی کے قریب دائرہ د کا محیط خطِ مستقیم
ا ی کے اور دائرۂ د کے درمیان واقع ہے ❖
اسی بات کو اور لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ دائرۂ
د (جو دائرہ ہ سے بڑا ہے) خطِ مستقیم ا ی کی طرف نسبتاً
زیادہ مائل ہے ❖
یا دائرہ ہ کی نسبت بڑے دائرے د کا میلان سیدھی لکیر
ا ی کی طرف زیادہ ہے ❖
اور چھوٹے دائرے کی نسبت بڑے دائرے کا خطِ مستقیم
سے انحراف کم ہے ❖
یعنی (بالفاظ دیگر) دائرۂ د جو بڑا ہے۔ اس کا خم (ٹیڑھا پن
انحناء - वक्रता - curvature) کم ہے۔ بہ نسبت چھوٹے دائرہ ہ کے

خم (انحناء) کے۔ اور نقطۂ ھی کے قریب بڑا دائرہ چھوٹے کی نسبت
خطِ مستقیم کے زیادہ مشابہ ہے ٭ علیٰ ہذاالقیاس دائرہ جؔ کا
انحناء (curvature۔) دائرہ دؔ کے انحناء سے بھی کم ہے۔
اور ج دائرہ دؔ سے بھی زیادہ خطِ مستقیم سے اتحاد اور مشابہت
رکھتا ہے۔ اِسی اصُول پر خطِ مستقیم سے اتحاد اور مشابہت رکھنے میں
دائرہ بؔ دائرۂ جؔ کو بھی مات کر گیا ہے ٭
نتیجہ۔ مقام ھی پر ایک گونہ یکلگیری کے لئے اپنے بازوؤں کو دائیں
بائیں پھیلا دائرۂ محبّت جُوں جُوں بڑھے گا تُوں تُوں اُس کا
محیط خطِ مستقیم کے زیادہ متشابہ ہوتا جائے گا ٭
اِن ہر دو نتائج کو مِلانے سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ جُوں
جُوں مرکز آگے کو ترقّی کریگا۔ دائرہ کی وُسعت زیادہ ہوتی
جائے گی۔ اور سیدھی لکیر (جادۂ مستقیم یا راہِ راست) سے اُسکی
مشابہت (یگانگی) بڑھتی جائے گی ٭
آخرش مرکز جب لا انتہا (infinite۔ انٹن) فاصلہ پر پہنچا تو
وُسعتِ دائرہ کی پیمایش کرنا انسان کی قُدرت سے بعید ہُوا۔
اور ھی کے اِرد گرد محیط کے حال چال کی سُدھ لی تو کایاپلٹی
ہُوئی پائی۔ سیدھے الف کی صُورت نظر آئی۔ پُشتِ کوز (انحناء)
کو معدوم پایا۔ اور دائرے نے کشیدہ قامت بن کر سمشادِ بالا
معشوق کا جوبن دکھایا۔ یعنی مرکز کی لا انتہا دُوری پر چلے
جانے سے دائرہ خطِ مستقیم بنا ٭
مثال۔ نارنگی مدوّر ہوتی ہے۔ اُس کے مرکز میں سے گزرتا ہُوا

تراش لیا جائے تو ہمیشہ گول دائرہ ہوگا۔ خربوزے کو بھی (مرکز سے گذرنے والی مستوی سطح میں) چیرا جائے تو دائرہ ہی حاصل ہوگا۔ اِلّا چونکہ خربوزہ عموماً بڑا ہوتا ہے۔ اِس لئے یہ دائرہ نارنگی والے دائرے سے بڑا ہوگا۔ ایک بڑے ہندوانے کو لو۔ اسکو کاٹنے کی تکلیف تو کیا گوارا کروگے۔ اُس کے رُوئے سطح پر چاقو کو اِس طرح جھکاؤ کہ چاقو کی نوک کا رُخ ہر وقت ہندوانے کے مرکز کی طرف رہے۔ اور پھر اُس نوک سے ہندوانے پر لکیر کھینچے جاؤ۔ یہ لکیر بھی ایک دائرے کا محیط ہوگی۔ لیکن خربوزے والے دائرے سے یہ دائرہ بڑا ہوگا۔ کیونکہ ہندوانہ خود خربوزے سے عموماً بڑا ہوتا ہے ۔

اب زمین بھی تو نارنگی۔ خربوزہ یا ہندوانہ کی مانند مدوّر (کروی) ہی مانی گئی ہے۔ فرق ہے تو اتنا کہ زمین مقابلۃً بہت ہی بڑی ہے۔ اِس لئے کسی سطح راسی (vertical plane) میں چلتے چلتے ہندوانے کی طرح زمین پر بھی ایک لمبا خط مرتسم کرتے جائیں۔ تو علم ریاضی کی رُو سے یہ خط خطِ مستقیم نہ ہونا چاہیئے بلکہ ایک دائرے کا ٹکڑا (یا قوس) ہونا چاہیئے۔ نیز جس طرح ہندوانہ وغیرہ پر کھینچا ہوا کوئی بھی خط مستقیم نہیں ہوتا۔ گول (منحنی) ہی ہوتا ہے۔ اِسی طرح سطح زمین پر خواہ کس طور سے خط کھینچا جائے بالکل سیدھا کبھی نہیں ہونا چاہیئے۔ گول ہی ہوگا۔

معترض:۔ چہ خوب چرا نباشد؟ بچہ بھی بتادیگا کہ زمین پر سیدھی لکیریں کھنچ سکتی ہیں۔ بنانے کا تو کیا ذکر ہے۔ ابھی کھینچ کر دکھا

دلگیا۔ اور سب لوگوں کا تجربہ اِس بات کا شاہد ہے کہ سڑکیں اور بازار سیدھے (مستقیم) ہُؤا کرتے ہیں۔ یہ عجب عقل کا اجیرن (بدہضمی) ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ "بازار قوسین ہیں۔ سب کی سب سڑکیں دائروں کے ٹکڑے ہیں"۔ بچپن میں سُنا کرتے تھے یہ روایت کہ "اربعہ جیوں کا تیوں۔ کنبہ ڈوبا کیوں!"

یہاں پر وہی مثل ہُو بہُو صادق آتی دیکھ لی۔ پڑھ پڑھ کر بھی تو دماغ کیسے پراگندہ ہو جاتے ہیں! ٹھیک ہے اِس ہی

نوٹ۔ کسی نے جاڑے کے موسم میں کنبے سمیت دریا پار اُترنا تھا۔ پہلے تو اُس نے خود اکیلے ہی لاٹھی ہاتھ میں لی اور دریا کی گہرائی کو جگہ جگہ سے جاکر جانچا۔ پھر بہت وقت خرچ کرکے اربعہ (त्रैराशिक - Rule of Three) وغیرہ حساب کے قاعدوں کی مدد سے اوسط گہرائی معلوم کی۔ ازاں بعد اپنے قامت کو اور عورت بچوں کے قدوں کو ناپا۔ اور سارے کنبے کے لئے اوسط لمبائی کو تخمیناً دریافت کیا۔ یہ اوسط لمبائی دریا کی اوسط گہرائی سے زیادہ پائی۔ اور اُس لمبائی کی زیادتی کے بھروسے پر بال بچوں کو لے بیدھڑک دریا میں قدم رکھا۔ اب گو اوسط گہرائی تو اُن سب کے جسموں کی اوسط لمبائی سے کم تھی۔ اِلّا دریا کے بعض بعض مقامات پر پانی بہت گہرا تھا۔ وہاں تک پہنچے تو بچے بچارے لگے ڈوبنے۔

اُس وقت ہمارے جنونی ریاضی داں صاحب کو بچوں کے ڈوبنے مرنے کا تو چنداں افسوس ہُوا کہ نہ ہُوا۔ البتہ اپنے حساب کے اندازے پر سخت حیرت ہُوئی کہ آے عجب! "اربعہ جیوں کا تیوں۔ کنبہ ڈوبا کیوں"

پریشانیئے دماغ کے باعث تو یہ لوگ چنگے بھلے دہریہ(کیش) نظر آتے ستسار(دُنیا) کو جھوٹا قرار دیدیا کرتے ہیں۔ اور سب برہم ہی برہم بتایا کرتے ہیں۔ اور ایسے بے معنی کلمات بولا کرتے ہیں ٭

ف بسکہ در چشم و دلم ہر لحظہ اَے یارم توئی
ہر چہ آید در نظر از دُور پندارم توئی

ف بیگانہ گر نظر پڑے تُو آشنا کو دیکھ ٭ بندہ گر آئے سامنے تو بھی خُدا کو دیکھ

رام۔ پیارے! پہلے ہماری پُوری بات تو سُن لی ہوتی۔ پھر آپ خفگی بھی ظاہر کر لیتے۔ تیزی ذرا مت کرو! اس تیزی کے باعث عقل کے پیر ضرُور پھسلیں گے ٭ ہم جانتے ہیں۔ آج ان معمُولی ریاضی کے مسئلوں سے (دیدہ فرسائی کرتے) آنکھیں گھساتے گھساتے آپ قدرے تھک گئے ہیں اور اسی واسطے چیں بہ جبیں ہو رہے ہیں لیکن آپ کو ایک دفعہ یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ آپ اُس مُلک کے رہنے والے ہیں جہاں سے ریاضی کا آفتاب طلُوع ہُوا۔ آپ اُن رشیوں کی اولاد ہیں جن کے لئے high thinking (دقیق فکرانہ تحقیقات اور حکیمانہ غور و خوض) ہی meat and drink (خوراک) تھی۔ اور اُمید قوی کی جاتی ہے کہ آیندہ نہایت دقیق اور عمیق مسائل کا مقابلہ کرتے بھی آپ گھبرائیں گے نہیں ٭ لو سُنو۔ زمین پر جو خطُوط اور لکیریں کھینچی جاتی ہیں۔ دراصل دُہ قوس اور دائرے کے ٹکڑے ہی ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ

ف میرے دیدہ و دل میں ہر وقت اَے یار! تو ایسا بسا ہُوا ہے کہ جو کچھ مجھے دُور سے دکھائی دیتا ہے۔ میں خیال کرتا ہُوں کہ وہ تُو ہی ہے ٭

کُل زمین جسمت بڑا کُرہ ہے۔ اِس لئے زمین پر کے یہ خطوط بہت بڑے دائروں کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اور اِسی سبب سے یہ خطوط مستقیم کما ہوتے ہیں {سیدھی لکیریں دکھائیں} ہی نظر آتے ہیں؟ سطح زمین پر انسان کا چلنا پھرنا ایسا ہے جیسے مٹی کے کسی گول برتن (مثلاً پانی کی ٹھلیا یا گھڑا) کی سطح پر ایک کیڑی کا حرکت کرنا۔ زمین کے جن دائروں کی قوسوں پر آدمی چلتا پھرتا ہے اُن دائروں کا مرکز تقریباً چار ہزار میل کے فاصلہ پر ہوتا ہے۔ پھر وُہ قوسین خطوطِ مستقیم کی صُورت میں کیوں نظر نہ آئیں؟ یہ امر اِس اُصُول کا علی ثبوت ہے کہ جس دائرے کا مرکز لا انتہا فاصلہ پر جائیگا وُہ دائرہ خطِ مستقیم بن جائیگا۔

اے عزیز! دائرے کا خطِ مستقیم بن جانا جس طرح ریاضی داں باور کرا دیتے ہیں۔ اُسی طرح ذرا صبر و استقلال سے کام لیا تو آپ کو بیگانہ کا آشنا بننا اور بندے کا خُدا بن جانا بھی ضرور باور آ جائیگا۔

جس طرح دُنیا کے ناپائدار بکھیڑوں میں ہمّت نہیں ہارتے اِدھر (باطن کی طرف) بھی کمرِ ہمت باندھ کر رجُوع کیا تو ابدی زندگی ملے گی۔ ضرور دائم پاؤ گے۔

لہ قطرہ بگریست کہ از بحر جُدائیم ہمہ ۔ بحر بر قطرہ بخندید کہ مائیم ہمہ

لہ قطرہ رویا کہ ہم سب سمندر سے جُدا ہیں۔ اور قطرہ سمندر پر ہنسا کہ ہم سب پانی ہیں۔

به حقیقت دگرے نیست خدائیم ہمہ ٭ لیک از گردش یک نقطہ جدائیم ہمہ[1]

زندگی

کی عام پہچان (characteristic) ہے حرکت دچستی (activity) (energy)

زندہ انسان (زورِ بازو سے) سب کچھ کر سکتا ہے۔ کوٹھے پر چڑھتا ہے۔ ثماروں میں اترتا ہے۔ اچھلتا ہے۔ کودتا ہے دوڑتا ہے۔ بلکہ اپنے بل سے اِرد گرد کی اشیاء کو حرکت میں ڈالتا ہے ٭ مردہ اِنسان کا نہ ہاتھ حرکت کر سکتا ہے نہ پیر۔ نہ آنکھ کان اور نہ کوئی اور عضو۔ اُس کی نبض حرکت نہیں کرتی۔ اُس کا سانس حرکت نہیں کرتا ٭ اور چونکہ مُردے سے کسی قسم کی حرکت ظہور میں نہیں آ سکتی۔ اُس میں زندگی کا نام و نشان بھی نہیں ٭

زندہ حیوان آپ چلتا ہے۔ بگھی رتھ وغیرہ کو چلاتا ہے کسان کا کنواں (رہٹ) چلاکر کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔ عرب کے ریگستان میں اسقدر کام آتا ہے کہ "جنگل کا جہاز" نام پاتا ہے۔ بنگال کے بعض بنوں میں جب نعرہ مارتا ہے (زور سے گرجتا ہے) تو بَن کے تمام جانوروں کو چاروں طرف دَوڑا دیتا ہے۔ تیز حرکت میں ڈال دیتا ہے ٭ مُردہ حیوان بیچارا خود حرکت کرنا۔ یا اَوروں میں حرکت ڈالنا تو درکنار۔ کُتّوں۔ چیلوں اور ذرا ذرا سی (زندہ)

---

[1] حقیقت میں کوئی دوسرا نہیں۔ ہم سب خُدا ہیں۔ لیکن ایک نقطہ کی گردش سے ہم خُدا سے جُدا ہوگئے ہیں ٭

کیڑوں کی خوراک بن جاتا ہے ؂

زندہ نباتات بڑھتے ہیں۔ پھیلتے ہیں۔ شاخیں چھوڑتے ہیں۔ اور بیج پیدا کرتے ہیں۔ جن کی بدولت اپنے ہم جنس پودوں سے زمین کو مالا مال بناتے ہیں۔ غرض حرکت کرتے ہیں۔ اور حرکت سے برکت پاتے ہیں ؂ مُردہ نباتات (کاٹے ہُوئے درخت وغیرہ) کیا بڑھیں گے۔ کیا ترقّی کرینگے؟ اُن میں حرکت ظاہر ہوتی تو مُردہ کیوں ہوتے؟ "حرکت" (energy) کا ظہور مخلتف جانداروں میں مختلف درجے کا ہے۔ ذرا غور کرنے سے معلُوم ہوگا کہ کائنات (نیچر) میں جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ اور انسان کے پست و بلند مراتب میزانِ "حرکت" میں تول کر مقرّر کئے گئے ہیں۔ زندگی کے اعلیٰ اودنیٰ مدارج سب "حرکت" ہی کے معیار سے پرکھے جاکر قرار پائے ہیں۔ اور "حرکت" ہی کے محک نے انسان کو اشرف المخلوقات ٹھیرایا ہے ؂

جمادات (پتھر وغیرہ) عام خیال کے مُطابق انسان حیوانات یا نباتات کی طرح خود بخود کوئی حرکت نہیں کرسکتے۔ نہ بڑھتے ہیں نہ اولاد پیدا کرتے ہیں۔ نہ چلتے پھرتے ہیں۔ نہ اُچھلتے کوُدتے ہیں۔ بالکُل inert (جڑ) ہیں۔ اگر بیرُونی طاقتوں کے بس پڑ کر ایک دفعہ قائم ہو جائیں تو سدا قائم رہیں گے۔ اور اگر بیرُونی طاقتوں کی بدولت جُنبش میں آجائیں تو جُنبش میں رہیں گے (بموجب نیوٹن کے پہلے قانُونِ حرکت کے) ؂ اپنے آپ تجرات وغیرہ میں حالت بدلنے یا کسی قسم کا اظہارِ حرکت کرنے کی کچھ بھی قُدرت

نہیں ہوتی۔ پس اِسی لئے بالکل بیجان (inorganic) کہلاتے ہیں۔ اور زندگی کے زینہ میں سب سے پچھلے پتھر کا درجہ پاتے ہیں ؛

بعض اشخاص کا قول ہے کہ طبقاتِ زمین۔ پہاڑ۔ کانیں۔ وغیرہ یا دیگر خاص جمادات خود بخود اپنی حالت بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن اسقدر کم کہ صدیاں گذر جانے پر جو تبدیلی اِن میں واقع ہو وہ بصد مشکل انسان کو محسوس ہو سکے۔ اِس مقولہ کو راست مان کر خاص جمادات کو اگر ہم "زندگی والے" (ذو ماده) کہہ بھی دیں تو مُوافق اُنکی اندرُونی حرکت کے نیچر (خاصہ) کے اُن کو ادنیٰ ترین درجے کی زندگی والے ماننا پڑے گا ؛

ہاں ! دربارِ زندگی میں نباتات کا حاشیہ نشین ہونا عمُوماً سب لوگ تسلیم کر لیتے ہیں ؛ جمادات سے نباتات کی فضیلت کا سبب دریافت کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُنکی اندرُونی حرکت مقابلۃً اعلیٰ نیچر کی ہے ؛ نباتات پھلتے ہیں۔ پھُولتے ہیں۔ سرسبز ہوتے ہیں۔ سایہ دیتے ہیں۔ بھینی بھینی خوشبو دیتے ہیں۔ مزیدار میوے دیتے ہیں وغیرہ۔ جمادات میں اِن میں سے ایک بات بھی کہاں ؟

زندگی کی جماعت میں حیوانات کا نمبر نباتات سے اُوپر ہے۔ اِسکا باعث ظاہر ہی ہے۔ کہ حیوانات کی اندرُونی حرکت اعلیٰ تر نیچر کی ہے۔ حیوانات نہ صرف نباتات کی مانند دن بدن بڑھتے ہیں اور موٹے ہوتے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ سے دُوسری جگہ جا سکتے ہیں۔ سمندر کی تہ کی خبر لاتے ہیں۔ آسمان کی سیریں کرتے ہیں۔

چہچہاتے ہیں۔ گاتے ہیں ٭ یہ باتیں نباتات کو کہاں نصیب ؟
انسان حیوانات پر شرف رکھتا ہے۔ اِس سے غالباً کسی
انسان کو انکار نہیں ہوگا۔ گو وجہ ہر فرد بشر کو معلوم نہ ہو۔
جو یہ ہے کہ انسان میں اعلیٰ ترین نیچر والی حرکتِ ارادی (اندرونی)
ظاہر ہوتی ہے ٭ بیرونی طاقت سے پتھر وغیرہ جمادات کی مانند
انسان کا جسم اُچھالا جا سکتا ہے۔ اور گرایا یا پھینکا جانا ممکن
ہے۔ نباتات کی مانند انسان کا قد و قامت دراز ہوتا ہے۔ بدن
فربہ ہوتا ہے۔ حیوانات کی مانند آدمی ایک جگہ سے دُوسری جگہ
جا سکتا ہے۔ دوڑ سکتا ہے۔ گا سکتا ہے۔ لیکن اِسی پر اکتفا نہیں
ہے۔ انسان کی عظمت اُس شریف ترین حرکتِ اندرونی (چیتنتا) پر
مبنی ہے جو موجودات میں اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ جس کی
بدولت انسان ریل کو یہ سُرعت عطا فرماتا ہے کہ مہینوں کی
منزلیں گھنٹوں میں طے کر جاتی ہے۔ جسکی بدولت برق تیز
رفتار کو چپراسی بنا کر ہزاروں کوسوں پر بیٹھے ہُوئے دوستوں
کی خبریں سیکنڈوں میں منگا سکتا ہے۔ اور سریع السیر غبارے
تیار کر ہوا کی پُشت پر ایک گوشہ زین و پالان جما سکتا ہے
جس کی بدولت ایک جگہ بیٹھے بٹھائے فلک الافلاک (عالمِ عُلوی)
کی سیر کر آتا ہے۔ اور چاند۔ سُورج۔ عطارد و مُشتری وغیرہ اجرام
فلکی کی حقیقت کو پہنچ جاتا ہے ٭ غرض حیاتِ انسان کو شرف
دینے والا انسان کے اندر کا چشمۂ حرکت ہے ٭ فرشتے (دیوتاگن)
اپنے معتقدوں کے خیال کے مُطابق اِس قسم کی زندگی

والے ہیں کہ جہاں چاہیں فی الفور موجود ہو جاتے ہیں۔ ابھی آسمان پر تھے۔ ابھی کسی کے یاد کرنے سے زمین پر آ حاضر ہوئے +
ماضی مستقبل اور حال کے regions (علاقوں میں) بلا روک ٹوک داخل ہو سکتے ہیں۔ خیال سے بھی زیادہ تیز گام ہیں +
اُنکی حرکت اعلیٰ ترین نیچر (قسم) کی ہونے کے باعث وُہ اعلیٰ ترین زندگی والے ہیں +

نتیجہ۔ زندگی کا ثبوت "اظہارِ حرکتِ اندرُونی" ہے۔ اور اِس حرکت کے اعلیٰ یا ادنیٰ نیچر (قسم) پر زندگی کا اعلیٰ یا ادنیٰ ہونا موقُوف ہے +

صُورتِ انسان میں جمادات

ڈاکٹروں نے ثابت کیا ہے کہ جب آدمی ماں کے شکم میں ہوتا ہے اُس کا جسم درجہ بدرجہ کئی ادنٰی حیوانات کی صُورت قبُول کرتا ہے۔ سب سے آخر میں انسان کی شکل اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ کیلگ (Kellogg) صاحب جیسے مشہُور و معرُوف ڈاکٹر کا قول ہے

During the period of pregnancy, the ovum undergoes a most remarkable series of changes, passing through various stages of development, in some of which it resembles in the most wonderful degree various lower forms of animal life. At one period the developing

human being, technically called a foetus, resembles not very remotely a partially developed chick from an egg which has been incubated for a few days. At another period, the resemblance of the foetus to that of a dog of different age is so great that any but an experienced physiologist might readily be deceived. At one time, the extremities of the foetus resemble very closely the stunted flippers of a Seal or Walrus. At a certain period its body is entirely covered with hair, like its near relative in the animal-kingdom, the ape.

ترجمہ- ایام حمل میں نطفۂ انسانی میں متواتر نہایت عجیب و غریب تبدیلیاں ہوتی ہیں اور وہ نشو و نما کے مختلف درجوں میں سے گزرتا ہے۔ بعض درجوں میں تو وہ نہایت تعجب خیز حد تک حیوانی زندگی کی ادنیٰ اشکال سے مشابہ ہوتا ہے۔

یہ ظاہر ہونے والا دنشو و نما کرتا ہوا) انسان جو اصطلاح میں فیٹس نام سے نامزد ہوتا ہے۔ ایک وقت ایسے ادھورے مرغی کے بچے سے بہت کچھ ملتا جلتا ہوتا ہے جو چند دن ہی سے سہا گیا ہو۔ دوسرے وقت اس کی مشابہت مختلف عمر کے کتوں سے اسقدر زیادہ ہوتی ہے کہ سوائے تجربہ کار ڈاکٹر کے اور سب اسکے امتیاز کرنے میں دھوکا کھا جاتے

بعض نازک مزاج اصحاب کو تو ڈاکٹر کیلاگ صاحب کی یہ تحریر
بھی ناگوار گزری ہوگی۔کیونکہ اِس تحریر سے اُن کی کسوتِ پاک اِنسانی
کا جامہائے حیوانی کے ساتھ سخت مناسبت رکھنا ثابت ہوتا ہے۔لیکن
ہائے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کسوتِ اِنسانی دامتم مُنشارو یہ)
کے اندر جمادات کی زندگی والے۔نباتات کی زندگی والے۔اور حیوانات
کی زندگی والے کثرت سے موجود ہیں۔افراط سے پائے جاتے ہیں؟
البتہ یہ خوشی کی بات ہے کہ جامۂ انسانی میں انسان بھی ضرور
ہوتے ہیں۔لیکن خال خال۔ اور اِس میں بھی کچھ شک نہیں کہ انسانی
لباس میں فرشتے بھی رہا کرتے ہیں۔ گوہ شاذ و نادر۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ پتھر۔ ٹھیکری وغیرہ (حجرات جمادات) کا
خاصہ inertia (جڑتا) ہے۔اپنے آپ اپنی حالت ذرا نہیں بدل
سکتے۔اُن کے سکون و حرکت کا مُوجب بیرونی طاقتیں ہُوا کرتی ہیں
ان بالکل بیجان جمادات میں موتی۔ لعل۔ رُوپا۔ ہیرا۔ وغیرہ بھی
داخل ہیں۔ جن کو نہایت قیمتی مانا جاتا ہے۔ تیر۔تلوار۔ بندوق
اور توپ کے گولے بھی جڑ بیجان و بے حس جمادات کے
زُمرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ گو غیروں سے چلائے جاکر یہ اوزار
بڑے بڑے شہ زور بہادروں کو بے جان کر دینے کی قُدرت

ہیں ایک اور وقت میں اُس فیتس کے تمام سرے رِیل یا والرس مچھلی کے ٹھٹھرے ہوئے
(یا چھوٹے بند) پروں سے بہت ہی زیادہ مُشابہ ہوتے ہیں۔ایک خاص وقت پر اُس کا
جسم بالوں سے بالکل ڈھکا ہُوا ہوتا ہے۔جیسا کہ حیوانات میں اُسکے قریبی رشتہ دار
لنگور کا ڈھکا ہُوا ہوتا ہے ÷ (ڈاکٹر کیلگ)

رکھتے ہیں۔ لیکن بیجان جمادات کو نہ تو ہیرے موتی کی صورت میں کمال نصیب ہوتا ہے۔ نہ تاج اور توپ کی شکل میں۔ بلکہ صورت پاک انسان میں ۔ اِس (رشکِ فرشتگان) شکلِ انسانی میں جمادات نمودار ہوکر راج دربار کے ست بچنتے اور خوشامدی بن اپنے لواحقین کو اُس ٹکیا کی طرح گول گول سفید سفیا چیز (روپیہ) سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ اور غیر طاقتوں سے تیر اور توپ کی طرح چلائے جاکر بیچارے زخمی بھارت ورش کو اور بھی گھائل کرتے ہیں۔

واقعی وہ اصحاب جو (mere ornaments) خالی گہنوں کا کام دیتے ہیں۔ لیکن اندر (حقیقی) جان نہیں رکھتے (جسکی بدولت بیرونی اثروں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ خارجی اشیا سے کام لیا جاتا ہے۔ اور جس کی بدولت اصلی ترقی کی جاتی ہے) وہ اگر جماوات کی زندگی والے نہیں ہیں تو اور کیا ہیں ؟ ان میں نام کو بھی faith Self (اپنے پر وشواس یا شورما پن) نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کا کوئی خاص عزم یا مقصد زندگی میں ہوتا ہے۔ جدھر کی ہوا آئی اودھر اُڑا لے گئی۔

معترض۔ ذی وقاروں اور عالیجاہوں کو گالیاں دیتے ہو۔ تم پر لائبل (ہتک عزت) کا دعویٰ کیا جائے گا۔

راقم۔ بے جان پتھر خواہ کیسے ہی قیمتی ہوں نالش دالش نہیں کرسکتے۔ اور نالش کریگا کون ؟ آتشی شیشے میں منہ دیکھتے دیکھتے لقوہ دور ہو جایا کرتا ہے۔ ویسے ہی اس "ا" کو پڑھتے پڑھتے تو انکی حالت بدل جاتی ہے۔ ان میں جان آ جاتی ہے۔ جماوات پن دور ہو جاتا ہے۔ وست بچھیاپن" کافور ہو جاتا ہے۔ کچہری تک پہنچتے پہنچتے مدعی سے

خود مدعا علیہ بن جائیں گے۔ پھر دعویٰ کیسا؟

جمادات کی سیرت والے انسان صورت خاص اشخاص کو اگر با زندگی تسلیم بھی کیا جائے تو جمادات کی مانند اُن کی زندگی کو اُس ادنیٰ ترین حرکت والی ماننا پڑیگا۔ جس حرکت کا ہونا نہ ہونا مساوی ہے جس حرکت سے ظاہر کچھ بھی ترقی نہیں ہوتی۔ جو حرکت کھلاڑی بچے کے گھومتے ہوئے لٹو (پھرکی، بھنبیری۔ top) میں ہوا کرتی ہے جس dead motion (مردہ حرکت) کا centre (مرکز) چھوٹے سے جسم کے باہر نہیں ہوتا ۔ اس حرکت والے جمادات انسانوں کے جیون چکر (دائرۂ زندگی) کو ہم د پہلے صفحہ پر کے چھوٹے سے چھوٹے دائرہ ہ سے تعبیر (represents) کر سکتے ہیں۔ یعنی اُس دائرے سے جتا سکتے ہیں جو اس قدر قلیل ہے کہ گویا صفر (शून्य) ہی ہو گیا ہوا ہے ۔ یہ وہ صاحب ہیں جن کا centre of force (مرکز حرکت) اُن کے چھوٹے سے جسم (تن) ہی میں ہے۔ یعنی جو اپنے پیارے پیٹ ہی کے گرد گھومتے ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں سب اپنے material self (مادی جسم) ہی کی خاطر کرتے ہیں۔ جن کی سمست چیشٹا اپنے اُدر ہی کے ارپن ہوتی ہے (शिश्नोदरपरायणाः)۔ جن کا پرمیشور (معبود) اُن کا پیٹ (شکم عزیز) ہی ہے۔ جن کا دین و مذہب (Religion) ہے خود غرضی۔ جن کے یہاں Temple of God (جسم) میں نفس امّارہ (شیطان) بے کھٹکے راج کرتا ہے۔ جن کے اندھکار سے بھرے من مندر (خانۂ دل) کو تنگ و تاریک بل سمجھ کر اس میں کام کرودھ روپی ناگ (سانپ) رات دن پھنکارے مارتے ہیں - اور زہر

بگھارتے دگھوستے) رہتے ہیں۔ اِن کو "پیٹ پالو" یا "شکم پرور" نام دیا جاتا ہے ؎

معترض۔ کسی زمانے کی کوئی تاریخ یا کسی مُلک کا کوئی جُغرافیہ "خود غرضی" کو مذہب یا د religion) سے موسُوم نہیں کرتا۔ کسی دھرم شاستر دیا قانُونی کتاب) سے یہ انوکھی بات واضح نہیں ہوتی۔ تُم بھی عجب من گھڑت (कपोलकल्पित) شگوفے اُڑاتے ہو ؎

رام۔ واہ پیارے! ہاں ہاں! اِسی پر کیا بس خاتمہ ہے؟ "ا" کو پڑھتے رہے تو دیکھو گے کہ ساری دُنیا دہیں۔ تو۔ یہ۔ وُہ۔سب) رام کی من گھڑت ہی ہے ؎

نہ نقشِ دُوئی دِل سے مِٹاؤں تو سہی
مخلُوق کو خالق نہ بناؤں تو سہی
قطرہ نہ اناالبحر کہے تو کہنا
عابد سے نہ معبُود بناؤں تو سہی

"مذہب" سے ہماری وُہ قوم یا مِلت مُراد نہیں جو مقدمہ بازی کے وقت لوگ Law Courts (عدالتوں) میں عرضی دعوی پہ لکھوایا کرتے ہیں۔ بلکہ "مذہب" سے ہماری مُراد ہے وُہ یقین دوشواش۔ اعتقاد) جو لوگوں کے تختۂ دل(heart- हृदय) پہ قیام پذیر ہو کر خون کے ساتھ اُن کے رگ وپے میں جوش مارتا ہے۔ اور مُہر بن کر اُنکے تمام اعمال و خیالات پر ثبت ہوتا ہے ؎ وُہ living force (زندہ طاقت۔ نتیجہ)

کسی آدمی کا اصلی مذہب ہوتی ہے۔ جس کی روشنی میں وہ باقی سب کام کرتا ہے۔[1]

The thing a man does practically believe (and this is often enough without asserting it even to himself, much less to others), the thing a man does practically lay to heart and know for certain, that is in all cases the primary thing for him, and creatively determines all the rest. That is his <u>religion</u>. (Carlyle)

کیا وہ رکابی مذہب رگیدی ہندو یا برہمن یا وشنو یا آریہ۔ یا ویدانتی وغیرہ کہلانے کے لائق ہے جو "چل میری لکڑی رنگ بدل جا" کا مصداق ہے۔ اور کسی انگریز بہادر یا کسی غیر مت کے influential (رعب داب والے) صاحب کے رو برو

---

[1] مطلب:۔ کسی شخص کا جو کچھ عملی یقین (نشچہ) ہوتا ہے (اور یہ یقین اکثر کرکے اپنے آپ کو بھی بغیر بتائے یا ظاہر کئے کے ہوتا ہے۔ اَوروں کا تو بھلا کیا ذکر) اور جس یقین (اعتقاد) کو انسان عملاً اپنے دل نشین کرتا ہے۔ اور پختہ یقین سے جانتا ہے وہ عملی اعتقاد ہی تمام حالتوں میں اُس کے لئے ابتدائی بات (امر) ہوتا ہے۔ اور باقی تمام حرکات و افعال کو پیدا کرتا ہے۔ ایسا عملی اعتقاد (نشچہ) ہی اُس (انسان) کا religion (مذہب یا ایمان) ہوتا ہے۔

(کارلائل)

جھٹ اپنے (برائے نام) عقیدے سے اِنکار کر جاتا ہے۔ بھلا اتنی moral courage (اخلاقی جرأت) تو کہاں کہ اپنے اعتقاد کا صاف الفاظ میں اِقرار کرنے نہ شرمائے؟ کسقدر کثیر تعداد ایسے ہندو و مسلمان۔ عیسائیوں کی ہے جو زبان سے خُدا کو حاضر و ناظر ماننے والے ہیں۔ کُلِّ شئیٍ محیط (سرب بیاپی) بیان کرتے ہیں۔ مندروں میں۔ معبدوں میں۔ لیکچروں کے وقت اور وعظ کے وقت اپنا تن من دھن پرمیشور کے اَرپن کر دیتے ہیں۔ لیکن جب ذرا عورت کا۔ حویلی کا۔ روپیہ کا۔ یا نوالہ و پیالہ کا مُنہ دیکھا۔ تو ہائے! اُس مُنزّہ (پاک - pure) پرمیشور کی آنکھوں میں نُوں ڈال کر تن بھی اُس سے چھین لیا۔ من بھی چھین لیا۔ زر پر اور زمین پر اپنے بھائیوں سے لڑائیاں اور مقدّمے شروع کر دیئے۔ کسی زن کے ساتھ آنکھیں چار ہوئیں۔ تو حاضر و ناظر وحدہٗ لاشریک خُدا دھرا ہی رہ گیا۔ کسی ڈپٹی کمشنر صاحب یا اَور اعلیٰ حاکم کی حاضری میں اگر ہوتے تو گُربۂ مسکین بنے رہتے۔ جانو۔ مُنہ میں زبان ہی نہیں۔ لیکن حاضر و ناظر حاکم الحکّام ایشور بھگوان (جس کو نہ صرف قیصرِ ہند۔ خاقانِ چین۔ زارِ رُوس کا مالک مانتے ہیں۔ بلکہ ساری زمین۔ تارے۔ سیّارے۔ سُورج اور چاند کا بادشاہ بیان کرتے ہیں) اُس سرب شکتی مان (omnipotent - قادرِ مُطلق) بھان کی حاضری میں ناکردنی اور ناگُفتنی اُمور کے مرتکب ہونے کی جرأت پڑ گئی۔ واسئے! ایسی جعلسازی اور سالوس (پاکھنڈ) سے بھرے ہُوئے ہندو مسلمان

پن-عیسائی پن یا کسی اور پن پر تین حرف دل-ع اورن)

ل واعظاں کایں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت میروند آں کارِ دیگر می کنند

کسی ایکانت استھان میں (تنہائی میں) یا رات کو سونے سے پہلے
یا رات کے خوابوں میں جو moments (خواہشیں یا خیالات)
دل میں زور کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اُن سے آدمی کے اصلی
مذہب کا پتہ ملتا ہے کہ آیا اُس کا مذہب و معبود روپیہ ہے۔
عورت ہے۔علم ہے یا سچ مچ خدا ہے ۔

مُبارک ہیں وہ جن کا اصلی مذہب وُہی ہے جو وُہ اُوپر سے
ظاہر کرتے ہیں ۔

ع سعدیا آں فدائے آں کہ زبان و دلش یکیست ۔

زبان مبارک کے حوالہ کرو ہی بابو ہر بچن پار بجارت رندو نے اس
شان فانچال وغیرہ سچے مسلمان بھگتوں کے بارے میں کیا ہی خوب کہا ہے۔

ع اِن دو چار مُسلاں پر کوٹوں ہندو واریئے ۔

وہ شخص جو sentiments (سچے دل) والا ہے وہ رام
کا نہایت زیادہ قریبی ہے بہ نسبت اُس کے جو رام کا بالکل ہم خیال
ہے۔لیکن اُس خیال کو حال میں نہیں برتتا ۔

ت من نمیگویم انا الحق یار میگوید بگو ۔ چوں نگویم ؟ بر سر بازار میگوید بگو

ل یہ وعظ کرنیوالے (اپدیشک لوگ) جو کہ محراب و منبر (مہیٹ فارم) پر رونق افروز ہوتے ہیں جب
تنہائی میں جاتے ہیں تو اور ہی کام کرتے ہیں۔یعنی ظاہر کچھ کہتے ہیں اور باطن میں کچھ اور ہوتے ہیں۔
ت میں انا الحق نہیں کہتا یار (حق) کہتا ہے کہ کہو۔میں پھر کیوں نہ کہوں وہ سر بازار کہتا ہے کہ کہو

ے کب لباسِ دُنیوی میں چھپتے ہیں روشن ضمیر
جامۂ فانوس میں بھی شُعلہ عُریاں ہی رہا

وُہ پُرش اُوپر سے خواہ ہندو ہو یا مُسلمان یا عیسائی وغیرہ۔ مذہب "خود غرضی" کا مُقلّد ہے جو صرف حظوظِ نفسانی کے لئے کمر بستہ ہے۔ جسے گھر کی پرواہ ہے نہ گھاٹ کی۔ عورت۔ بال بچّے مریں خواہ جئیں۔ ننگے رہیں۔ بھُوکے رہیں۔ پیاسے رہیں۔ اُس کی بلا سے کسی کی تعلیم کی فکر ہے نہ کسی کی تربیت کا ذکر ہے۔ اولاد تو فاقہ مستی میں کاٹے۔ اور آپ یاروں میں بیٹھکر بھنگ پوست اُڑائیں۔ گانجہ اور چرس (سُلفہ) کے دم لگائیں۔ چمن بی بی (افیون) سے صحبت گرمائیں۔

ے بھنگا پیون سوڈن بارگیں ۔ گھر دے جیون اپنی بھاگیں

لہ بہ بیں آں بے حمیّت را کہ ہرگز	نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را	زن و فرزند بگذارد بہ سختی

[2] अप्रकाशोऽप्रवृत्तिश्च प्रमादो मोह एव च। तमस्येतानि जायन्ते विवृद्धे कुरुनन्दन ॥१३॥ بھگوت گیتا۔ ادھیائے ۱۴ اشلوک ۱۳

اگر انسانی صُورت قبُول کرنے پر بھی اوصافِ جمادات میں جکڑے رہنا تھا تو بقول شاعر حجرالیہود یا کوئی قیمتی پتھر ہونا

لہ اُس بے شرم آدمی کو دیکھ وہ کبھی نیک بختی کا مُنہ نہ دیکھے گا۔ کیونکہ وُہ محض اپنے لئے آرام پسند کرتا ہے۔ اور جورُو بچّے کو مصیبت میں چھوڑتا ہے۔

[2] اے ارجن! تموگن کے بڑھنے پر جہالت۔ بیکاری۔ سُستی و غفلت یہ سب طاری ہو جاتے ہیں۔

ہزار درجے اچھا ہے ॰

۵ کسی ناجکش کو دیتے تو کچھ اُسکو سُود ہوتا ॰ دِلِ سخت کاش پتھر حجرالبھُود ہوتا

اِس مذہبِ خود غرضی کا پیرو۔ نفسِ امارہ کا غلام۔ اگر اُوپر سے امیر بلکہ شہنشاہ بھی ہو جائے تو صاحبدلوں کی نگاہ میں ڈھُور (کمینہ) ہی گِنا جاتا ہے۔ جمادات ہی کے درجے میں شمار ہوتا ہے ॰

Rome (روما) کے اقبال کا ستارہ جب عین اَوج پر تھا۔ جب وہ شہر تقریباً دُنیا بھر کا (جس قدر کہ تب معلوم تھی) پایۂ تخت تھا۔ وہاں کے اُن دِنوں والے۔ شاہنشاہانِ عالی نشان کی فہرست میں یہ نام بھی پائے جاتے ہیں ॰

Tiberius (ٹائیبریس) Caligula (کیلی گولا) Claudius (کلاوڈیس) Nero (نیرو) Vitellius (وائی ٹیلیئس) Domitian (ڈومیشین) +

یہ وُہ نام ہیں جن کو سُنتے ہی تاریخ دانوں کے سامنے وُہ کُل ناگفتہ بہ بُرائیاں اور گُناہ مجسّم ہو کر نظر آ جاتے ہیں جو دُنیا میں بُرے سے بُرا آدمی تصوّر میں لا سکتا ہے۔ جن کو بیان کرتے قلم کا جِگر پھٹتا ہے۔ جن میں سے ایک کو بھی لکھنے کا خیال ہی کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ॰ ناظرین! اگر مذکورۂ بالا شاہنشاہوں کا رُتبہ اِس شرط پر حاصل ہوتا ہو کہ اُن والی خُوء اور خصلت بھی ساتھ ضرور لینی پڑے۔ تو تھوک دو اس بادشاہی پر خاک ڈالو اس شاہنشاہی پر ॰

۱ گر فریدُوں شود بہ نعمت و مُلک ॰ بے ہُنر را بہ ہیچکس مشمار ॰

۱ بے ہُنر آدمی اگر دولت و مُلک میں فریدوں جیسا بن جائے تو بھی اُسکو ادنیٰ آدمی برابر بھی شُمار مت کر ॰

سلہ پرنیاں و نسیج بر نا اہل ٭ لاجورد و طلاست بر دیوار

او بھارت نواسی! یاد رکھ۔ تو ابتدا سے وُہ ہے۔ جسکے یہاں روپیے والے کی توقیر و عزت نہیں بلکہ virtue (نیکی والے) کی۔ جسکے ہاں اب تک بھی روپے کو نہ چھونے والا سنیاسی بباعث اپنے گیان کے نارائن روپ مانا جاتا ہے۔ اور جسکے ہاں ایک کٹیا میں رہنے والا برہنہ تن۔ پھل پھول پر گُزارہ کرنے والا غریب برہمن بباعث اپنے علم و نیکی کے دیوتاؤں کے برابر پُوجا جاتا تھا۔ نہ صرف (دولت دُنیا کے مالک) ویش لوگوں سے بلکہ (طاقت جسمانی والے زرق برق پوشاک میں مُلبس۔ جواہرات سے آراستہ پیراستہ) راجاؤں مہاراجاؤں سے ٭

بیرونی جاہ و تجمّل۔ دُنیوی کرّ و فر۔ اور چند روزہ شان و شوکت کے بدلے حقیقی سرُور (peace)۔ لازوال خوشی (شانتی) کو ہاتھ سے مت دو۔ بجھی ہُوئی قلعی (چُونے) کا چھوٹا سا گولا دیکھ اُسکی سفیدی پر دِلدادہ ہو اُس کے بدلے اپنے ہاتھ والا تازہ مکھن کا پیڑا مت بدل لو۔ پچھتاؤ گے۔ یہ چُونا کھایا ہُوا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ جگر خوُن کردیگا۔ مار ڈالیگا ٭ پیارے! جس اشتیاق سے دولتِ دُنیا کو اکٹھا کرنے میں روز و شب محنت کرتے ہو اور کچھ ہاتھ بھی نہیں آتا۔ اُسی جانفشانی سے رُوحانی ترقی کے لئے کچھ بھی وقت صرف کرو تو حیاتِ ابدی حاصل ہو جائے ٭

سلہ نالائق آدمی کے جسم پر ریشمی کپڑے ایسے ہیں۔ جیسے دیوار پر لاجورد اور سونا یعنی دیوار پر نقش و نگار ٭

ے مشتی شور پاؤں کد کرے پرکاش سو نج دھام ہے
اِس چام سے تج بیہہ تُوں اُس دھام کر بسرام سبے
اِک دمک تیری پائیکے۔سب چمکدا سنسار سبے
تک چین بہم آنند کو۔ جگ نیرتے ہوئے پار سبے
منصور سنے سُولی سہی۔پر بولتا وُہی بَین سبے
بنارہ نہ پایو خلق میں۔جب دیکھیو نج نَین سبے
عاشق لکھاویں سَین جو۔ لکھ سَین کو کر چین سبے
تُو آپ مالک خود خُدا۔کیوں جھگڑا دن رَین سبے

شکل انسان میں نباتات

نباتات اگرچہ کئی قسم کے ہوتے ہیں ناریل۔سرو۔سیب۔ انگور۔پیپل۔آک۔ڈھاک۔سنبل وغیرہ جن کی مفصل تشریح میں علم نباتات (Botany) کی ضخیم کتابیں موجود ہیں۔لیکن عام طور پر نباتات کا خاصہ ہے ایک ہی جگہ پر بڑھنا۔پھلنا پھولنا۔ اپنی species کل۔خاندان) کو قائم رکھنا۔پتے ٹہنیاں وغیرہ کافی ہوں تو مسافروں کو سایہ بھی دینا۔ اتیتھی (مہمان) کے آگئے یا مالک کی خدمت میں میٹھے یا کڑوے پھل (جیسے موجود ہوں) حاضر کر دینا۔ پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی قدرت نہ رکھنا۔اور اکثر اوقات حیوانوں یا انسان کے دست ظلم سے برباد ہو جانا۔ کاٹے جانا *

جیسے کائنات (macrocosm برہمانڈ۔ عالمِ کبیر) میں نباتات کی ضرورت ہے (ضرورت نہ ہوتی تو موجود ہی کیوں ہوتے) ویسے ہی انسانی پوشاک (microcosm - انڈ۔ عالمِ صغیر) میں بھی نباتات کی عادات و خُو والوں کی ضرورت ہے۔ لیکن بقولِ شاعر

ل؎ گرچہ کس بے اجل نخواہد مُرد ☆ تو مرو در دہانِ اژدہا ☆
ی؎ خنداں مُرو بُودن بہ از گنج و گہر بخشیدن است
تا توانی برق بُودن ابرِ نیسانی مباش ☆

اگر انسانی جامہ میں آن کر بھی نباتات (جڑ) ہی بنے رہے اور اُس آزادی کو حاصل نہ کیا جو اِس چولے میں مل سکتی ہے اور Tantalus (ٹینٹیلس) کی طرح آبِ شیریں میں کھڑے ہونے پر بھی پیاسے اور چاروں طرف لذیذ میووں کے بیچ میں رہ کر بھی بھوکے رہے۔ تو افسوس صد افسوس ہے

ع ہیرے جیسا جنم تمہارا کوڑی بدلے بیچ دیا

ناظرین! جان گئے ہونگے کہ انسانوں میں نباتات کون ہیں ☆ یہ ہیں "کنبہ پرور"۔ "خویش پرست" (قبیل دار) عام گرہستی لوگ۔ جن کے جیون کو ویش جیون سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ جن کا دائرۂ زندگی ہ سے بڑے دوسرے دائرہ D سے تعبیر ہو سکتا ہے۔ جن کی حرکتِ حیات کو کولہو کے بیل کی گردش سے مناسبت ہے۔ جن کا حقیقی

ل؎ اگرچہ کوئی آدمی بے موت نہیں مریگا۔ لیکن تو جان بوجھ کر اژدہا کے منہ میں مت جا۔
ی؎ ہنس مُکھ رہنا موتیوں کا خزانہ بخشنے سے بہتر ہے۔ جبکہ تو بجلی بن کر رہ سکتا ہے۔
(یعنی خوش مزاج رہ سکتا ہے) تو ابرِ بہار (یعنی روتی صورت) مت بن ☆

مذہب دُکانداری ہے۔ جن کو نجات کے لئے سفارش کنندہ (پیغمبر) روپیہ ہے۔ جن کا گورو (مُرشد) عورت ہے۔ اور جن کے واسطے اصلی معبود (ایشٹ دیو) خود نمائی شیخی - vanity) ہے۔ اِن لوگوں کا دائرۂ زندگی پیٹ پالوؤں سے بہت زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ "پیٹ پالو" تو صرف اپنا ہی پیٹ پالتا ہے۔ قبیل دار تمام کنبے کی پالنا (پرورش) کرتا ہے۔ آپ بھوکا رہ کر دُکھ جھیل کر کُنبے کی سیوا کرتا ہے ؛

پیٹ پالو کی محبت کے بازو اسقدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ بچارا تنہا جب چھاتی کے سامنے بغل گیری کے لئے اُلفت کے بازو پھیلا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو چھوتا ہے۔ تو (اور کسی کو اپنے دائرۂ محبت میں لے آنا تو درکنار) بمشکل اپنی چھاتی کے عرض کو ناپتا ہے۔ قبیل دار کسی قدر وشال باہو (درازِ بازو) ہوتا ہے۔ بال بچوں کو اپنی آغوش میں لے سکتا ہے ؛ جیسے کولھو کے بیل والے دائرے میں چکّی (لٹو) والے دائرے تعدادِ کثیر میں سما سکتے ہیں۔ ویسے ہی "کُنبہ پرور" کا احاطۂ فیض کئی ناطاقتوں کو پناہ دیتا ہے ؛ لٹو کی نسبت بیل نہایت زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ ویسے ہی "پیٹ پالو" کی نسبت "کُنبہ پرور" کا دم غنیمت ہے ؛ نباتات کے ذکر میں کسی نے کہا ہے ؛

سے ہے نہ ایسی پریت کر جیسی برچھ کرے
دھوپ سہے سر اپنے اور، اوں چھاؤں کرے

انسانی نباتات (वनस्पति)، بھی بہت کچھ اِس تعریف کے قابل ہیں۔ نیز ملک کے حُسن و خوبی کو بڑھاتے ہیں ؛

طرح ہم جماعت طالبعلموں کے ایک گروہ کو امتحان عبور کرا آئے۔ پھر
اسی ناؤ میں دوسرے گروہ کو پاس کرانے آ جائے۔ اور پھر
تیسرے گروہ کو علیٰ ہذا۔ تو وہ شخص نالائقوں کے زمرے میں
گنا جائیگا۔ مایوسی اور بے عزتی سہے گا۔ ویسے ہی کولیش بدھی والا
آدمی (کنبے کا غلام) اگر گھر کی چار دیواری ہی میں اپنی دولتِ دل دفن
کردے اور محبت کا احاطہ وسیع نہ کرے تو ذلت اُٹھائیگا۔ دکھ پائیگا ❊
دائرۂ د کی طرف دھیان کرکے دیکھ لو۔ تھوڑے سے رقبہ کو
گھیرے ہوئے ضرور ہے۔ لیکن باقی تمام روئے کاغذ کی جانب
پیٹھ موڑے ہوئے ہے۔ تھوڑی سی سطح کو include (شامل)
کرتا ہے۔ تو باقی تمام دنیا کو exclude (خارج کرتا) ہے۔
یہی حال (آگے ترقی نہ کرنے والے) دائرۂ خانہ داری میں مقید
کا ہے۔ بال بچوں کی پرورش ضرور کرتا ہے۔ لیکن محکمۂ کمسریٹ
میں۔ محکمۂ بندوبست میں۔ محکمۂ انجینیرنگ میں۔ ڈاکٹر کے لباس
یا وکیل کی صورت میں یا جب آفس (دفتر) میں ہو اپنے
ہمجنسوں کے خون میں ہاتھ رنگنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔ جسے
کام پڑ جائے اُن کے گلے کاٹنے کو خوب مستعد رہتا ہے۔ اگر باقی
گھر اُجڑتے ہیں تو بلا سے۔ یہ رشوتیں لے لے کر اپنے گھر کو کسی
امیر کے مقبرے (یا سماوھ) کے برابر اونچا ضرور بنائیگا۔ جن لوگوں
کو اِس سے پالا پڑ جائے اُن کی عورتوں کے چہرے غم سے
مُرجھاتے ہیں تو کیا ڈر ہے۔ یہ اُنکے زیورات بکوا کر اپنی بیوی
کے رُخ کو سونے سے بالضرور سجائے گا۔ اُسے زرد رُو بنائیگا ❊ اپنی

رُوح پست ہوتی جائے۔ اور متواتر سُکڑتی جائے تو کیا پرواہ ہے یہ غیر
منقولہ جائداد کو ضرور ہی بڑھائیگا۔ مکان کو بلند بنائے گا۔ ہیہات ہات!

ع بریں عقل و دانش بباید گریست[1]

اسی بند خانہ میں زیادہ مدت محبوس رہنے سے امراضِ چوری۔ ٹھگی۔
رہزنی وغیرہ میں مُبتلا ہو جاتا ہے۔ ساہُو کاروں وغیرہ کا خُون کرنا بھی اِسی
اِسکول میں سیکھتا ہے۔ کیوں نہو کہ بُو فساد کی آتی ہے بند پانی میں!
باوُجُود محنتِ شاقہ اُٹھانے کے وہاں کا وہیں رہنے اور ترقی نہ کرنے
میں کولہو کا بیل مشہور ہے۔ بیل پر یہ پنجابی مثل صادق آتی ہے۔
"بھون چُون کے اُگو دے چک"۔ ٹھیک یہی حال دُنیا دار (پابندِ
اہل و عیال) کا ہے۔ بیچارہ بیل کی طرح محنت کرتا ہے۔ رات دن
دفتروں یا دُکانوں میں بصیرت پر چشم پوش ڈالے کولہو چلاتے
جاتا ہے۔ یہ کچھ پتہ نہیں کہ اِس کولہو چلانے سے کیا حاصل ہوگا۔
کہاں جا رہا ہُوں۔ کیا بنا رہا ہُوں وغیرہ۔ ہاں جب آنکھوں پر سے
موت کے وقت پردہ ذرا اُٹھے گا تو دیکھے گا کہ ہائے! ہائے! رات دن
محنت کرتے کرتے مر مٹے۔ سمجھتے تھے کہ بہت مسافت طے کر چکے ہونگے۔
لیکن اپنے تئیں وہاں کا وہیں پایا۔ کچھ نہ ترقی کی۔ وائے حسرتا!
ہائے حسرتا! کچھ نہ کر سکے! کچھ نہ بنا سکے! اُس وقت رونا
اور دانت پیسنا ہوگا۔ جان بھی عذاب ہی میں نکلے گی۔

[2] جاں بہ جاناں دِہ وگرنہ از تو بستاند اجل

---

[1] ایسی عقل و سمجھ پر رونا چاہیئے۔ [2] جان اپنے پیارے (معشوق) کو دے۔ نہیں تو
موت مجھ سے اسے ضرور لے لیگی۔ اے دل تو خود انصاف کر آیا یہ اچھا ہے یا وہ اچھا ہے

خود تو منصف باش اے دل ایں نکو یا آں نکو

او قبیلے کے پھندے میں گرفتار!

ع آرام کی نہیں ہے یہ جا۔ ہاں بڑھے چلو۔ ہاں بڑھے چلو ❊

مخالفت کے لئے پھیلنے والے بازو دراز کرو۔ اپنے دائرۂ محبت دہریم (fellow-feeling) کو وسعت دو - بڑھو، اور بڑھو حتٰی کہ زندگی کو تعبیر کرنے والا چاروں طرف سے محدود دائرہ پھیلتے پھیلتے غیر محدود وسعت کو قبول کرے۔ اور خطِ مستقیم بنجائے۔ اور تمہاری زندگی بھول بھلیاں سے نکل کر سب کو راہِ راست دکھائے۔ آگے بڑھو! آگے بڑھو۔ حتٰی کہ دُنیائے بے ثبات کا "آگے پیچھے" بالکل لایعنی ہو جائے ❊

ب्रह्मैवेदममृतं पुरस्ताद् ब्रह्म पश्चाद् ब्रह्म दक्षिणतश्चो-
त्तरेण। अधश्चोर्ध्वं च प्रसृतं ब्रह्मैवेदं विश्वमिदं
वरिष्ठम् ॥११॥ (اتھرب وید۔ منڈک اُپنشد۔ ادھیائے دُوسرا۔ کھنڈ ۲۔ منترا۱)

[2] اندروں وبیروں توئی اے دوست ❊ در چپ و راست زیر و بالائی ❊

آگے چلو! آگے چلو! حتٰی کہ "چلنا پھرنا" بے معنی ہو جائے۔

तदेजति तन्नैजति तद्दूरे तद्वन्तिके तदन्तरस्य
सर्वस्य तदु सर्वस्यास्य बाह्यतः ॥५॥ (یجروید۔ ایشا واسیہ اُپنشد)

ہم چل ہیں ہم چل ہیں ناہیں۔ ہم نیڑے ہم دُور
ہم ہی سب کے اندر جانی۔ ہم ہی باہر نُور

[1] برہم ہی یہ امرت رُوپ سامنے ہے۔ برہم ہی پیچھے ہے۔ برہم ہی دائیں اور بائیں ہے۔ نیچے اور اُوپر (دونوں) پھیلا ہُوا ہے۔ برہم ہی یہ سب کچھ ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ ترین ہے۔

[2] اندر باہر دائیں بائیں اور اوپر نیچے اے دوست تو ہی ہے ❊

ملہ مستم کن آنچناں کہ ندانم زبیخودی ٭ در عرصۂ خیال کہ آمد کدام رفت

آگے چلو !۔ آگے چلو ! حتٰی کہ گردش میں سرگردان وحیران کرنے والے دوائر سے بچ کر راہِ راست میں چلنے والے سورج کی زندگی پاؤ۔ نُور ہی نُور بن جاؤ۔ اور یہ حالت آجائے

क्वचात्मा क्वच वानात्मा क्व शुभं क्वाशुभं तथा।
क्व चिन्ता क्वच वाचिन्ता स्वमहिम्निस्थितस्य मे॥ (اشٹاوکر گیتا)

ترجمہ
ہے کہاں ذات اور کہاں ہے غیر ذات
کیا بُرائی ؟ کونسی خُوبی کی بات ٭
فکر کیسی مجھ کو ؟ بے فکری کہاں ؟
مست اپنے نُور میں ہُوں محو ذات

پیارے ناظرین ! ایک جھُوٹے - فرضی ناپائدار سرائے سے یہ محبت کہ اصلی گھر کو بالکل بھُول بیٹھا ! یہ بھولا پن چھوڑو۔ اصلی گھر بیخ دمام کو مُنہ موڑو۔ اصلی حُبِّ وطن کو کھومت دو ٭

ملہ طائرانیم کز قضا و قدر	اوفتادہ جُدا ز گُلزاریم
مُرغِ شاخِ درختِ لاہُوتیم	گوہرِ دُرجِ گنجِ اسراریم

ملہ مجھ کو ایسا مست کردے کہ میں بیخودی سے اس بات کو نجان سکوں کہ خیال کے میدان میں کون آیا اور کون گیا (یعنی اُس دِلربا کے خیال میں بیہوش ومستغرق ہوجاؤں)

ملہ ہم وُہ پرندے ہیں جو قضا و قدرت اپنے باغ سے الگ گر گئے ہیں (یا جُدا ہوگئے ہیں) ہم عالمِ لاہوت (برہم لوک) کی درخت کی ٹہنی کے پرند ہیں۔ اور بھیدوں (اسراروں) کے ڈبے کے خزانے (دمِ کن) کے موتی ہیں۔ یا وحدت کے دائرے کے ایک موتی ہیں۔ یا خُداشناسی کی کان سے ایک گوہر ہیں ٭

۵ یا دُرے از محیط توحیدیم | گوہرے یا زکانِ عرفانیم

برائے نام بھی اپنا نہ کچھ باقی نشاں رکھنا
نہ تن رکھنا نہ دل رکھنا۔ نہ جی رکھنا۔ نہ جاں رکھنا
تعلق توڑ دینا۔ چھوڑ دینا۔ اُس کی پابندی
خبردار اپنی گردن پر نہ یہ بارِ گراں رکھنا
ملیگی کیا مدد تجھ کو مددگارانِ دُنیا سے
اُمید یاوری اُن سے نہ یاں رکھنا نہ واں رکھنا
بہت مضبوط گھر ہے عاقبت کا دارِ دُنیا سے
اُٹھا لینا یہاں سے اپنی دولت اور وہاں رکھنا
اُٹھا دینا تصور غیر کی صورت کا آنکھوں سے
فقط سینے کے آئینے میں نقش دِلستاں رکھنا
کبھی گھر میں نہ گھر کر بیٹھنا اِس دارِ فانی میں
ٹھکانا بے ٹھکانا۔ اور مکاں برلا مکاں رکھنا

صورت انسان میں حیوانات

اب دائرۂ ج پر نظر ڈالئے گا۔ دائرۂ د سے بہت بڑا ہے۔ گو انتہاء دور نہیں ہُوا ہے یہ دائرہ اُن لوگوں کے جیون چکر کو تعبیر کرتا ہے جو اپنی قوم (جات۔ caste) بھر کے ساتھ اُسی قدر محبت رکھتے ہیں جس قدر پیٹ پالو اپنے جسم کے ساتھ رکھتا ہے یا کُنبہ پرور اپنے بال بچوں کے ساتھ۔ اور جو ساری قوم کی بہتری کے لئے اُسی قدر

جانفشانی سے محنت کرتے ہیں۔ جس قدر کنبہ پرور اپنے کنبے کے لئے کرتا ہے ۔ پیٹ پالو کا مرکزِ محبت (لٹّو کی طرح) اپنے ہی جسم میں تھا۔ قبیل پرور کا مرکزِ گردش (centre of force) بیل کی طرح جسم سے ذرا دور فاصلے پر تھا۔ قوم پرور کو گھمانے والی طاقت (محبتِ قوم) اُس کے جسم سے اور بھی دور فاصلے پر عمل کرتی ہے۔ اُس کے دائرۂ زندگی کا مرکزِ حرکت جسمانیت (نقطۂ ی) سے مقابلۃً بہت بعید ہے اسی لئے اُس کا دائرۂ زندگی بھی بہت وسیع ہے ۔ قوم پرور کی حرکتِ حیات کو گھوڑ دوڑ کے گھوڑے (race-horse) کی حرکت سے مناسبت ہے۔ یہ گھوڑا اپنی حرکت سے بیل وغیرہ کی نسبت بہت بڑا دائرہ بناتا ہے۔ میلوں میں یا اَور موقع پر اس جانور کے جوہر دیکھنے کو شہروں کے ہر گلی کوچے کے شوقین لوگ دوڑے جاتے ہیں۔ نہایت قیمتی ہوتا ہے بہت تعریف کے قابل ہے ۔ قوم پرور کو بھی یہ کُل تعریف زیبا ہے ۔ کائنات کے اندر زندگی کے Evolution (صعود) کی رُو سے اِسی quality (درجے) کی حرکت کا ظہور (بمقابلۂ جمادات و نباتات) حیوانات میں ہوتا ہے اور انسانی لباس کے اندر رُوحانی زندگی کے Evolution (صعود) کے لحاظ سے اسی درجے کی حرکت (حیوانیت) قوم پرور کی زندگی کو متمیز کرتی ہے۔ یعنی حیوانات کی جسمانی زندگی اور قوم پرور کی رُوحانی زندگی ایک ہی درجے کی ہوتی ہیں۔ اور ایک ہی دائرے سے تعبیر ہو سکتی ہیں (اُس دائرے سے جس میں گھوڑ دوڑ کا گھوڑا چکر لگاتا ہے) اور جو حرکت (energy) کا ظہور حیوانات میں ہوتا ہے۔ قوم پرور انسان میں بھی اُس کے متناسب اور موافق

حرکت کا ظہور ہوتا ہے ۔ اپنے حماشتے کی بدولت کئی کنبے آسودگی اور چین پاتے ہیں۔ کئی عیوب اور رسومات ناجائز کا جوا اُس کے حلقوں کی گردن پر سے اُترتا ہے ۔ کسی قوم یا سماج یا سبھا کے لئے ایسے عالی حوصلہ کا وجود خوش قسمتی کی نشانی ہے مگر ناظرین! لوٹ کی بیوی والی مثال کو بھول نہ جانا۔ اور نہ سائنس کے اس امر کو فراموش کر دینا کہ حرکت کا مثبت یا منفی ہونا جسم متحرک کے مقام پر موقوف نہیں ہوتا۔ بلکہ حرکت کے رخ پر مبنی ہوتا ہے ۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا کہ جسمانی زندگی کی صحت کا اندازہ جاندار کے قد و قامت سے لگانا محض غلط ہے۔ کسی بچے وغیرہ کا قد چھوٹا دیکھ کر بول اُٹھنا کہ اُس کی صحت خراب ہے (بیمار ہے) درست نہیں۔ اور کسی شمشاد بالا بیمار کو (بستر پر چت لیٹے ہوئے کو) دیکھ کر یہ کہہ دینا کہ اسکی صحت نہایت عمدہ ہے واجب نہیں ۔ بلکہ بدن خواہ چھوٹا ہو خواہ موٹا (یا لمبا) اگر رُو بہ تنزل ہے تو جاندار کی صحت ضرور خراب ہے۔ اور اگر رُو بہ ترقی ہے۔ تو صحت اچھی ہی ہے ۔ ٹھیک یہی حال رُوحانی زندگی کا ہے ۔

اگر کوئی شخص دائرہ ہ میں زندگانی بسر کرتا نظر آ رہا ہے۔ ہر طرح کے گناہوں میں گرفتار ہے۔ لیکن آج توبہ کر کے اپنا دائرہ وسیع کرنے کو ہے۔ محبت (پریم) کے بازو دراز کرنے میں ساعی ہو رہا ہے۔ تو وہ شخص مثبت حرکت ظاہر کر رہا ہے۔ اُس کی زندگی کا رُخ (سمت) درست ہے۔ اُس کی رُوحانی صحت اچھی ہے ۔ اور اگر کوئی صاحب جن کا دائرہ زندگی ج یا ب سے تعبیر ہو سکتا ہے (یعنی جو قوم پرور

یا خادمِ مُلک نام پاتے ہیں) اپنے sphere (دائرے) میں برابر گھومتے رہنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ لیکن ساتھ کے ساتھ اِس دائرے کو وُسعت نہیں دے رہے { بالفاظِ دیگر اُن کی پہلی سُرعت (velocity) میں اسراع (acceleration) نہیں زائد ہو رہا } وُہ صاحب رُوحانی بیمار ہیں۔ رُو بہ تنزّل ہیں۔ اُن کی حرکتِ حیات جلدی منفی رُخ والی ہو جائیگی۔ گرینگے۔ اپنے مرضِ متعدی سے قوم کی قوم کو اور ملک کے مُلک کو نُقصان پہنچائیں گے۔ اور سخت تباہی کا باعث ہونگے۔ وُہ قوم کا سردار جسکے دِل میں اپنی قوم ہی قوم سما رہی ہے۔ اپنی قوم کو جس طرح ہو سکے ترقی دیا چاہتا ہے۔ قوم کی بہتری اور بہبودی کے جتن میں ہمہ تن مصروف ہے۔ پر دیگر اقوام کی کچھ پرواہ نہیں کرتا بلکہ دیگر قوموں کو اپنی قوم کے زیر دست بنایا چاہتا ہے { خود برہمن سبھا کا ہو کر یہ چاہتا ہے کہ برہمنوں کو تو عُروج ہو۔ باقی سب قومیں جائیں جہنم میں۔ اور خود اگر کایستھ کانفرنس یا اروڑ بنس سبھا کا ہے تو کایستھوں یا اروڑوں کا راج لانے کا خواہاں ہے۔ باقی سب قوموں کو پامال کرنے پر راضی ہے۔ خود آریہ سماجی ہے۔ تو سناتن دھرمیوں اور برہم سماجیوں کے خُون کا پیاسا ہے۔ یا سناتن دھرمی ہو کر آریہ سماج وغیرہ کے نام کا جانی دُشمن ہے علیٰ ہذا القیاس } ایسا قوم پرور پیٹ پالو اور کُنبہ پرست (دونوں) سے قد و قامت میں تو بڑا ہُوا ہے اُن کا بڑا بھائی ہے۔ لیکن ہے رُوحانی بیمار۔ اُس کی حرکت منفی ہونے والی ہے۔ رُو بہ تنزّل ہے۔ اُس کا دائرۂ زندگی روز بروز تنگ ہوتا جائے گا۔ کیونکہ جو sectarian (قوم باز۔ یا فرقہ پرست)

غیر قوموں سے جنگ و جدل کرکے اپنی قوم کو عرُوج دلانا چاہتا ہے۔ صرف اِس اُصول پر کہ یہ قوم "اپنی ہے"۔ "میری ہے"۔ وہ خُود کُش {خُود کُش۔ کیونکہ عملی طور پر "میں" اور خود یعنی آتما کو (جو فی الحقیقت پاک۔ محیطِ کُل اور عَین سرور ہے) جسم مانتا ہے۔ جو پلید اور محدود ہے} جب اپنی قوم والوں میں بیٹھیگا تو خواہ مخواہ اپنے اُصُول کے مُطابق اُس قوم میں اپنے قبیلے کو شرف دلانے کی کوشش کرے گا۔ دِل میں یہ کہکر "میرا نزدیکی ہے" کہ یہ کُنبہ "اپنا ہے"۔ "میرا ہے" اور دُوسرے کُنبوں کی طاقتیں چھین کر اپنے کُنبے کی شان بڑھانے میں دریغ نہ کریگا۔ ایسے صاحب کا دائرہ ج سے گرکر دائرۂ د میں پڑ جانا کچھ مُشکل امر نہیں۔ نیز جو شخص اپنے کُنبے سے صرف اس خیال سے محبت کرتا ہے کہ یہ کُنبہ "میرا ہے اپنا ہے" (یعنی جو صرف جسمانی تعلق کو محسُوس کرسکتا ہے۔ اعلیٰ تعلق سے بالکل بے خبر ہے) وہ اپنے کُنبے کو باقی کُنبوں پر فوق دلانے میں ساعی پڑا ہو۔ لیکن اندیشہ ہے کہ جب موقع پائیگا۔ اپنے بھائیوں کا حق چھین کر پیٹ پالُو کے دائرے میں گر جائیگا۔

بعض وقعہ ایک فرقہ یا مذہب کسی سچّے دِل والے دُور بہ ترقی مہاشے کی بدولت کڑوی بیل کی طرح بڑھتا ہے۔ پھیلتا ہے۔ لیکن جلدی اُس میں پھُوٹ پڑ جاتی ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس زوال کی اصلی وجہ عمُوماً یہی ہوتی ہے کہ اُس مت کے مُقلد جو ابتدا میں چھوٹے دائروں سے ترقی کرتے کرتے اُس بڑے دائرے میں داخل ہُوئے تھے۔ وہ آگے کو ترقی کرنے سے باز رہ جاتے ہیں

اپنی صحت بگاڑ بیٹھے ہیں (اس میں اُن کا اپنا قصور سمجھ لو یا اُس
مت کے سلسلہ (معراج) ادنیٰ ہونے کا) اِس ناپائدار دُنیا میں ایک
حالت میں قیام کر بیٹھنے کے معنی ہیں موت۔ (بھئی! جم کر بیٹھنے لائق
تو ایک تیرا اپنا تختِ حقیقت ہی ہے)۔ وہ energy (انساہ یا طاقت
جوش) جو اُن مت باولیوں کے دائرۂ زندگی کو دراز کرنے کے لئے
اُن کو دی گئی تھی اپنے مناسب فعل میں خرچ نہیں ہوتی لیکن
مسلۂ محفوظِ طاقت (conservation of energy) کے مطابق ضائع
بھی بھلا کب ہونے کی ہے؟ فوراً حسد، بغض، غصّہ میں بدل جاتی ہے
اور پھوٹ کا باعث ہوتی ہے (جہاں گالی گلوچ کینہ و فساد کی بدبو
آ رہی ہو، سمجھ جاؤ کہ کسی رُوحانی مُردے کا تعلق ہے)۔ اکثر دفعہ
تو معاملہ یہانتک طول پکڑتا ہے۔ اور تعصّب اِس حد تک
آنکھیں بند کر دیتا ہے کہ مذہب کی آڑ میں جسمانیت حکمرانی کرتی
ہے۔ اور ایک فریق دُوسرے فریق کی بیخ کنی کو آمادہ ہوتا ہے۔
صرف اِس خیال سے کہ یہ "میرا نہیں ہے" اور یہ دُوسرا فریق پہلے
کی جڑ اُکھاڑنے کے درپئے ہوتا ہے۔ صرف اِس وجہ سے کہ یہ
غیر کا مت ہے۔ ہائے ہائے! رہی خود کُشی! وائے رے آتم ہتیا! دونوں
بھول بیٹھے ہیں کہ اُن کا اپنا آپ تو Divine Truth Itself (حق
محض۔ سچائی) ہے اُن کا اپنا آپ تو دُشمن کا بھی اپنا آپ ہے۔ دُشمن
کہاں؟

پیارے اہلِ ہند! دُشمن کو قتل کیا چاہو۔ تو کرو۔ یہ ابھیاس
پکاؤ۔ یہ سبق یاد کرو۔ یہ سنتھا۔ realise (انوبھو) کرو۔ یہ حقیقت

سرو دشمن تم سے بھی (جُدا) نہیں ہے۔ جس طرح سے اپنے تئیں جسم میں ہپنوٹائز (hypnotise)[1] کر چکے ہو (وہم کے زور سے اپنے تئیں گندا شریر جسم بنائے بیٹھے ہو)۔ اسی طرح اپنے شدھ سروپ میں نیشٹھا (نشست) اختیار کرو۔ اور دیکھو کہ دشمن خونخوار کی نمود میں میں ہی موجود ہوں کہ نہیں

आत्मैव ह्यात्मनो बन्धुरात्मैव रिपुरात्मनः ।[2] (بھگوت گیتا ۶-۵)

I appear as the enemy, I am the enemy, I am the enemy

میں ہی دشمن نظر آتا ہوں۔ میں ہی دشمن ہوں۔ میں ہی دشمن ہوں ؛ دشمن اُڑ گئے۔ دشمن اُڑ گئے۔ گیان کے گولوں نے دشمن اُڑا دیئے۔ میں ہی میں ہوں۔ وحدہٗ لاشریک ہوں۔ ذاتِ پاک ہوں۔

ع بے رنگ کبھو ہو کے دکھاؤں تجھکو

تو گُل ہے تو بُو ہو کے دکھاؤں تجھکو

میں آپ سے جو اپنے سے فرصت پاؤں

کیا اور تو؟ تُو ہو کے دکھاؤں تجھکو

I am the monarch of all I survey[3]
My right there is none to dispute

ع خود خدا ہوں۔ شاہ شاہ ہوں۔ ایک دن اور رات ہے

سو رہے ہیں ہو کے بے غم۔ لات اوپر لات ہے

---

[1] ایک عمل ارادہ ہے جسکی مضبوطی سے ایک آدمی دوسرے پر ہر طرح غالب آجاتا ہے ؛

[2] کیونکہ اپنا آپ ہی اپنے آپ کا دوست (یا بندھو رشتہ دار) ہے اور اپنا آپ ہی اپنے آپ کا دشمن ہے ؛ [3] جہانتک نظر جاتی ہے میں سب کا بادشاہ ہوں اور میرے حق پر کوئی جھگڑنے والا نہیں

سب شاہوں کا شاہ میرا شاہ نہ کوء
سب دیون کا دیو میں میرا دیو نہ ہو
ڈنڈا کُل پر ہے میرا۔ کیا سُلطان امیر
پتّا مجھ بن نہ ہلے۔ آندھی مری اسیر

اِس سُکھی سروپ نُوں جاں ہوئے — سروں لاہ سُٹے پنڈوں تا پڑے جی
تنکے توڑ چوراسی دے چار کیتے — جنم مرن دے مُچھے سیا پڑے جی
دوکھی دُوسرا غیر کافور ہویا — گوے نوس گئے چھپ چُھپا تڑے جی
آٹھوں یام ہر حال میں مست پھرے — یمدوتاں دے مار کے ماپڑے جی

انسان صورت انسان سیرت

اب دائرۂ ب کی باری آئی۔ یہ دائرہ ج سے بھی بڑا ہے ج جیسے کئی دوائر اِس میں شامل ہیں۔ اِس کا انحنا بہت کم ہے۔ راہِ راست نما ہے۔ لیکن ابھی کچھ بانکپن باقی ہے۔ کجروی بالکل رفع نہیں ہوئی ÷ یہ دائرہ اُن مبارک اشخاص کے جیون چکّر کو تعبیر کرتا ہے جو مُلک بھر کے ساتھ وُہی اُلفت (اُنس) اور محبّت (پریم) رکھتے ہیں۔ جو پیٹ پالو اپنے پیٹ کے ساتھ۔ کنبہ پرست ایک کُنبے کے ساتھ اور قوم پرور ایک قوم کے ساتھ رکھتا ہے۔ جنہوں نے اپنے سارے وقت اور توجہ کو بہبودیٔ مُلک کے لئے مخصوص کر دیا ہُوا ہے جن کو اپنے مُلک کی راکھ تک عزیز ہے۔ اور جو caste colour or creed (ذات اور رنگت) کے لحاظ کے بغیر اپنے مُلک کے ہر فردِ بشر کو اپنے سگے بھائی کے برابر عزیز جانتے ہیں ÷

اِس دائرے میں متحرک آدمی کا مرکزِ گردش نقطۂ ہی (یعنی جسم)
سے بہت زیادہ دُوری (بُعد) پر ہوتا ہے۔ اور اُس کا دائرہ زندگی
نہایت وسیع ہوتا ہے ۔ خادمِ ملک کی حرکتِ حیات کو وُسعتِ دائرہ
کے خیال سے ہم چاند کی حرکت سے تشبیہ دے سکتے ہیں ۔ خادمِ
ملک وُہ ہے جو بھوکوں مرتے (افلاس زدہ) اہلِ وطن کے واسطے
چاند کی طرح عید آور ہو۔ یا جو ملک کی شبِ ادبار میں چاروں طرف
نُور کا مینہ برساوے۔ گو وہ اُسکے فیضان کا یہ اثر نہ ہو سکے کہ
شب کافُور ہو جائے (دن آجائے) ۔ نیز جس طرح چاندنی کی
بدولت پودوں میں رس بھرتا ہے۔ ویسے ہی خادمِ ملک کی بدولت
گرہستی لوگوں کو امن۔ چین۔ اور خورسندی میسّر ہوتی ہے ۔ رُوحانی
زندگی کے صعود (Evolution) میں مُرتبۂ ملک (بمقابلہ رُوحانی
نباتات وغیرہ) اصل انسان کی منزلت والا ہے۔ بظاہر باطن انسان
ہے۔ اُس کا کام انسان کا ہے اور نام انسان کا ہے ۔

مرنا بھلا ہے اُس کا جو اپنے لئے جئے
جیتا ہے وُہ جو مر چکا انسان کے لئے

Breathes there a man with heart so dead[1]
Who never to himself hath said
This is my own my native land

اَے ہند! تیرے شیواجی۔ گورو گوبند سنگھ جی اور راجا پرتاپ کہاں
تک سوتے رہیں گے؟ اگر حُبّ الوطنی (the spirit of patriotism)

[1] کیا کوئی ایسا مُردہ دِل انسان جیتا دم لے رہا ہے جس نے اپنے دِل میں کبھی ایسا نہ کہا ہو کہ یہ میرا وطن اپنا ہے ۔

[illegible]) کا سبق بھی اور چیزوں کی طرح انگریزوں ہی سے لینا منظور ہے تو کیوں نہیں اُس ڈاکٹر کے قصّے کو نگینِ دل پر نقش بنا رکھتے جس کی حُب الوطنی کی بدولت سلطنتِ ہند میں قومِ انگریز کے پیر مُحکم طور سے آجمے ۔ اگرچہ ناظرین نے تاریخ میں کئی بار یہ ذکر پڑھ چھوڑا ہوگا۔ لیکن اپنی زندگی میں برت کر تاریخِ مستقبل کے صفحوں پر حُبّ الوطن کی یادگار خود چھوڑنے کا عزم نہیں کرلیا۔ تو گویا اِس قصّے کو خواب میں بھی نہیں پڑھا ۔ تنہائی میں مطالعہ کرنے اور پڑھ کر اپنے رگ و ریشہ میں داخل کرنے کے لئے مولانا (محمد حسین) آزاد کی نظم میں سے یہ قصّہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

فرخ سیر تھا ہند میں فرمانروائے مُلک
اور غیرتِ نسیم و صبا تھی ہوائے مُلک

پر ہند پر تھا حادثۂ غم عجب پڑا
یعنی کہ بادشاہ تھا خود جاں بلب پڑا

اِس طرح کا فتور پڑا تھا مزاج میں
تھا مُبتلا وہ اِک مرضِ لاعلاج میں

سب اہلِ عقل و ہوش جو اس اپنے کھو چُکے
سارے طبیب ہاتھ علاجوں سے دھو چُکے

پر اِس مسیح دم نے جو آکر کیا علاج
ایسا بجسب طبع موافق پڑا علاج

گویا دوا بکار دُعا ہو گئی اُسے
اور تین چار دن میں شفا ہو گئی اُسے

نوبت خوشی کی بج گئی سارے جہان میں
اور جان تازہ آگئی اِک اِک کی جان میں

فرخ سیر کہ شاہِ سخاوت مآب تھا
بحرِ کرم کا جس کے جھکولا سحاب تھا

اِک جشنِ عام اُس نے کیا دھوم دھام سے
اور شورِ تہنیت کا اُٹھا خاص و عام سے

حاضر ہوئے امیر و وزیر آکے سامنے
اور اُس طبیب کو کہا بُلوا کے سامنے

لا دامنِ اُمید کہ بھر دیں ابھی اُسے
تا عمر بھر نہ پائے تو خالی کبھی اُسے

دریا دلی طبیب کی دیکھیو مگر ذرا
ڈالی نہ اُس نے لعل و گہر پہ نظر ذرا

حبّ الوطن کے جوش سے بیتاب ہو گیا
دل آب ہو کے سینے میں سیماب ہو گیا

کی عرض ہاتھ جوڑ کے خدمت میں شاہ کی
بندہ کو آرزو نہیں کچھ عزّ و جاہ کی

زر کی ہوس نہ مال کی ہے جستجو مجھے
پر آرزو جو ہے تو یہی آرزو مجھے

کچھ ایسا میرے واسطے انعام عام ہو
جس سے مرا تمام وطن شاد کام ہو

بولا یہ شاہ اِس کا بھی تجھ پہ مدار ہے
جو مانگتا ہے مانگ تجھے اختیار ہے

تب عرض کی طبیب نے یوں بادشاہ سے
روشن جلالِ شاہ ہو خورشید و ماہ سے

تھوڑی زمیں نواحِ دریا کنار میں
مجھ کو عطا ہو مملکتِ شہر یار میں

تا اِس طرف جو میرے وطن کے جہاز آئیں
اور اُن سے تاجران ذوی الامتیاز آئیں

کچھ اُن پہ ہووے راہ نہ بیم و زوال کو
آرام سے اُتاریں یہاں اپنے مال کو

اور جنس جو کہ لائیں وہ نزدیک و دور سے
محصول سب معاف ہو اُس کا حضور سے

دم اُس مسیح دم کا بہت کارگر پڑا
یہ نسخہ بلکہ سب سے سوا کچھ اثر پڑا

ہر چند اُسے نہ فائدۂ سیم و زر ہوا
پر نفع بہرِ اہلِ وطن کس قدر ہوا

دامن میں اِک عطائے خدا داد پڑ گئی
اور سلطنت کی ہند میں بنیاد پڑ گئی

اے آفتابِ حبِّ وطن! تو کدھر ہے آج
تو ہے کدھر کہ کچھ نہیں آتا نظر ہے آج

ٹھنڈے ہیں کیوں دلوں میں ترے جوش ہو گئے
کیوں سب ترے چراغ ہیں خاموش ہو گئے

حبِّ وطن کی جنس کا ہے قحط سال کیوں
حیران ہوں آجکل کہ پڑا اِسکا کال کیوں

کچھ ہو گیا زمانہ کا اُلٹا چلن یہاں
حبّ الوطن کے بدلے ہے بغض الوطن یہاں

بن تیرے ملکِ ہند کے گھر بے چراغ ہیں
جلتے عوض چراغوں کے سینوں میں داغ ہیں

کب تک شبِ سیاہ میں عالم تباہ ہو
اے آفتاب اِدھر بھی کرم کی نگاہ ہو

عالم سے تاکہ تیرہ دلی دور ہو تمام
پنجاب تیرے نور سے معمور ہو تمام

از مجموعۂ نظم آزاد ۔ رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور

مگر ناظرین! مانا کہ مرقّعِ مُلک کی زندگی نہایت اعلیٰ رُتبے کی ہے۔ اور اُس کا دائرۂ زندگی (ب) بُہت وسیع ہوتا ہے۔ لیکن یہ دائرہ ابھی اور بھی وسیع ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ خطِ مستقیم نہیں بنتا۔ گو رقبۂ کثیر کو گھیرے ہُوئے ہے۔ لیکن اُس رقبے کے سوا باقی تمام سطحِ زمیں سے مُنہ پھیرے ہُوئے ہے ۔ مرقّعِ مُلک (John Bull) اپنے انگستان کے حق میں اگر چندرمان ہے تو فرانس اور سپین وغیرہ کے لئے راہُو (گرہن) سے کم نہیں ۔ نیز اِس دائرے میں بود و باش کرنے والا فخرِ مُلک مذکورۂ بالا کُل دوائر میں متحرّک بھائیوں سے بُزرگ ترین تو سہی۔ لیکن بیمار پڑجانے پر (یعنی اپنے دائرہ کو زیادہ وُسعت دینے کی قابلیت کھو بیٹھنے پر) تمام مُلک کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ پیٹ پالُو سے تو عمومًا صرف ایک کُنبے کے آدمی دُکھ پاتے ہیں۔ کُنبہ پرست بگڑ بیٹھیں تو ایک کُنبے کو دُوسرے خاندان سے بھڑائیں گے۔ قوم پرور خراب ہو جائیں تو ایک سماج یا قوم کو دُوسری سماج۔ قوم یا سبھا سے لڑائیں گے۔ اور سینکڑوں یا ہزاروں مرد عورتوں کے دِلوں میں کینہ و فساد کی آگ بھڑکائیں گے۔ مگر سو کالڈ (برائے نام) مُربیانِ مُلک جو بارانِ رحمت کے بڑے بڑے قطروں کی طرح مُلک کو سیراب کرنے آرہے تھے۔ اگر اپنی حالت میں جم جائیں تو گویا بھاری پتھر بن کر مُلک پر اولے برسائیں گے۔ ژالہ باری نہیں بلکہ گولہ باری سے باشندگانِ مُلک کے دُھوئیں اُڑائیں گے۔ ہزارہا بلکہ لکھوکھا خلقِ خدا کے سر کٹوائیں گے۔ ایک مُلک کو دُوسرے مُلک کے ماتحت کرنے کے لئے خون کی ندیاں بہائیں گے۔ خود نفس کی غلامی کرنے کے لئے دُوسرے

ملک والوں کی آزادی کا نام مٹائیں گے وا آسے حیف!

پیارے! آزادی کے خواستگار ہو تو جیل خانۂ دُنیا میں مت ڈھونڈو۔ ملک کے مالک بن جانے پر بھی آزادی نہیں ملنے کی۔ وا اپنے سروپ کو سمجھو، آزادی مل جائے گی۔ کسی طرح کی قید دامن گیر نہ رہیگی۔ اپنے تئیں وُہی آزادِ مطلق پاؤ گے۔ جس کے معمولی جنبشِ ابرو سے شاہ و گدا ہست و نیست ہوتے ہیں۔ جس کے کنایہ و غمزہ پر دیش۔ کال اور وستُو (Time, Space & Causality) کی ہستی موقوف ہے۔ تمہارے ہی چشم زدن میں موجودات کی پیدائش۔ قیام اور فنا ہے۔ بل بے نگاہِ دُنیا آفریں! بل بے جادُو بھرے نین کنول!

امی ہلاہل مد بھرے شویت سیام رتنار
جیوت مرت جُھک جُھک پڑت۔ جے چتوت اکبار

پیارے ذرا جاگ تو سہی! اپنی مہا (جلال۔ glory) رُوپی گھوڑے بیچ کر اودیا (جہل)، رُوپی وشیا (زنِ فاحشہ) سے ہم آغوش ہو کب تک سویا رہے گا۔ شُرتی بھگوتی تیرے سرہانے بیٹھ تجھ کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرنے کے لئے اونچی سُروں میں تیری تعریف کے گیت گا رہی ہے۔ ہر ہائے! تیرے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی۔

स पर्य्यगाच्छुक्रमकायमव्रणमस्नाविरꣳ शुद्धमपापविद्धम्। कविर्मनीषी परिभूः स्वयम्भूर्याथातथ्यतोऽर्थान् व्यदधाच्छाश्वतीभ्यः समाभ्यः॥ (یجر وید ایشا واسیہ اُپنشد منتر ۸)

ترجمہ:- ہے محیط و منزّہ و بے ابدان
وہ بری ہے گناہوں سے ہر زماں
رگ و پے ہے کہاں؟ ہمہ بین ہمہ داں
بد و نیک کا اُس میں نہیں ہے نشاں

وہ بزرگِ بزرگاں ہے راحتِ جان — وہ ہے بالا سے بالا تو نورِ جہاں
وہی خود ہے خیال و بروں زبیاں — وہی سے ازل میں ہیں رنگت و شاں
یہی رام ہے ویدوں میں سب کے نہاں — یہی رام ہے بحر میں بر میں عیاں

مُردوں سے شرطیں باندھ کر سوتے کا کھیل اب بند کرو۔ ایک دفعہ اِندر (تمام ملائک کا بادشاہ) خواب میں خوک دشور) بن کر کھجلی وغیرہ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو گیا۔ باقی دیوتاؤں نے اپنے مالک کی جب یہ گت دیکھی تو شرمائے اور گھبرائے۔ آخر اِندر کے عالمِ خواب میں آن موجود ہوئے۔ اور ایک نے پاس آکر کہا۔ "حضور یہ کیا؟ آپ اپسراؤں کو بھول گئے!" دوسرے نے کان میں کہا۔ "قبلۂ عالم! یہ کیا؟ آپ امرت رس کو بسار بیٹھے!" تیسرا بولا۔ "جہاں پناہ! یہ کیا؟ آپ اپنی اِندر پدوی والے جڑاؤ سنگھاسن کو یاد سے کھو بیٹھے!" وغیرہ۔ اِندر نے ان سب کے جواب میں سر ہلایا اور اپنے شُوْر والے لب و لہجہ میں کہا "ہُواں! ہُواں!" گویا زبانِ حال سے یہ جتلایا۔ کہ دہ شُوری۔ میلا اور کیچڑ جو اِس وقت مجھے مست کر رہے ہیں ان سے بہتر اپسرا۔ امرت اور سنگھاسن بھلا کیا ہوں گے! اے دیوتاگن! اپنے سنگھاسن و نگھاسن کو تم اپنے گھر رکھو۔ ہمیں تو کیچڑ میں غلطاں ہونا پھولوں کے بچھونوں پر لوٹنے سے زیادہ بھاتا ہے" واہ! عزیزِ من! تیرا اپنا آپ تو اِندر کا بھی اِندر ہے۔ تو خوابِ دنیا میں پھنس کر مرگ کو طبیب اور مرض کو اپنی دوا کیوں سمجھ رہا ہے؟

उत्तिष्ठत जाग्रत प्राप्य वरान्निबोधत । (دیگر وید۔ کٹھ اپنشد ۱۔۳۔۱۴)

اے اٹھو۔ جاگو۔ چیدہ عارفوں کے پاس جاؤ۔ اور معرفتِ ذات کو حاصل کرو

سلہ ہر بنہ بر کف بیا اے غازیا! * خواب را بگذار و خود را کن رہا
سے ۵ اٹھ جاگ گھڑ اڑے ماریئیں * ایہہ سون رتڑے درکار نہیں

کُل کا خلاصہ دائرہ	حرکت	زندگی	کام یا نام
ہ	لٹو	جمادات	شکم پرست دپیٹ پالو
د	کولہو کا بیل	نباتات	کنبہ پرور
ج	گھوڑ دوڑ کا گھوڑا	حیوانات	خادم قوم
ب	چاند	انسان	مُربیٔ ملک
ا	سُورج زندۂ جاوید	مہاتما	گیان وان آتم درشی

استغناء مخدوم
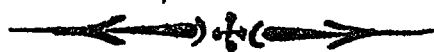
زندۂ جاوید

اے پرکرتی (کائنات)! اپنے پُرش (خاوند) کے درشن کر لے * اے جواہراتِ انجم! تم اِس آفتابِ عالمتاب پر نثار ہو جاؤ * تاریکی بھاگ! او غنچہائے چمنِ اُمید! آنکھیں کھولو۔ جانِ جہاں کا جلوہ دیکھو! بسترِ جہالت پر انگڑائیاں لینے والو! تمہارے نیتر کنول کیوں نہیں کھلتے؟ اپنی ہی آنکھوں کے نُور کو باہر دیکھ لو۔ عالمِ خواب میں خیالات کے اڑہائی دوڑھائی) چاول کہاں تک پکاؤ گے؟ رات تو ہو چکی *

سلہ اے غازی! سر ہتیلی پر رکھ کر آ۔ جہالت کی نیند کو چھوڑ۔ اور اپنے تئیں آزاد کر *

طائرانِ باغِ دُنیا! آنند بھرے سوہلے گاتے جاؤ۔ دُولہا (سُورج رُوپ گیان وان) کا جلُوس آرہا ہے ٭ اَے زمین و آسمان! دُولہا کی خاطر گُلال (شفق) (اُبٹنا) تیار کرو ٭ بادِ بہاری! رنگ رلیاں منائے جاؤ۔ بارانِ رحمت! اس کی سڑک پر پانی چھڑک۔ عرُوسانِ سبز پوش (درخت)! بن ٹھن اپنے کانوں میں موتی (اوس) سجا (پھول) نکھر کر (انتظار میں) صف آرا ہو جاؤ !!!

Joy! Joy!! Joy!!!

لہ نرگس بہ چمن راہ کہ میدید خدا ٭ گوشِ گل آمدنہائے کہ اصغا میکرد

کس کی آمد آمد ہے؟ اُسکی جو پہلے ہی سب جگہ موجود ہے۔

سُورج کی زندگی والا گیان وان۔

ٹہ آفتاب است آفتاب	ذرہا دارند از او رنگ و تاب
مطلعِ دیدارِ حق دیدارِ او	منبعِ گفتارِ حق گفتارِ او

یہی سُورج رُوپ گیان وان (عارفِ کامل) ہے جو پہاڑ اور دریا میں لعل و گہر بناتا ہے۔ پتے پتے کو ترو تازگی عطا فرماتا ہے۔ حیوانوں میں جان ڈالتا ہے۔ انسان میں زندگی کا دَم پھُونکتا ہے۔ زمین اِس ہی اصلی آفتاب سے نکلا ہُوا ایک شرارہ ہے۔ سیارے۔ سب اِس ہی کی کشش سے متحرک ہیں ٭

سُورج کو سونا چاند کو چاندی تو دے چکے
پھر بھی طواف کرتے ہیں دیکھوں جدھر کو میں
تارے چمک چمک کے بُلاتے ہیں رام کو
آنکھوں میں اُنکی رہتا ہُوں جاؤں کدھر کو میں

لہ اے خدا نرگس باغ میں کس کا انتظار کر رہی تھی۔ اور پھول کس کے آنے کا منتظر تھا؟
ٹہ وُہ آفتاب ہے وہ حقیقتاً آفتاب ہے۔ اور اُس کی وجہ سے تمام ذرّوں (موجودات) میں رنگ و روشنی ہے۔ اُس کا درشن حق کے درشن کا جائے طلوع ہے۔ اور اُسکی گفتگو حق کی گفتگو کا منبع ہے؛

یہ زندۂ جاوید (چت گھن The source of all energy) جس ملک میں چمکتا ہے۔ اُس مُلک کی رُوحانی زندگی قائم رہے گی۔ سُورج کی طرح یہ بگیان رُوپ مہاپُرش ظاہراً کچھ نہ کرتا ہُوا بھی کیا پیٹ پالو۔ کیا کُنبہ پرست۔ قوم پرور۔ یا مُربّیٔ مُلک سب کو زندگی رساں ہوتا ہے۔ ہر ایک کے سینے میں۔ ہر ایک کے دماغ میں۔ ہر ایک کی آنکھوں میں اسکا قیام ہے ٭ کیا امیر کے اور کیا فقیر کے جسم آم اور ناڑی ناڑ کی موجودگی اُس ہی کے سہارے ہے۔ اجسام کی کوٹھڑیوں کے اندر بھٹکے یا بُرے خیالات ذرّوں کی طرح اُس ہی نورِ اعلیٰ نُور کی stray beams (دخول یافتہ شعاعوں) میں بُود و باش رکھتے ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد۔ (اللہ شاہ رگ بھتیں نزدیک)

ناچوں میں نٹ راج رے۔ ناچوں میں مہاراج

سُورج ناچوں تارے ناچوں ٭ ناچوں بن مہتاب رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
تن تیرے میں من ہو ناچوں ٭ ناچوں ناڑی ناڑ رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
بادر ناچوں بایُو ناچوں ٭ ناچوں ندی ارناب رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
ذرّہ ناچوں سمندر ناچوں ٭ ناچوں موگھر کاج رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
مدھُوا لب بد مستی والا ٭ ناچوں پی پی آج رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
گھر لاگو رنگ رنگ گھر لاگو ٭ ناچوں پاپا دارج رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
راگ گیت سب ہووت ہردم ٭ ناچوں پُورا سلج رے ٭ ناچوں میں نٹ راج
رام ہی ناچت رام ہی باجت ٭ ناچوں ہو نرلاج رے ٭ ناچوں میں نٹ راج

ل نظر بہ ہر کہ کنم سوئے خود ہمے بینم	بہ ہر کہ مے نگرم روئے خود ہمے بینم
بجزو و کُل ہمہ معمورم از زمین و زماں شع	بہ جانبے کہ روم کوئے خود ہمے بینم

संपूर्णं जगदेव नन्दनवनं सर्वेऽपि कल्पद्रुमा गंगा-
वारि समस्त वारिनिवहाः पुण्याः समस्ताः क्रियाः।
वाचः प्राकृत संस्कृताः श्रुतिशिरो वाराणसी मेदिनी
सर्वा वस्थितिरस्य वस्तु विषया दृष्टे परे ब्रह्मणि॥

اہا ہا ہا!

سہ کہوں کیا حال اِس دِل کا کہ شادی موج مارے ہے
ہے اِک اُمڈا ہُوا دریا۔ اہا ہا ہا! اہا ہا ہا! ؛

سے شبِ مہتاب و بادے خوش۔ لبِ دریا۔ صنم در بر
چساں دانند حالِ ما غریقانِ تموّجہا

ل جس طرف کہ مَیں نگاہ کرتا ہُوں اپنا ہی رُخ دیکھتا ہُوں۔ اور جس کسی کو دیکھتا ہُوں مَیں اپنا ہی چہرہ دیکھتا ہُوں۔ زمان و مکاں سے مَیں ہر ایک جزو و کُل میں بھرپور ہُوں اور جس طرف کہ مَیں جاتا ہُوں اپنا ہی کُوچہ پاتا ہُوں ؛

ٹ پر برہم کے ساکشات کار ہونے پر (انکشافِ ذات پر) کُل جگت اُس کے لئے آنند کا بن ہے۔ سب درخت کلپدرم (یعنی پھل پُشپ وغیرہ سے سب موسموں میں سُکھ دینے والے درخت) ہیں۔ کُل جل (ندیاں) اُس کے لئے گنگا جل ہیں۔ سب افعال ثواب دینے والے۔ سب مروّجہ زُبان اُس کے لئے سنسکرت ہے۔ کلامِ عظیم بنارس ہے۔ سب جڑ پرتھوی اُس کے بھوگنے کی وستُو ہیں ؛

سہ چاندنی رات ہو۔ ٹھنڈی ہَوا ہو۔ دریا کا کنارا ہو اور پیارا بغل میں ہو۔ ایسی حالت میں تفکراتِ دُنیوی کی لہروں میں ڈُوبے ہُوئے آدمی ہمارے حال کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں ؛

The world of Spirits no clouds conceal;[1]
Man's eye is dim, it can not see.
Man's heart is dead, it can not feel.
Thou, who wouldst know the things that be,
The heart of Earth in the Sunrise red,
Bathe, till its stains of Earth are fled.

(Goethe)

وُہ ہے جادۂ مستقیم پر چلنے والا نارائن رُوپ برہم گیانی جس کا اپنا آپ۔ باپ ماں۔ بیٹیا۔ گھر بار اور کُل جائداد اثاثہ سب کچھ ایک برہم ہی برہم ہے ع [2] تُرا گویم تُرا دانم۔ تُرا بینم۔ تُرا خوانم

[3] من تو شُدم تو من شُدی من جاں شُدم تو تن شُدی
تا کس نگوید بعد ازیں۔ من دیگرم تو دیگری ✣

[4] आत्मक्रीड आत्मरतिः क्रियावनेष ब्रह्मविदां वरिष्ठः। (مُنڈک اُپنشد)

[1] عالم ارواح (مراد اندرونی مست حالتِ قلب) کو بادل (دُنیوی شرم و حیا کا پردہ) نہیں چھپا سکتے۔ محض انسان کی نگاہ پر دُھند چھایا ہُؤا ہے۔ اِس لئے وُہ نہیں (اِس حالت کو) دیکھ سکتی۔ انسان کا دل مُردہ ہے۔ اِس لئے وُہ (اس قلبی حالت کو) محسوس نہیں کر سکتا۔ اَے انسان! اگر تُو اِن طاری ہونے والی حالتوں (یا پدارتھوں) کو جاننا چاہتا ہے تو دُنیا کے دِل یعنی (پرتھوی کے خیال ماتر) کو طرح طلوعِ آفتاب (گیان یا معرفت کے سُورج) میں ایسا خُوب دھو حتّٰی کہ دُنیا کا نشان ماتر بھی اپنے دِل سے اُتر جائے (یا بھاگ جاوے) [2] تجھے ہی کہتا ہُوں۔ تجھے ہی جانتا ہُوں۔ تجھے ہی دیکھتا ہُوں اور تجھے ہی پڑھتا ہُوں۔ [3] میں تو ہُؤا۔ تُو میں ہُؤا۔ میں جان ہُؤا تُو بدن ہُؤا یعنی میں اور تو ایسے ابھید ہو گئے) تاکہ اُسکے بعد یہ کوئی نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تُو اور ہے ✣

[4] جو آتما (اپنی ذات) میں ہی کھیلتا ہُؤا۔ آتما (اپنے آپ) ہی میں آنند لیتا ہُؤا کُل کاموں کو مکمل کرتا ہے وُہ سب برہم گیانیوں سے اعلیٰ برہم گیانی (عارف ہُؤا) ہے ✣

ے صباحِ عید کہ مردم بکار وبار روند ✤ بلا کشانِ محبت بہ کوئے یار روند

کیا پیارے شبدوں میں شکھ منی صاحب میں زندۂ جاوید کی تصویر دکھائی ہے ✤

ے برہم گیانی کا بھوجن گیان ‖ نانک برہم گیانی کا برہم دھیان

برہم گیانی سادا نرلیپ ‖ جیسے جل میں کنول الیپ

برہم گیانی سدا نردوکھ ‖ جیسے سور سرب کو سوکھ

برہم گیانی نرمل تے نرملا ‖ جیسے میل نہ لاگے جلا

برہم گیانی سدا سم درشٹی ‖ برہم گیانی کی درشٹ امرت برشٹی

برہم گیانی سنگ سکل اُدھار ‖ نانک برہم گیانی کو جپے سکل سنسار

برہم گیانی سادا سد جاگت ‖ برہم گیانی اہنگ بُدھ تیاگت

برہم گیانی کے من پرم آنند ‖ برہم گیانی کے من سدا آنند

برہم گیانی کا درشن بڑ بھاگیں پائیے ‖ برہم گیانی کو بَل بَل جائیے

برہم گیانی کو کھوجے مہیشور ‖ نانک برہم گیانی آپ پرمیشور

برہم گیانی کا کتھیا نہ جائے ادھاکھر ‖ برہم گیانی سرب کا ٹھاکر

برہم گیانی کی مت کون بکھانے ‖ برہم گیانی کی گت برہم گیانی جانے

برہم گیانی کا انت نہ پار ‖ نانک برہم گیانی کو، سدا نمسکار

برہم گیانی سب سرشٹ کا کرتا ‖ برہم گیانی سد جیوے نہیں مرتا

برہم گیانی مکت جگت جی کا داتا ‖ برہم گیانی پورن پورکھ بدھاتا

برہم گیانی اناتھ کا ناتھ ‖ برہم گیانی کا سب اُوپر ہاتھ

ے صبح کو جبکہ اور آدمی دنیاوی کام و کاج میں مشغول ہونے کے لئے جاتے ہیں۔ تو محبت کی مصیبت برداشت کرنے والے اپنے یار کے کوچہ میں جاتے ہیں ✤

سوال :۔ گیان وان تو ہماری تمہاری طرح ناپاک جسم والا محدود (پرچھن) ہوتا ہے وہ اس اعلیٰ تعریف کے سزاوار کیونکر ہو سکتا ہے ؟

جواب :۔ نارائن! گیان وان ایک شریر (جسم) میں مقید نہیں ہوتا

ع وہ موجود رہتا ہے ہر رنگ میں + کبھی آب میں اور کبھی سنگ میں۔

اس رمز کو صرف وہی جانتا ہے جس کے اوپر بیتی ہو +

ع بھئی رے میراں پریم دیوانی - میرا مرم نہ جانے کوئی

سولی اوپر سیج پیادی - کِت بِدھ ملنا ہوئی +

تمہاری نگہ میں ایک خاص جسم اس کا ہے۔ اور دوسرا جسم کسی اور کا۔ لیکن اسکے ہاں تو ایک ہی معاملہ ہے - یہ شریر اس کا زیادہ اپنا نہیں ہے۔ اور وہ اس کا کم سگا نہیں ہے۔ اس کی نگہ میں تو شریر وریر ہیں ہی کہاں ؟ بُرا کہہ دو بھلا کہہ دو۔ کاٹ دو بدن کو ٹکڑے کردو اگر طاقت ہو تو۔ اس کا کیا بگڑتا ہے +

ع یہ جسم اپنا تو اے بدگوہ! تصور محض ہے تیرا

ہمارا بگڑتا ہے کیا ؟ ہا ہا ہا ! ہا ہا ہا ہا!

لوگ سمجھتے ہونگے کہ منصور کو سولی پر چڑھایا۔ شمس کی کھال اتاری۔ اور ایسا کرنے سے ان کو مار ڈالا۔ پر ہائے کہاں ؟

ع سولی صلیب زہروے مِٹھّے + کدے نہ مُکدا جو فقیرا آپے اللہ ہو

ع دار پہ چڑھ کر کہا منصور نے + آج اپنا بول بالا ہو گیا

ع مَرے نہ ٹرے نہ جرے - ہرے غم - پرم آنند سو پائیو

سنگل موہ بھرم گھٹ بھیتر - گورو شرتی برہم تو میو بنائیو

न मे मृत्यु शंका न मे जातिभेदः । [۱]
पिता नैव मे नैव माता न जन्म ॥
न बन्धुर्न मित्रं गुरुर्नैव शिष्य- ।
सच्चिदानन्द रूपः शिवोऽहं शिवोऽहं ॥ (از شنکر آچاریہ ستوتر)

ع۔ چِد آنند ہُوں رُوپ شنکر ہُوں ۔ شِو ہُوں ؂

اِدھر شُرتی ڈنکے کی چوٹ پُکار رہی ہے

अयं आत्मा ब्रह्म । [۲] (اتھرب وید مانڈوک اُپنِشد ۔ منتر ۲)
ब्रह्म सत्यं जगन्मिथ्या जीवो ब्रह्मैव नापरः । [۳]
अनेन वेद्यं सच्छास्त्रमिति वेदान्तडिमडिमः ॥ (از برہم ناماولی)

اُدھر پتّا پتّا اور ذرّہ ذرّہ ڈھول پیٹ کر یہ کہہ رہا ہے ؂

तत् त्वमसि, तत् त्वमसि । [۴] (سام وید چھاندوگیہ اُپنِشد ۔ پرپاٹھک ۶ کھنڈ ۸)

[۵] از ماہ تا بماہی ۔ حاکم توئی و شاہی ؂

---

[۱] نہ مجھے موت کا ڈر ہے ۔ نہ کوئی (دُنیوی) ذات پات کی تمیز ۔ نہ میرا کوئی پتا (باپ) اور نہ کوئی ماتا (ماں) ہے ۔ اور نہ ہی جنم ہوا ہے ۔ اِس لئے نہ کوئی رشتہ دار ۔ دوست ۔ گورو ۔ اور چیلا میرا ہے ۔ بلکہ میں تو ان تمام تعلّقات و اسماء و اشکال سے آزاد سچدانند سروپ (ہستی ۔ عِلم و سرور عین) ہوں ۔ شِو ہوں شنکر ہوں ؂

[۲] یہ آتما (ذاتِ انسان) برہم ہے ؂

[۳] برہم ست (ہستیِ مُطلق) ہے اور دُنیا جھوٹی (یعنی معدوم المعلوم یا خیال ماتر) ہے ۔ اور جیو برہم میں حقیقتاً بھید (فرق) نہیں ہے ۔ اسی (مبنعِ عِلم) سے ست شاستر جاننے کے قابل ہیں ۔ یہ ویدانت (تصوّف) کا ڈھنڈورا ہے ؂ [۴] وہ (ذات) ہے پیارے ! تُو ہے ۔ تُو ہی حقیقتاً تُو ہے ؂ [۵] چاند سے مچھلی تک یعنی آسمان سے زمین تک اے پیارے تُو ہی حاکم و بادشاہ ہے

زمین کے ہر ایک نس میں میں ایسا بھرا کہ بچاری کے پیٹ میں
اب سما نہیں سکتا۔ اُس کا بدن پھٹ رہا ہے۔ اور مجھے دھکے کھا کر
نباتات کے روپ میں باہر آنا پڑتا ہے ٭ پانی میں جا کر پناہ لی۔ تالاب
جھیل دریا سب مجھ مشتبہ سے ایسے بھرے کہ اُن کے اپنے لئے
جگہ نہ رہی۔ اُڑ گئے۔ بس ہی میں رہ گیا ٭

سلہ عجب یک دُرِّ نایابم کہ در دریا نگنجم
چہ طرفہ آہوئے ہستم کہ در صحرا نگنجم

سمندر کے ہر ایک قطرہ میں بھی جا دھسا۔ بہتیرا اپنے تئیں کوٹ کوٹ
کر بھرا ہے۔ پر ہائے! وہاں بھی مجھے سر چھپانے کو جگہ نہیں۔
باؤنا سا سمجھ کر سمندر نے پھول کی طرح مجھے دامن میں لینا چاہا۔
آنکھوں میں سمونا چاہا۔ مگر دامن ہی ٹوٹ گیا ٭

سلہ دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

میری بھرمار کے باعث سمندر کے بند بند میں سخت درد ہونے لگا
بچارا پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ بارمبار (متواتر) اپنے بدن کو اچھال
اچھال مار رہا ہے۔ ہُو ہُو ہا ہا کا واویلا مچا رہا ہے ٭
ایک آسمان کا بُد بُدا ہے۔ مجھ پران رُوپی بابُو کی سمائی اُس میں

سلہ میں ایک ایسا نایاب موتی ہوں کہ کسی دریا میں نہیں سما سکتا۔ اور ایسا عجیب ہرن ہوں
کہ خشکی میں نہیں سما سکتا ہوں ٭

سلہ نگاہ کا دامن تو تنگ ہے۔ اور تیرے حُسن کے پھول بہت ہیں۔ تیری بہار کے
پھول چننے والا تنگیِ دامن کی شکایت کرتا ہے ٭

بھی کہاں ؟ غریبا کا شکم مجھ کو لیکر پھولا پھولا۔ آخر کہاں تک ؟
لو وہ بھی پھوٹ گیا۔ موا گھر ٹوٹ گیا۔ خانہ برباد ہوں۔ سراپا فریاد
ہوں میرے لئے کوئی مکان نہ رہا (لامکان) اب کہاں جاؤں !
کیا بتاؤں ! پر ہائے ! سناؤں کس کو ؟ دوسرا کوئی نہیں۔ دوسرا
کوئی نہیں (وحدہٗ لاشریک)

ع آپ ہی آپ ہوں یاں غیر کا کچھ کام نہیں

ندا :۔ جاؤ جہنم میں ٭

رام :۔ جہنم میرے دھیان ہی کرنے سے جہنم کو سدھارتا ہے۔ کالعدم
ہو جاتا ہے۔ نام کو بھی نہیں رہنے پاتا (آنند سروپ ہوں) زمانہ
میرا ایسا جانی دشمن ہے (لازماں ہوں) کہ جہنم میں جاؤں تو
جہنم وہاں نہیں رہتا۔ مجھے پیر ٹکانے کو جگہ کہیں نہیں ٭

[1] نگنجم نگنجم۔ بہ بحر و بر نگنجم ٭
بہ جنت در نگنجم۔ تحیر بہر من حیراں
نشانم بے نشاں میداں۔ مکانم لامکاں میخواں
جہاں در دیدہ ام پنہاں۔ مرا جویند گستاخاں

ع [2] اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی ٭

یہ کیا ؟ میں کر رہی کیا رہا ہوں۔ مکاں کا مکان ہیں۔ زمان کا

---

[1] میں سمندر و خشکی پر کہیں نہیں سماتا ہوں۔ میں جنت میں بھی نہیں سماتا ہوں۔
حیرت خود میرے لئے حیرت زدہ ہے ٭ میرا پتہ لاپتہ سمجھ اور میرا مکان لامکان جان
جہاں میری آنکھ میں پوشیدہ ہے۔ مجھ کو ڈھونڈنے والے گستاخ (یعنی بے ادب) ہیں
[2] اے طبیعت کی روشنی ! تو میرے پر ایک آفت ہو گئی ٭

زمان ہیں۔ قائم بالذات ہیں۔ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں۔
اپنی مہما د جلال - glory) میں کیوں مست نہ رہونگا؟ پر
ہاں! میرے لئے ایک جگہ ضرور شرتی نے مقرر کی ہوئی ہے۔
وہاں آرام کرتے ہیں۔
ندا:۔ وہ کیا؟
رام:۔ تمہارا دل (قلب — हृदय)

ارض و سما کہاں مری وسعت کو پا سکیں
تیرا ہی ہے وہ دل کہ جہاں ہم سما سکیں[1]

अङ्गुष्ठमात्रः पुरुषो मध्यआत्मनि तिष्ठति। (یجروید کٹھ اپنشد ۔۴۔۱۲)

He is free and libertine
Pouring of his power the wine,
To every age and every race,
Unto every race and age,
He emptieth the beverage
Unto each and all
Maker and original
The world is the ring of his spells
And the play of his miracles.

. . . .

Thou seekest in globe and galaxy

---

[1] انگوٹھے ماتر وہ پرش (ذات لایزال) جسم کے اندر دہردیہ یعنی قلب میں (موجود مقیم) ہے۔

He hides in pure transparency,
Thou seekest in fountains & in fires.
He is the essence that inquires;
He is the axis of the star;
He is the sparkle of the spar;
He is the heart of every creature;
He is the meaning of each feature
And his mind is the sky;
Than all it holds more deep, more high.
(Emerson)

ترجمہ انگریزی - وُہ (عارفِ ذات) آزاد و لاپرواہ ہے۔ اپنی شراب (رُوپ طاقت رُوحانی زندگی) کو ہر زمانہ کی نسل کو دِل کھولکر عطا فرماتا ہے۔ وہ ہر زمانہ و نسل انسان اور ہر فردِ بشر کے دل کھولکر (یہ مستی کی شراب) پلاتا ہے۔ وہ اِس دُنیا کا بنانے والا اور اصل منبع ہے۔ دُنیا اُسکے منتروں کا (یا جادُو کا) چھلا (انگوٹھی) ہے۔ اور اُس کے معجزوں یا کرشموں کا میدان ہے۔ تُو (اُس عارف کو یا مستیٔ ذات کو) لوک اور پرلوک میں ڈھونڈتا ہے مگر وُہ (یارِ غار) خالص صفائیٔ قلب میں چھپا موجود ہے۔ تُو اُس کو بہشت کے چشموں اور یگیوں وغیرہ کی آگ میں ڈھونڈتا ہے مگر وہ خود اُس طالب (دریافت کنندہ) کی ذاتِ خاص ہے۔ وہ (دُھرو) ستارہ کا محور ہے۔ یعنی وُہ قائم بالذات ہے وُہ نُور کا بھی نُور ہے۔ وہ ہر مخلوق کا دِل ہے۔ وہ ہر ایک خط و خال کے معنی و مطلب ہے۔ یعنی تمام اسماء و اشکال اُسی (یارِ غار۔ ذات) کو دلالت کرتے ہیں۔ اور اُس کا اپنا دِل وسیع آسمان ہے (جس کے اندر لوک پرلوک گھرے ہُوئے ہیں) اور وُہ (ذاتِ آتمی) اُن سب کی نسبت زیادہ گہرا اور بلند ترین ہے ؛؛

ٮ بلبل از گل بگذرد چوں در چمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
در سخن پنہاں شدم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

ٮ بلبل اگر مجھ کو چمن میں دیکھ سے تو پھول چھوڑ دے۔ اگر برہمن مجھ کو دیکھ لے تو بت پرستی پھر کب کرے ٭ میں بات میں اس طرح پوشیدہ ہوں جیسے کہ پھول کی خوشبو پھول کی پتی میں ٭ جو کوئی کہ میرے دیکھنے کی خواہش (طلب) رکھتا ہے۔ وہ میرے کلام میں مجھ کو پاوے ٭

رسالۂ الف جلد اوّل۔ مارچ سنہ ۱۹ء نمبر ۳

ساہو دُور دُوئی جب ہووے
پھر ہی کون کوئی پت کھووے ؟
سِندھ دِکھے رنچک سم دیکھیں
آج نہیں پربت سم پیکھیں !
آلیا کَون نشر تُم پیا
اب تو آپ سہی ناہیں کیا !
چمکے نُور تیج سب تیرا ٭
تیرے نَینن کا ہے اندھیرا ؟
تُو تاں آپ بھُوپ پتی راجا
تُو ہی ربتن لوک کو ساجا ٭

او دریائے وحدت کی مَوج ! پیارے human face divine (اِنسان صُورت فرشتے) اہلِ نشاط کے قہقہے ہیں۔ بُلبُل کے چہچہے ہیں۔ رُستم کے نعرۂ کارزار میں۔ مظلُوم کے نالۂ دِلفگار میں۔ غُنچوں کی چٹک میں۔ غُنچہ لبوں کی مٹک میں تیری ہی کھٹک ہے ٭ کیا بازار۔ اور کیا گُلزار۔ کیا کجکولِ گدائی۔ اور کیا تاجِ شاہی تیرے دربار میں بار پانے کو ترستے ہیں ٭ گُگرخوں کی آواز اور بُلبُلوں کے نغمے تیری تصدیق کے بھُوکے اور پیاسے ہیں ٭ نافۂ ختن کو خوشبُو اور پیاز کو بدبُو کا سرٹیفکیٹ تیرا ہی دیا ہُوا ہے۔ ایک پتّھر (ڈھیرے) کو جو چاٹتا جائے تو ستم
ر

بلاہل ہے۔ یہ بلند رُتبہ تیرا ہی مرحمت کیا ہُوا ہے۔ لبِ جاناں پر صاد تیرا ہی عطیّہ ہے

[1] بادہ از ما مست شُد نے ما از مے ٭ ہم ز ما داں بوئے گل آواز نے

Ye glittering towns with wealth & plenty crowned
Ye fields where Summer spreads profusion round
For me your tributary stores combine
Creations heir the world, the world is mine.[2]

(۱) دُنیا کا وُہ حصّہ جو قوّتِ سامعہ سے محسُوس ہوتا ہے آکاش اور (۲) وہ جو قوّتِ لامسہ سے معلُوم ہوتا ہے۔ وایُو (۳) وُہ جو قوّتِ باصرہ سے محسُوس ہوتا ہے تیج (۴) وہ جو ذائقہ سے جانا جاتا ہے۔ جل (۵) وہ جو شامّہ سے محسُوس ہوتا ہے۔ پرتھوی۔ یعنی یہ کُل پنچ بھُوتک جگت (مذکورۂ بالا پانچ عنصروں سے مُرکب پرپنچ) اپنی ہستی کے لئے تیرا محتاج ہے۔ او پیارے شاہد (subjects)

[3] نیست غیر از ہستیٔ تو در جہاں موجود ہیچ
خواہ در انکار کوش و خواہ در اقرار باش ٭

---

[1] شراب ہم سے مست ہے ہم شراب سے نہیں۔ ایسی ہی بانسری کی آواز اور پھُول کی خوشبُو ہماری وجہ سے ہی ہے۔ ایسا سمجھ ٭

[2] اَے دولت و افراط سے سرتاج ہُوئے بارونق شہرو! اے کھیتو! جن میں موسم گرما چاروں طرف (سبزہ زار) بے تحاشہ پھیلاتا ہے! میرے لئے تمہارے یہ معاون ذخیرے اکٹھے ہوتے ہیں۔ تمام کائنات کی وارث یہ دُنیا ہے۔ اور یہ دُنیا میری ہے ٭

[3] تیری ہستی کے سوائے جہان میں کوئی موجود نہیں ہے۔ آپس خواہ تُو انکار کر اور خواہ اقرار ٭

تیری علم (consciousness) رُوپی کرنیں روزنِ دیدہ سے نکل کر الوانِ گوناگوں کو وجود میں لاتی ہیں۔ تیری شعُور کی شعاعیں کانوں سے نکلکر میٹھے اور کرخت آوازوں کو موجود کرتی ہیں۔ اَے پُشتِ پناہ صغیر وکبیر! تیرے بھروسے دلیر ہو کر صبا کو اٹھکیلیاں سُوجھتی ہیں ✤

भीषाऽस्माद् वातः पवते। भीषोदेति सूर्यः।
भीषाऽस्मादग्निश्चेन्द्रश्च। मृत्युर्धावति पञ्चम इति॥

(یجروید۔ تیتریہ اُپنشد۔ برہم ولّی۔ انوواک ۸ منتر پہلا)

مطلب:۔ "جس کے ڈر سے ہَوا چلتی ہے۔ جس سے دہشت زدہ ہو کر سُورج نکلتا ہے۔ جس کے خوف کے مارے اگنی اِندر تگ و تاز میں رہتے ہیں۔ اور جس سے ہراساں ہو کر ملک الموت مارا مارا پھرتا ہے۔ وُہ برہم تیرا ہی اپنا آپ ہے" ✤

[1] جلوہ گاہِ رُخِ تو دیدۂ من تنہا نیست ✤ ماہ و خورشید ہمیں آئینہ میگردانند

तस्मै सर्वं ततः सर्वं स सर्वं सर्वतश्च सः। [2] (واسِشٹ)

حیرانی ہے کہ

> جب وُہ جمالِ دلفروز۔ صُورتِ مہرِ نیمروز
> آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں مُنہ چُھپائے کیُوں؟

اگنی کی تجلّیات سے لکڑی پتّھر وغیرہ گوء جل اُٹھیں۔ لیکن اپنے تجلّیات سے آگ کو کبھی زیان نہیں پہنچ سکتا۔ سُلطان کے جلال سے وُزرا و اُمرا گوء خوف زدہ ہو جائیں۔ لیکن اپنے جلال

[1] تیرے چہرے کی جلوہ گاہ (یعنی تیرے چہرہ کا جلوہ دکھلانے والی) صرف میری ہی آنکھ نہیں۔ بلکہ چاند اور سُورج بھی یہی آئینہ اپنے سامنے لاتے ہیں (یعنی اُنکی آنکھوں میں بھی تیرا ہی جلوہ ہے یا وہ بھی تیرے رُخ کے دِکھلانے والے ہیں)۔ [2] اُسی (پربرہم) کے لئے یہ سب نام رُوپ پرپنچ ہے۔ اُس سے ہی یہ سب ہے۔ وہ خود یہ سب ہے اور سب جگہ وُہی ہے ✤

سے سُلطان کبھی ہراساں نہیں ہوتا۔ شیر کا نعرہ اور شیر مرد کی للکار۔ تلوار کے جوہر۔ اور سانپ کی پھنکار۔ زاہد کی دھمکی اور قاضی کی پھٹکار تیرے ہی تجلیات ہیں۔ تو اُن سے panic - stricken (خوف زدہ) کیوں ہے؟ شش و پنج میں کیوں پڑتا ہے؟ اُن کو "دو گھر کی بلّی گھر کو میاؤں" والا حساب بنانے کی اجازت کیوں دے رہا ہے؟

؎ دشنۂ غمزہ جانستاں ناوکِ نازِ بے پناہ
تیرا ہی عکسِ رُخ سہی۔ سامنے تیرے آئے کیوں۔؟

پیارے! ذرا اپنے آپ میں آ کر تو دیکھو۔ خطرہ کیسا؟ بلا کا کیا کام؟ مصیبت کا کیا نام؟ غم و غصہ رنج و محن کا واسطہ کیا؟

لہ مست و خراب میروم بے سرو پا ہمیروم	بیم ندارم از بلا تن تلملا "تلا" ملا
راہِ بقا ہمیروم چوں شہِ چرخ مفردم	غم نخورم زمانہ را تن "تلملا" تلا ملا

आनन्दं ब्रह्मणो विद्वान् । न बिभेति कदाचनेति ॥

(دیجر وید۔ تیتریہ اُپنشد۔ برہم وتی۔ انوواک ۴۔ منتر پہلا۔)

"آتم آنند (ذات کے سرور) والے کو بیم و حذر کیسا؟"

رُوپیہ پیسہ کے حساب کتاب میں منطق اور فلاسفی کے گورکھ دھندوں میں اور سائنس ریاضی کے اندر جال میں اوروں کے دیکھا دیکھی (بھیڑ چال) باریکیاں چھانٹتے ہو۔ موشگافیاں کرتے ہو۔ پر دگر طرے

لہ میں مست و دیوانہ بن کر اور بے سرو پا ہُوا پھرتا ہُوں۔ مجھے دُکھ سے کچھ خوف نہیں۔ بقا کے راستے پر میں چلتا ہُوں۔ اور آسمان کے بادشاہ کی مانند واحد ہُوں۔ مجھے زمانہ کا ذرا فکر نہیں۔ تن تلملا "تلا" ملا ؂

جتنا نہیں، پہاڑ جتنا موتی دُرِّ یتیم۔ اصلی اپنا آپ) غائب کر بیٹھے ہو۔
حیرت ہے۔

ع نہاں[1] چوں ماند آں رازے کہ بُودہ شمعِ محفلہا ؎

میرے عزیزو! اپنی گُم کردہ انگشتری کو ایک دفعہ پالو۔ زمین و
زماں میں حکمراں تُم ہی ہو۔

[2] سلیمانا بیار انگشتری را	مطیع و بندہ کن دیو و پری را
زچاہ و آب ما چہ رنجور ماندیم	رواں کن چشمہائے کوثری را
ز صُورت ہائے غیبی پردہ بردار	منوّر کن سرائے شش دری را

نادان زاہد! اخلاقی تعلیم کے ایڈووکیٹ! کہاں تک پہرہ دوگے۔
کہاں تک بیم و رجا کے فتووں سے "ہُو[3] کم ڈر" کرو گے؟
کہاں تک دوزخ اور مشیت کے جیلخانوں سے دھمکاؤ گے؟ کہاں
تک طرح طرح کی گیدڑ بھبکیاں سُناؤ گے؟ جب تک رات (جہل۔
اودیا) دُور نہ ہوگی۔ چوری یاری۔ جُوا شراب خوری وغیرہ کبھی
بند نہ ہونگے۔ لاکھ جتن پڑے کرو۔

---

[1] وُہ راز جو محفل کی شمع بن چُکا کب تک پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ مُراد یہ کہ جو بھید
عام مجلس میں ظاہر کیا گیا۔ پھر اُس کا پوشیدہ رہنا ناممکن ہے۔

[2] اے سُلیمان! تُو اپنی انگوٹھی لا۔ اور دیو و پری کو اپنا تابعدار بنا۔ ہم اِس دُنیوی
پانی و کنوئیں سے بیمار ہوگئے ہیں۔ تُو اپنے جنّت کے چشمے کو جاری کر۔ پوشیدہ
صُورتوں سے پردہ اُٹھا اور چھ دروازوں والے مکان (یعنی جسم) کو روشن کر۔

[3] رات کے چوکیدار پہرہ دار کی آواز جو ذرا کھٹکا سُنتے ہی بولتا ہے کہ "کون
آتا ہے؟" یا "کون ہے؟"

Deeds of darkness cannot be [1]
avoided in the dark.

سچی ودیا (Light, Truth) روپی سورج نکلنے ود - پاپ اور گناہ اندھیرے کے ساتھ ہی ہرن ہو جایئں گے ۔ افلاطون نے کیا سچ کہا ہے Knowledge is virtue یعنی گیان ہی شدھی روپ ہے ۔ سورج کے نور کے آگے دیپک وغیرہ کے نور کی روشنی کبھی ظاہر نہیں ہو سکتی - گیان وان (عارف) کے آنند روپی سورج کے روبرو لذاتِ نفسانی کے چراغ کیونکر جل سکتے ہیں ؟ اس Orpheus (اور فیوز) کے یزدانی نغموں کے ہوتے بچاری Sirens (سائرن) کی سارنگی کیا کر سکتی ہے ؟

[2] "What woman will you find,
Though of his age the wonder & the fame,
On whom his leisure will vouchsafe an eye
Of fond desire ? . . . .

---

[1] جو افعال تاریکی یا اگیان کے ہیں وہ اندھیرے میں بند نہیں کئے جا سکتے - مراد یہ کہ جہالت کے کام جہالت میں دور نہیں ہوتے بلکہ علم (گیان) کی روشنی سے دور ہوتے ہیں ۔ [2] ایسی کونسی عورت تمہیں ملیگی - خواہ وہ اس زمانہ کی اعجوبہ اور مشہور ہی ہو - جس پر اس کی (یعنی عیسیٰ مسیح کی) فرصت شوق بھری خواہش کی نگاہ ڈالے گی - . . . . اسکی (عیسیٰ مسیح کی) شاندار پیشانی سے گویا نیکی کی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے کوئی شخص کس نگاہ سے دیکھے گا ؟ حقارت سے اسکی (عورت کی) پرواہ نہ کریگا - اور اسکی تمام دلفریب کوششوں کو شکست فاش دیگا ۔

. . . .

. . . .

How would one look from his majestic brow,
Seated as on the top of virtue's hill,
Discountenance her despised, & put to rout
All her array!" (Milton)

رنگدار مہتابی کی روشنی کالے توے پر بھی پڑ جائے تو اُسے جگمگا دیتی
ہے۔منوّر کر دیتی ہے۔ویسے ہی معشوق کے قُفل۔لٹو۔ہاڈ۔ماس
بھرے چمڑے پر عاشق مزاج کی نگاہ پڑ کر اُسے بُقعۂ نُور بنا دیتی ہے۔

"A thing giveth but little delight [1]
That never can be mine" (Wordsworth)

[2] بادہ از ماست شُدئے ما ز مے ؛ ہم ز ما داں بُوئے گُل آوازِ نے
وُہ مہاتما جو اس حُسن و خُوبی کی حقیقت کو جانتا ہے اور اپنی ذات کو
پہچانتا ہے اُس نُورٌ علیٰ نُور کے رُوبرُو شہوت وغیرہ جذبات کے جگنو
(کرمکِ شب تاب) بھلا کیونکر چمکیں گے ؟ ؛

اَے عزیز! آفتاب تیرا اپنا آپ ہے۔تیری آنکھ کھولنے پر روزِ
روشن نمُودار ہوتا ہے۔آنکھیں بند کرکے اوِدیا (جہل) کی شبِ تاریکیوں
بنا رکھی ہے ؟

मातः किम् यदुनाथ, देहि चषकं, किं तेन

---

[1] جو چیز کہ بہت کم آنند دیتی ہے وہ میری ہرگز نہیں ہو سکتی۔

[2] شراب ہم سے مست ہوتی ہے۔ہم شراب سے نہیں۔پھُول کی خوشبو اور بانسری کی آواز (مُرلی) ہم سے ہی جان ؛

पानुपयः। नन्नास्त्यद्यकदस्ति वा निशि निशा का॰
वांध करोदये। आमील्याक्षि युगं निशाप्युपगता
देहीति मातुर्मुहुः। वक्षो जां स्तुक कृष्णोद्यतकरः
कृष्णास्त्त पुष्णातु नः ॥

(लीलाशुक)

مطلب :-

کرشن :- ماں! ماں!

یشودھا :- کیوں میرے لال۔ کیا؟

کرشن :- مجھے ایک کٹورا دو۔ جلدی!

یشودھا۔ کیا کرو گے اسے؟ کٹورے سے بھی کوئی کھیلتا ہے؟
وہ کھلونے پڑے ہیں۔ ان سے کھیلو۔

کرشن :- (ادا سے گردن نیوڑا کر) میں کھیلنے کے لئے کٹورا مانگ
رہا ہوں؟ ہم تو دودھ پئیں گے۔

یشودھا۔ لال! ابھی دودھ کہاں؟ یہ کوئی وقت ہے دودھ کا؟
دودھ تو ہے نہیں۔ کٹورا کیا کرو گے؟

کرشن :- (ناز سے چلا کر) اوں! اوں! اور کب دودھ ہو گا؟

یشودھا۔ ابھی تم مکھن کھاؤ اور رات پڑ لینے دو۔ پھر پیٹ بھر کے
تازہ دودھ پی لینا۔

کرشن :- (ہونٹ بسور کر) ہائے رات کب پڑے گی؟

یشودھا :- جب اندھیرا ہو گا۔

یہ سن کر ننھے کرشن نے جھٹ آنکھیں میچ لیں اور پھرتی

سے ہاتھ پھیلا کر زور سے کہنے لگا "لا۔ دُودھ دیدے۔ اندھیرا ہو گیا۔
لا دُودھ دیدے۔ رات پڑ گئی" ✦

ماتا یہ چالاکی دیکھ حیران رہ گئی۔ کھِل کھلا کر ہنستی اور پریم سے
بیخود ہو کر بچّے کو چھاتی سے لگایا اور پیار کرنے لگی ✦

وُہی کرشن (پرم آتما) آنکھ میچ کر روز کو شب بنانے والا۔ کھیر
سمُدر کا مالک دُودھ کے کٹورے کی خاطر رونے والا تمہارے "سر
پہ آنکھوں پہ کلیجے پہ" بیٹھ کر لیلا کر رہا ہے۔ وُہی چوروں کا لارڈ
(तस्कराणां पति:) تمہارے دِل و دماغ کی کوٹھری (गुहा) میں
گھُس کر حواس وغیرہ کی پُتلیاں نچا رہا ہے۔ وُہ کرشن تمہارا ہی آتم
دیو ہے۔ تم ہی ہو۔ آنکھیں بند کر کے رات بنانے کی مخول بازی چھوڑ دو

ع یہ ہنسی خُوب نہیں او گُل خنداں ہم سے ✦

ہنسی کی ٹھٹھی کر رہے ہو ✦ او شنکر تنو! تیرے سامنے تیری لاپرواہی
مجسّم ہو کر "کام" (جذبات وغیرہ) کے رُوپ میں نمودار ہوا تجھ پر تیر
و تفنگ برسا رہی ہے۔ کھول اپنا تیسرا نیتر (گیان چکشو)۔ اور اس کام
کو قُرۃ العین میں کر بھسم ✦

نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

او آفتاب انسان! آپ ہی اودیا (جہل) کے بادل بنا کر اپنے نُور کو محجوب
مت کر لے۔ اپنا پرکاش آپ ہی مت ڈھانکو ✦ کیوں نہیں ہر دم تجھ
سے نُور کے چشمے چاروں طرف جاری رہتے ہیں؟ اور آہُوئے ختن (طالب
حق)! تیری خوشبو سے صحرائے عالم مہک جانا چاہیئے۔ تیرے منہ

Peace on Earth & goodwill: وچنوں کے اثر کی بدولت شانتی اور آنند سے ہوائے دُنیا معطر ہوجانی چاہیئے۔ جیسے شمع سے نُور ہر طرف بکھرتا ہے، یوں ہی شانتی کا نُور مرشد سے چاروں طرف برستے رہنا چاہیئے۔ مرد یا عورتوں کے سینوں میں جذبات کے طوفان اور فساد و عناد کی آندھی کو تیرے امرت برسانے والے درشن ہی پاکر رُک جانا چاہیئے۔ جیسا کہ بھگوان دتاتریہ کو دُور سے وو ایک مرتبہ دیکھنے سے ایک اوّل درجے کی فاحشہ عورت کی زندگی پلٹا کھا گئی۔ کلیجے ٹھنڈک اور آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والے درشنوں سے شانتی کی ایسی برشا ہوگئی کہ گویا سخت آندھی کا طوفان دُور ہوگیا۔ بیچاری کے دل کی کشمکش اور کلفت کا گرد و غبار ایک دم سب بیٹھ گیا ٭

ہر[1] گیان پردیپ سدا شکھے
بِہو[2] موہ اُدے جو ہردے رتن کے
اَتی[3] کول اننگ پتنگ جہاں
نہ[4] کام سموہ گن آگر دیپے
جنہیں[5] اتی بھال کے بھاگ بھلے
سہ[6] الا اے گوہرِ بحر مصفا

من مندر یوگن کے بس کے
تم پُنج وُہی تاکو ہنکے
چھِن ماہیں شبھاوک تاہیں دہا
سو سینیہ سنیہ وُہی ارپے
اُس دیپک تاں من دھام جلے
کہ در عالم تُوئی پنہان و پیدا

---

[1] معرفتِ الٰہی کا چراغ ہر وقت جلتا ہے۔ عارفوں کے حرم دل میں قائم ہوکر (۲) نیز اُن کے دل میں اگر غفلت آنا چاہے تو اس ظلمات کے انبار کو وُہی (معرفتِ ذات کا چراغ) رفع کرتا ہے (۳) کام (جذبات) کا از حد بیقرار پتنگ آن کی آن میں خود بخود اس شمع پر جل جاتا ہے (۴) بے غرضانہ اعمال اُس شمع کی زبان (بتی) ہیں۔ محبت کا تیل اُس شمع میں خرچ ہوتا ہے (۵) جن لوگوں کا بخت از حد یاور ہو اُنکے محل دل میں یہ شمع روشن ہوتی ہے (۶) خبردار اے صاف سمندر کے موتی! کہ جہان میں پوشیدہ و ظاہر تو ہی ہے ٭

صاف و شفاف بلور کے پاس اگر نیلا کپڑا پڑا ہو۔ تو بلور نیلا نظر آئے گا۔ اگر پیلا کانچ کا ٹکڑا پہلو میں دھرا ہو تو بلور پیلا دکھائی دیگا۔ سُرخ شئے کے قریب ہونے سے سُرخ معلوم ہوگا۔ فی الواقعہ بلور سب رنگوں سے مبترا ہے ٭ کوئی سیّال (مایع یا گیس) اپنی لطافت کے باعث گول گلاس میں گول صورت قبول کرلیگا۔ چوڑے کٹورے میں چوڑا۔ اور چوکور برتن میں چوکور ہوجائیگا ٭ لوہے کی لمبی سلاخ آگ میں سُرخ گرم کی جائے تو اُس کے ساتھ مل کر آگ لمبی نظر آئیگی۔ گول توا بھٹی میں تپایا جائے تو توے سے ملکر آگ گول معلوم ہوگی۔ چوڑی چیز میں داخل ہوکر آگ چوڑی دکھائی دیگی۔ فی الحقیقت آگ کی کوئی شکل نہیں ٭ سب آنکھوں والے (اہلِ بصیرت) اِس امر کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور علم مناظرہ (Optics) نے ثابت کر دیا ہے کہ در و دیوار۔ گلزار و چشمہ سار جو کچھ تم دیکھتے ہو در اصل روشنی ہی کو تم دیکھتے ہو۔ روشنی ہی کی کرنوں میں سارا جہان نظر آتا ہے۔ یہی روشنی "شوخ۔ سُرخ۔ سوسنی" بنی ہوئی ہے۔ طرفہ یہ کہ اپنی ذات میں بالکل بے رنگ ہے ٭ اب جس طرح بلور۔ سیال۔ نار اور نور اپنی صفائی کے باعث اشکال و الوانِ بوقلموں قبول کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح نوراً علیٰ نور آپکا اصلی اپنا آپ (آتم دیو) باعث اپنی صفائی کے کہیں کچھ اور کہیں کچھ ہوکر نظر آتا ہے ٭

अग्निर्यथैको भुवनं प्रविष्टो रूपं रूपं प्रतिरूपो बभूव।
एकस्तथा सर्वभूतान्तरात्मा रूपं रूपं प्रतिरूपो बहिश्च ॥

۱؎ جیسے ایک ہی آگ سارے برہمانڈ (سنسار) میں داخل ہوکر ہر ایک سے علیحدہ ہوئی مختلف روپ ہوگئی ہے۔ ایسے ہی ایک آتما جو سب موجودات کے اندر ہے ہر ایک سے علیحدہ ہوکر نانا روپ (انواع و اقسام) ہوگیا ہے۔

(یجر وید کٹھ اپنشد۔ ادھیائے پہلا۔ ولی ۵ منتر ۹)

یار کو ہم نے جا بجا دیکھا | کہیں بندہ کہیں خدا دیکھا
صورتِ گل میں کھلکھلا کے ہنسا | شکلِ بلبل میں چہچہا دیکھا
کہیں ہے بادشاہِ تخت نشیں | کہیں کاسہ لئے گدا دیکھا
کہیں عابد بنا کہیں زاہد | کہیں رندوں کا پیشوا دیکھا
کرکے دعویٰ کہیں اناالحق کا | بر سرِ دار وہ کھنچا دیکھا
دیکھتا آپ ہے سُنے ہے آپ | نہ کوئی اُس کے ماسوا دیکھا
بلکہ یہ بولنا بھی تکلف ہے | ہم نے اسکو سُنا ہے یا دیکھا

ع گر نور ہے تو وہ ہے اور نار ہے تو وہ ہے ؂

ہر رنگ میں بستا ہے۔ تاہم یہ کرشمے سب نمودی ہیں۔ وجودی نہیں۔ وہ اپنی ذات میں پاک ہے۔ مبرا ہے ؂ مانا کہ بدھی (ادراک) اور پران اسی کے بحرِ وجود میں بلبلے سے ہیں۔ یا اُس رسی میں سانپ کی طرح بھاسنے ہیں۔ تاہم وہ بے کوٹ ہے۔ شدھ ہے ؂ وہ (آپ کا اصلی اپنا آپ) جسم نہیں ہے۔ حواس نہیں ہے۔ وہ پران نہیں ہے۔ وہ بدھی نہیں ہے۔ پرمائے صدقے اس صفائی۔ سچائی اور رسائی کے! کہ روشنی۔ بلور وغیرہ کی طرح جو ملا اُسی کے ہو گئے ؂ جس سے بھینٹ ہوئی اُسی سے ابھید ہو گئے ؂ شریر کے ساتھ ایک ہو کر کہنے لگ پڑے "میں بدری کا آشرم جاؤں گا۔ شریر امر ناتھ سے ہو آیا۔ وغیرہ" پرانوں سے ملکر اُن کے گُن اپنے میں رگڑن لئے۔ اور بول اُٹھے۔ "مجھے بھوک پیاس لگ رہی ہے۔ دودھ لاؤ" بدھی (ادراک)

سے یاری ہوئی تو بس آیسی کہ اُس کنیزک کو اپنی مُہر شاہی
سونپ دی۔ جو کچھ اُس سے سرزد ہُوا مان بیٹھے مَیں نے کیا
ہے مثلاً "مَیں نے کیا خُوب مضمون لکھا ہے۔ یہ دلیل کیسی برجستہ
سوچی ہے وغیرہ" او بھولے مہیش۔ میری جان! بلہار! تمہاری
صفائی۔ لطافت۔ نزاکت پر بلہار!! پر ذرا دیکھنا۔ وہ بات مت کرو
"جنہاں لائی گلین اوسے نال اُٹھ چلیں"[1] ٭ بدھی۔ پران۔ من۔ اندریہ
وغیرہ کا کُسنگ چھوڑو۔ اور اپنے تئیں کلنک مت لگاؤ۔

؎ بام پر نکلے نہ جانا تم شبِ مہتاب میں
چاندنی پڑ جائے گی میلا بدن ہو جائیگا

[2] असंगोऽहमसंगोऽहमसंगोऽहं पुनः पुनः।
सच्चिदानन्दरूपोऽहमहमेवाहमव्ययः॥ (برہم نادلی)

تُم ست چت آنند گھن ہو۔ دیہ پران وغیرہ کیوں بنے پھرتے ہو۔ است
جڑ دُکھ روپ کہلانے میں کیا سواد دھرا ہے؟ پیارے اِس خودکشی سے
فائدہ؟ "خُون و خوے و منی و بول و لعاب" اِن پانچ پانیوں کے کیچڑ
(پنج آب۔ پنجاب۔ جسم) میں کیوں پھنسے ہو۔ عجب دل لگی ہے!٭
[3] تو چنیں نہاں در میغے کہ مہے بزیرِ میغے ٭ بدراں تو میغِ تن را کہ مہی و خوش لقائی

---

[1] جس کے ساتھ بات چیت کی اُسی کے ہو لئے۔

[2] میں اسنگ (لاتعلق) ہوں۔ میں اسنگ ہوں۔ یعنی میں مطلقاً لاتعلق (اسنگ) ہوں۔
میں سچدانند سروپ (ہستی۔ علم۔ سرور) ہوں۔ اور میں ہی لازوال ذات (اویناشی آتما) ہوں ٭

[3] افسوس۔ تو ایسا پوشیدہ ہے جیسے کہ چاند بادل کے تلے چھپا ہوتا ہے۔ تو اِس بدن
رُوپی بادل کو پھاڑ ڈال۔ کیونکہ تو چاند ہے۔ اور بہت ہی خوبصورت ہے ٭

طالب:- کچھ سمجھ میں نہیں آتا- بھلا ہم جیو (پاپی بندے) ست
چت آنند (ہستی علم سُرور) کیونکر ہو سکتے ہیں؟ تراہ! تراہ!! (توبہ
توبہ) ایسا کفر! ساری خدائی تو پکار رہی ہے کہ ہم ظلوم و جہول ہیں
اور آپ خواہ مخواہ ہمیں برہم (خدائے پاک) گردانتے ہیں- خدا کی
پناہ! خدا کی پناہ!! ؛

عارف:- پیارے! سخت حیرت ہے کہ آپ برہم کے ماسواء اور
کچھ بھی نہیں ہو- سراسر برہم ہی برہم ہو- اور پھر انکار کرتے ہو-
ہر فرد بشر گوشِ فلک کو بہرہ کر دینے والے صدائے بلند سے پکار
رہا ہے کہ "میں پاک ہوں- سرورِ مطلق ہوں- نہیں مرنے والا-
ایک ہی ہوں- بالاترین ہوں چیتن گھن ہوں- وغیرہ" بس پہ
بھی آپ منکر ہے ہیں-

ع غضب کرتے ہو ظالم آگ پانی کو لگاتے ہو ؛

طالب:- یہ اور بھی انوٹھی سنو ؛ اوروں کو تو رہنے دیجئے- بندہ
اپنی بابت ایمانا کہہ سکتا ہے کہ کبھی بھولے سے بھی نہ کہا ہوگا
کہ میں برہم ہوں- بتائیے تو سہی کہ آپ کے سامنے کب خدائی
دعویٰ کیا تھا اور کس زبان میں کیا تھا؟

عارف: سنسار کے کوروکیشتر میں آپ اور باقی سب لوگ
(जीवन) اعمال शिवोऽहं शिवोऽहं (انا الحق انا الحق) کا لیکچر
کی زبان سے ہر وقت کار رہے ہو- گو چمڑے کی زبان سے انکار
کر جاؤ- پر زبانی قیل و قال کی نسبت اعمال کا ڈھنڈورا زیادہ قابلِ
اعتبار ہوتا ہے- "Acts speak louder than words"

ایک نوجوان شراب پی کر مست پڑا تھا۔ اُس کے باپ نے آکر لعن وتشنیع شروع کی۔ نوجوان صاف مُکر گیا۔ اور قسمیں کھا کھا کر بولا کہ میں نے شراب چھُوئی تک بھی نہیں۔ پر مستی بھی کہیں چھپی رہ سکتی ہے؟ نشہ آنکھوں میں بول رہا تھا۔ بُو خود بخود شراب کی رپورٹ دے رہی تھی۔ اِنکار کر ہی رہا تھا کہ قئے آگئی۔ لو اب کیا چھپاؤ گے؟

نہیں چھُپتا مثالِ بُو چھپائے لاکھ پردوں کے
مزا پڑتا ہے جس گُلِ پیرہن کو بے حجابی کا۔

زبان نے ہر چند چھُپانا چاہا۔ پر اعمال نے تشہیر کر ہی دیا ÷

اے عزیز! عین سرور (مستی آنند گھن) تیری اصل (آتما) ہے تو اِس مُشک کو چاہے جتنا چھُپا۔ چھُپے گی کبھی نہیں ÷

(۱) یُدھشٹر سے سوال کیا گیا کہ آشچریہ (تعجّب) کیا ہے؟ جواب دیا کہ

अहन्यहनि गच्छन्ति भूतानि यम मन्दिरम् ।
शेषाः स्थिरत्वमिच्छन्ति किमाश्चर्यमतः परम्॥ (مہابھارت)

یعنی وہ ہر روز دیکھتے اور سُنتے ہیں فلاں مر گیا۔ فلاں رحلت کر گیا اور جانتے بھی ہیں کہ جو پیدا ہُوا ضرور مرے گا۔

لہ روز بروز لوگ یم لوک (ملک الموت) کو جاتے ہیں (یعنے یہ سب کے دیکھنے میں آتا ہے کہ آج فلاں مرگیا کل فلاں مرگیا۔ مگر تِس پر بھی جو ابھی اُس کے پنجہ میں نہیں آئے (وہ) باقیماندہ لوگ جینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اِس سے زیادہ تعجب بھلا کیا ہوگا ÷

ؔ زندگی موت تھی اِک عمر میں ثابت یہ ہُوا
میرا ہونا تھا فقط میرے نہ ہونے کے لئے

پس پر بھی کسی کو اپنی موت کا یقین نہیں آتا۔ مُنہ سے گو ہر وقت موت کی راگنیاں پڑے گائیں "یہ دُنیا ہے چار دہاڑے اپنے رہنا ناہیں۔ وغیرہ" لیکن عملی طور پر اِس کی تردید میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ کاروبار کا سلسلہ برابر پھیلاتے جاتے ہیں۔ اور اپنے بڑھاپے یا تجرّد کے خیال کو دریا بُرد کر اِس لاپرواہی سے بحرِ فنا میں حرص کا لنگر ڈال بیٹھے ہیں کہ گویا موت کا طوفان کبھی آتا ہی نہیں۔ اس سے بڑھکر حیرتناک اور کیا ہو سکتا ہے؟

ؔ जीर्यन्ति जीर्यतः केशा दन्ता जीर्यन्ति जीर्यतः।
जीवनाशा धनाशा च जीर्यतोऽपि न जीर्यति॥

ؔ بفکرِ نیستی ہرگز نمی اُفتند مغروران ۞ اگرچہ صُورتِ مقراض لا دارد گریبانہا

آخر اِس میں بھید کیا ہے؟ ایک دن جسم کے میّت ہوجانے میں تو کچھ شک ہی نہیں۔ پھر مرنے کا اعتبار کیوں نہیں آتا؟

پیارے! اسکے صریحاً یہ معنی ہیں کہ تمہاری ذات میں "مرنا" نام کو بھی نہیں۔ تمہارا آتما امر ہے۔ اکال ہے۔ تمہارا اصلی اپنا آپ ست سروپ ہے۔ (حیّ لا یموت ہے)

ؔ بڑھے آدمی کے بال اور دانت تو مُرجھا جاتے ہیں۔ لیکن دولت اور زندگی کی ہوس تب بھی نہیں مٹتی ہے۔

ؔ مغرور لوگ نیستی کی فکر میں ہرگز نہیں پڑتے۔ اگرچہ اُن کے گریبان لا (نفی) کا جیسی قینچی کی صُورت رکھتے ہیں۔

न हन्यते हन्यमाने शरीरे ॥ ؎۱

Death hath not touched it at all ؎۲

Dead though the house of it seems.

؎۳ بہ پوشندۂ جامہ جان است نام ۔ ؛ خیالِ فنا گشتنش ہست خام

تم نے مرنا تو کبھی ہے نہیں۔ موت کے قال و قیل پر عملی اعتقاد کیونکر جچے؟ اسی واسطے تمہارا ہر ایک فعل یہ دف بجا رہا ہے کہ

؎۴ ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما ؛

(۲) اور سُنئے۔ مُنہ سے تو "میں پاپی۔ میں پاپی" کی گپ ہانکتے نہیں شرماتے۔ بلکہ بعض اوقات اِس نا ملائم خیال کو feelings (پریم) کے پاکیزہ لباس میں سجاتے ہیں مثلاً

؎۵ چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در پیشِ تو نیست
عاجزی و بے کسی عذر و گناہ آوردہ ام

مگر عملی طور پر متواتر اس کے برخلاف یہ جتلانے والے لیکچر دیئے جاتے ہیں کہ "میں بے لوث ہوں۔ شُدھ ہوں نر لیپ ہوں۔ پاک ہوں"

؎۱ شریر کے مارے جانے سے ذاتِ حق (آتما) فنا نہیں ہو جاتی (یا) فنا نہیں کی جا سکتی۔

؎۲ موت نے کبھی اُس (ذاتِ لازوال) کو نہیں چھُوا۔ اگرچہ جسم یا گھر اُس کا مُردہ معلُوم ہوتا ہے ؛

؎۳ کپڑے (جسم رُوپی لباس) پہننے والی جان ہے۔ اُس کے فنا ہونے کا خیال خام ہے ؛

؎۴ جہان کے دفتر پر ہماری ہی ہمیشگی درج ہے ؛

؎۵ اے بادشاہ میں چار چیزیں ایسی لایا ہُوں کہ جو تیرے پاس نہیں ہیں۔

(۱) عاجزی (۲) بے کسی (۳) عذر اور (۴) گناہ؛ (اس سے آگے دُوسرے صفحہ کے نوٹ کو دیکھو)

آخر حقیقت کو کوئی کہاں تک دھوکا دیگا ✢

सत्यमेव जयते नानृतं ॥ [1]

(منڈک اُپنشد (دھیائے ۳۔ کھنڈ ۱ منتر ۶)

ع کوڑ نکھٹے نانکا اوڑک سچ سہی ✢

جب کوئی چھوٹی سی بھی غلطی دِکھلا دی جائے تو ناگوار گذرتا ہے سہارا نہیں جاتا۔ کوئی قصور ظاہر کر دیا جائے تو بُرا ماننے کو تیار ہیں۔ "ہائے ہماری عزت میں فرق آگیا" جب کسی قسم کے ناپسندیدہ کلمات اپنے حق میں سُنے جائیں تو متکلم کو جھٹ نوٹس دیا جاتا ہے کہ "اپنے الفاظ کو واپس لو - (Withdraw your statement) ورنہ نالش دائر ہوگی ✢ ایک چھوٹے سے بچے کو قصور وار ٹھہرایا جاوے۔ تو بُجھ بُڑانے لگے گا۔ ایک ادنیٰ نوکر کو الزام لگایا جائے تو ناراض ہو جائے گا ✢

اِس قسم کے کردار سے صاف صاف یہ معنی ٹپکتے ہیں کہ ہر کوئی بلحاظ اپنی ذات کے پاک (شُدّھ) ہے۔ بے لوث (نرلیپ) ہے۔ جسم یا عقل کے قصوروں اور گناہوں سے کبھی تر دامن نہیں ہو سکتا ✢

مُرغابی خواہ گدلے پانی میں رہے خواہ گنگا جل میں۔ کبھی بھیگتی نہیں ویسے ہی آتما خواہ پاک بُدھی اور جسم میں دیکھا جائے خواہ ناپاک میں یہ ا شُدھ اور مُبرا ہے ✢

(نوٹ نمبر ۵ کے متعلق) یہ یاد رہے کہ اِس عجز و انکسار بھرے شعر میں بھی لُطف کا حصہ وہی ہے جہاں مصنف نے personal God (شخصی خدا) پر اپنی برتری جتائی ہے ✢

[1] ست ہمیشہ جیتتا ہے اور دُوسرا نہیں ✢

किं गंगाम्बुनि बिम्बितेऽम्बरमणौ चाण्डालवाटीपयः।
पूरे वान्तरमस्ति काञ्चनघटीमृत्कुम्भयोर्वाम्बरे॥
प्रत्यग्वस्तुनि निस्तरंगसहजानन्दावबोधाम्बुधौ।
विप्रोऽयं श्वपचोऽयमित्यपि महान् कोऽयं विभेदभ्रमः॥

(شنکر آچاریہ منیشا پنچک ۔ستوتر)

آفتاب گنگا جل میں منعکس ہونے پر زیادہ پوتر نہیں ہو جاتا۔ اور شراب میں درخشاں ہو کر ناپاک نہیں بن جاتا۔ ویسے ہی آتما (یعنی اصل اپنا آپ) جسم و عقل کے ناقص ہونے پر ناقص نہیں ہوتا اور ان کے کمال سے بہرہ یاب ہو کر عروج نہیں پکڑتا۔ وہ پُرش جس نے اِس حقیقت کو جانا ہے۔ اور اپنے نج سروپ میں اِس طرح آروڑھ ہو گیا ہے جیسے عام لوگ خواہ مخواہ جسم یا عقل میں گھر کر بیٹھے ہیں۔ وہ پُرش امر ہے۔ وہ پُرش بلند ترین مقام والا ہے ٭

ع جہاں جاتے ہوئے حرص و ہوا کے ہوش اُڑتے ہیں ٭

کیوں نہیں اپنے اِس راج کو سنبھالتے ؟ اوروں کی تحریریں اور

ا۔ گنگا جل میں یا چانڈال کی گلی کے گڑھے (جوہڑ) میں یا سونے کے برتن میں یا مٹی کے گھڑے میں جب سورج اپنا عکس ڈالتا ہے۔ تو اس معکوس سورج میں بھلا کیا فرق ہو سکتا ہے؟ (یعنی صاحب عکس میں کوئی فرق نہیں ہو جاتا۔ خواہ پانی کسی قسم کا کیوں نہ ہو) پھر اُس غیر متحرک آنند اور گیان کے سمندر سروپ پرتیگ آتما میں تجھے ایسا وہم، فرق کیوں ہو گیا۔ کہ یہ براہمن ہے یہ چانڈال (نیچ ذات) ہے ٭

تقریریں پڑھتے سُنتے عُمریں گزر گئیں۔ ذرا اپنے جادُو بھرے لیکچر کو بھی گوشِ رغبت سے سُنو جو ہر وقت دے رہے ہو۔ اور دے بھی رہے ہو زُبانِ حال میں ⁂ ذرا غور کرو۔ ہے کوئی بشر اپنے اُوپر الزام آنے دیتا؟ علانیہ جُرم کا مُرتکب ہو چُکا ہو۔ تو بھی اپنے الزام کا دھبّہ کسی غیر کے ماتھے لگانے کی کرے گا ⁂ اپنے تیوروں سے۔ جوش و خروش سے۔ تہِ دل سے اور زُبان سے چلّا چلّا کر پُکارے گا۔ کہ مَیں بے داغ ہُوں۔ مَیں اپاپ ہُوں ⁂ سرکاری عدالتوں میں جہاں بھلائی بُرائی کو دیکھنے والے جج مسند نشین ہوں۔ وہاں اوحقیقت (Truth) کو پرکھنے والے شاہد (ثالثِ بالخیر!) ذرا جلوہ گر ہو کر دیکھ لے۔ جج پُوچھتا ہے "تُم نے فلاں اپراد (جُرم) کیا"؟ مُلزم بولے گا۔ "حضُور! ہرگز نہیں۔ بالکل نہیں۔ کبھی نہیں" اگر کافی شہادت اور ثبوت ملزم کے برخلاف مل جائے۔ اور اُس پر فردِ قرار داد جُرم لگایا جاوے۔ تو بھی مُجرم تو فی الواقعہ سچّا ہی ہے۔ اُس حاکم کا ذہن مقدمہ کی اصلیت سے لڑا نہیں۔ اپیل دائر ہو۔ مگر اپیل والے نے بھی مُجرم ہی قرار دیا ہے۔ تو "رعایت ہُوئی ہے۔ رشوت اور لحاظ چل گئے ہیں" ⁂ قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ تو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ مُلزِم عیب والا تھا۔ بلکہ "سرکار کے گھر میں انصاف نہیں۔ عدالت اندھی ہے" ⁂ دُنیا بُرا کہتی ہے تو ساری دُنیا (hydra-headed mob) پاگل ہے۔ مگر "میں اِرنہ کلنک ہُوں ⁂

ہاں او مرد بدنام در اصل تو نِہہ کلنک ہے۔ بالکل بے عیب ہے۔سورج کے ساتھ اُلّو تو شاید کبھی آنکھ لڑا بھی لے۔مگر تیری ذاتِ پاک کے مقابل عیب ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔البتہ اگر تیرے ہاں خطا ہے تو یہ ہے۔کہ لاپرواہی سے اپنے شُدھ اور اننت سروپ کو بھول کر اپنے تیئں ناپاک جسم اور عقل وغیرہ ٹھان بیٹھا ہے۔بلکہ اپنے باطن کے پاکیزہ کلام کو (جو تجھے یہ جتلاتا ہے کہ تُو امر اور شُدھ ہے) بگاڑ کر اُسے اُلٹے معنی دے رہا ہے۔جیسے ایک بیمار۔دوست۔کی عیادت کو آئے ہوئے بہرے نے کیا تھا۔

تمہاری ذات (Nature) اِس خیال کی تاب نہیں لاسکتی (rebels against it) کہ "تم ناپاک ہو" ہر ایک شخص کو چھوٹا بننے سے قدرتی عار

نوٹ:- ایک بہرے کو خبر ملی کہ اس کا دوست سخت بیمار ہے۔مزاج پُرسی کو جانے کا اِرادہ کیا۔معاً یہ خیال آیا۔کہ مریض بے چارہ نرم آواز سے بولے گا۔اور ہمیں پہلے ہی اونچا سنائی دیتا ہے۔اُس کے دھیمے الفاظ کو سمجھنے میں بڑی دِقت پیش آئے گی۔بار بار "ہُوں؟ ہائیں؟" کیا۔تو بُرا معلوم دے گا۔سب کہیں گے "کہاں سے سمع خراشی کرنے آگیا" بہتر یہ ہوگا کہ تھوڑی سی بات چیت کرکے بیمار کو خوش کر آئیں۔

دِل میں یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔اور راستے میں چلتے چلتے گفتگو کا یہ پروگرام تیار کیا:-

پہلی بات ہم یہ پوچھیں گے کہ "اب طبیعت کا کیا حال ہے؟"۔جس کا جواب حسبِ دستور یہ ہوگا کہ "اب تو کچھ آرام ہے۔آپ کی مہربانی"۔

ہے۔ اِس زبانِ حال کا اُپدیش یہ (natural repugnance) ہے کہ "عصیان و تقصیر سے مُبرّا اور معرّا تُم ہو۔ (शुद्धम् -) تُم جسم اور جسمانی ہرگز نہیں ہو۔ جسم (فضلے अपापविद्धम् اور میلے کا تھیلا) تو کسی کا کبھی۔ پاک نہیں ہو سکتا۔ خواہ کوئی ہزاروں سال اُسے گنگا میں دھویا کرے"۔

س۔ کبھی نہ ہووے شدھ کبدھ یہ جل میں دھوئے
پیاز نہ کیسر ہوئے جائے کشمیر سے بوئے

ہماری طرف سے سوال دوم یہ ہوگا کہ "کونسی دوائی کا استعمال ہے؟ جسکے جواب میں وہ کسی نہ کسی دوائی کا نام ضرور لیں گے۔ پھر تیسرا سوال یہ کیا جائے گا کہ "آپ کون سے ڈاکٹر صاحب کے زیرِ علاج ہیں؟" اِس کے جواب میں مریض کسی نہ کسی طبیب کا نام ضرور لے گا۔ ہم خوش کرنے کی خاطر بیمار کی ہر ایک بات پر "بہت ٹھیک۔ بہت ٹھیک" کر کے چلے آئیں گے۔
ایسے پکے دینگے کہ کوئی جان ہی نہ سکے ہم بہرے ہیں۔
اِدھر پروگرام تیار ہُوا۔ اُدھر بیمار کے درِ دولت پر آن موجود ہُوئے۔ مریض کی حالت نہایت ردّی تھی۔
بہرا۔ السلام علیکم! قبلہ! کیا حال ہے! اب تو کچھ آرام ہے نہ؟ جونہیں یہ خبر سُنی کہ جناب کی طبیعت علیل ہے۔ دل بے چین ہو گیا۔ خدا آپ کو جلد شفا بخشے!
مریض۔ ہائے مرتا ہُوں۔ جاں بلب ہُوں۔ ہائے! ہائے!!
بہرا۔ (مریض کے ہونٹ ہلتے دیکھ کر) الحمد للہ۔ آپ کا رُو بصحت ہونا سُن کر جان میں جان آ گئی۔ شکر ہے باری تعالیٰ کا۔ شکر ہے۔ آپ دوائی

تمہارے اندر سے جوش (impulse) کے ساتھ یہ نوید (message) سنائی دیتی ہے کہ "پاک حق جو ہے سو ہی تم ہو۔ جسم نہیں ہو۔ ناپاک اور محدود جسم و عقل کے خیال کو تیاگو اور اپنی ذاتِ مقدس میں جاگو" ۔ مگر واہ رے اُلٹی سمجھ والے بہروں کے بہرے! تم پر اِس خروشِ اندرونی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تم اپنے ساڑھے تین ہاتھ کے انڈھان کو پاک اور بے عیب دکھایا چاہتے ہو۔ جسم اور عقل کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ دیہ ابھانی رہ کر الزام سے گریز کرتے ہو ۔ تمہاری ذات سے علی التواتر یہ لیکچر نکلتا ہے کہ منصور کی طرح سَر سے پرے ہوکر مالکِ ہردو جہان ہو جاؤ۔ اپنی کبریائی کو سمبھال لو ۔ مگر عجب بہرے ہو کہ فرعون اور نمرود کی مانند زر

کون سی استعمال کرتے ہیں ؟

مریض (حیران ہوکر) زہر نوش کرتا ہوں۔ زہر ۔

بہرا۔ یہ دوائی تو اکسیر ہے۔ تریاق ہے۔ آپ کے مرض کے لئے آبِ حیات ہے بہت ٹھیک! حضور کون سے طبیب کے زیرِ علاج ہیں ۔

مریض:۔ (نہایت تنگ ہوکر) ملک الموت کے۔

بہرا:۔ ڈاکٹر صاحب موصوف تو حکیم حاذق ہے۔ وہ تو افلاطون و جالینوس ہے اُس کے دستِ مبارک میں شفا ہے۔ بُلکی علاج کرتا ہے۔ میں ابھی اُس کے وہاں سے آرہا ہوں ۔

اِدھر مریض بہرے کے جوابات سے جل بھُن کر کوئلہ ہُوا جاتا تھا۔ اُدھر بہرا اپنی دُور اندیشی اور عقلِ رسا پر فخر و ناز کر رہا تھا۔ کیا خوب ۔

و زمین سے محدود ہو کر بڑا بننا چاہتے ہو۔ تکبر میں پھنسنے ہو ٭

لہ نمرود شد مردود چوں۔ بود مش نگاہ محدود چوں
مارا تکبر کے سزد۔ چوں کبریا ہر جاستم

تمہارے طورِ اعمال پر نورِ حقیقت سے یہ ندا آ رہی ہے۔ کہ چمڑے کی جوتیاں (خیالِ جسم) اتار ڈالو۔ کیونکہ جہاں تم کھڑے ہو۔ سرزمینِ تقدس ہے ٭ پر حیف! او بہرے کلیم اللہ! تم یہ جوتیاں (جسم) روح القدس پر رکھا چاہتے ہو ٭

(۳۴) خوشامد چیونٹی سے لے خدا تک کو بھاتی ہے

ﷲ ع خوش آمد ہر کرا کردی خوش آمد ٭

آخر کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ فقط یہی کہ خوشامد ہمیں گلِ دلربا کی بو پہنچاتی ہے۔ ہمارے گھر (گنج وھام) سے پیغام لاتی ہے۔ میں آتم دیو بہت بڑا ہوں۔ یہ پتا بتاتی ہے۔ اور یہ مژدہ سناتی ہے کہ

ے طور پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو
معنیٔ یاسین ہے تو مفہوم "اوادنی" ہے تو

افسوس! اس وصلی کو لے کر تم اِدھر یا رُوپی شراب میں ڈبو دیتے ہو کہ ع کہ ایں دفترِ بے معنی غرقِ مئے ناب اولیٰ

یا اس کے اوپر کے خوشنما لفافے پر کچھ دیر مست ہوتے ہو۔ پھر

لہ نمرود کیوں ذلیل ہوا؟ اس لئے کہ اس کی نگاہ محدود تھی۔ ہمیں ایسا تکبر کب زیب دیتا ہے کیونکہ میں کبریا (مولا) کی طرح ہر جگہ سمایا ہوا ہوں۔ (بھلا مجھے تکبر کیوں ہو جبکہ میں ہی ہر جگہ سب سے بڑا ہوں) ٭

ﷲ جس شخص کی تم نے خوشامد کی اسے اچھی معلوم دی ٭

بے پڑھے اُسے جسم رُوپی ردّی کے ٹوکرے (waste paper basket) میں ڈال دیتے ہو (یعنی وُہ بڑائی جسم کو منسوب کرتے ہو) ؎

اگر اِس "خوشامد" کے لفافے کو پھاڑ کر پیغام کے نفس مضمون کو دیکھا ہوتا جس میں خاص حق تعالٰی (آتما) تمہیں لکھتا ہے۔ کہ

؎ ہائے دردا دِہ وَنڈا میرا | کراں منتاں تے بھراں ٹھیاں ہیں
کاہنوں نال جُدائی جلاوناں ہیں؟ | مُٹھی کدوں تیرے نالوں اُٹھیاں ہیں

تو باچھیں کِھل جاتیں۔ فرطِ انبساط کے باعث لفافہ ہاتھ سے گِر جاتا (یعنی خوشامد چھُٹ جاتی)۔ خوشامد کی چِٹھی میں تصویرِ یار ہے۔

؎ آجائے اگر ہاتھ تو کیا چین سے رہیئے
سینے سے لگائے تیری تصویر ہمیشہ

تصویرِ یار ہی نہیں بلکہ خود یار گویا ہے کہ

[1] اے نزدیکِ منی مرا بیں دُور ؎ پہلوئے منی مباش مہجُور

(۴) طالب علموں! سرکاری ملازموں! حلفاً کہنا۔ کیا عزیز ہے تمہیں یہ میٹھا نام "چھُٹی"! ہائے آزادی! ساری دُنیا تڑپتی ہے آزادی کے لئے [2]

O Liberty!
Thou huntress swifter than the moon! thou terror
Of the world's wolves! thou bearer of the quiver,
Whose sunlike shafts pierce tempest-winged error,

---

[1] تُو میرے نزدیک ہے مجھ کو دُور مت دیکھ۔ تو میری بغل میں ہے مجھ سے الگ مت ہو۔

[2] اے آزادی! تُو چاند کی نسبت بھی زیادہ تیز (لوگوں کا) شکار کرنے والی ہے۔ (یعنی ہر خاص و عام کا دل تیرے پھندے میں پھنس جاتا ہے) اور دُنیا کے بھیڑیئے (یعنی

As light may pierce the clouds when they dissever
In the calm regions of the orient day!

. . . .

The voices of thy bards and sages thunder
With an earth-awakening blast
Through the caverns of the past;
Religion veils her eyes, Oppression shrinks aghast,
A winged sound of joy, and love, and wonder,
Which soars where Expectation never flew,
Rending the veil of space and time asunder

آزادی تمہاری (اصلی حالت) normal state ہے۔ تم پہلے ہی

دوسروں کو اپنے قابو میں رکھنے والے) تجھ سے بہت ڈرتے ہیں (کیونکہ اگر ہر ایک
آزاد ہوگیا تو دوسروں کی زندگی پر گزر بسر کرنے والوں کو دن کاٹنے مشکل ہو جائیںگے)
تو اِس پرکار کا ترکش اپنے ساتھ رکھتی ہے کہ جس کے سورج کی مانند تیر طوفان
بپا کرنے والی غلطی کو ایسے چھید دیتے ہیں جیسے روشنی بادلوں کو چھید دیتی ہے۔ جبکہ
روشن دیا شرقی علاقہ کے اندر) دن کے شانت طبقات میں وہ (بادل) منتشر ہوتے ہیں
....تیرے ثنا خوانوں (شاعروں) و رشیوں کی آوازیں زمانۂ
گذشتہ کی تہ سے سرزمین کو جگا دینے والے (ہوا کے) جھکاڑ کی طرح گرجتی ہیں۔ مذہب
(دین) اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ ظلم ڈر کر بھاگتا ہے۔ جہاں کبھی اُمید بھی دور
نہیں پہونچی وہاں خوشی محبت اور تعجب کی آواز پر لگا کر ایسی اوپر اٹھتی ہے گویا
زمان و مکان کے نقاب کو پاش پاش کر دیتی ہے ۔ (شیلے)

آزادِ مُطلق (नित्य मुक्त) ہو۔ چُھٹّی ۔ تیوہار۔ جشن۔ میلا وغیرہ کیوں welcome (مُبارک) نہ ہوں ؟ وُہ یوسفِ گم گُشتہ کا پیراہن سُونگھاتے ہیں۔ دردِ قیود میں مُبتلا۔ بسترِ جہل پر کروٹ لینے والوں کو ذرا میٹھی نیند سُلاتے ہیں۔ اور غُلامی کے دُکھ سے ذرا اِفاقہ دلاتے ہیں۔ پر بسترِ جہالت (اگیان) تو کانٹوں کی سیج ہے۔ جب تک اُس پر لیٹے ہو خار چُبھیں گے۔ آزادی کا شکوہ نہیں ملنے کا[2]۔ عیش و عشرت اور تعطیل و شادی وغیرہ کی خواب آور افیون (narcotic) کھاکر تھوڑی دیر سُولوں کی نوکوں کو فراموش کر دینے کی پالیسی ٹھیک نہیں

[1] ملکے بُودم و فردوسِ بریں جایم بُود ؛ آدم آورد دریں دَیرِ خراب آبادم

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر
فعلِ بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

Fill the bright goblet, spread the festive board[3]

---

[1] میں ایک فرشتہ تھا اور بہشت بریں میرے رہنے کی جگہ تھی۔ لیکن حضرتِ آدم مجھ کو اِس خراب آباد بتخانہ میں لے آیا ؛

[3] اے ساقی (شراب پلانے والے) اِس چمکیلے پیالے کو بھر دے اور بساطِ مسرت بچھا دے۔ خوشنما حریفوں اور خوبصورتوں کو بلا دے۔ خوش اور ہم آواز راگ سے ہال کے گونج جانے سے (یعنی راگ رنگ سے) اِس تفریح و رقص و سرود کی آواز کو فکر کا ماتم (نوحہ) دبانے دے (یعنی اِس راگ و رنگ کے اثر سے اگر فکر و غم دبنے لگے تو دبنے دے) لیکن یہ ہرگز مت پوچھ کر وہاں (اِس راگ رنگ وغیرہ میں) آنند حقیقت میں ہے بھی یا نہیں ؛ اگرچہ وہ زور کے قہقہے اوپر سے کچھ اور ہی دکھلاتے ہیں اور حقیقت میں غم و درد کے دینے والے ہیں یا اگر یہ پیشانی (شراب پیتے وقت جو تیوری چڑھی پیشانی ہوتی ہے تو وہ) دِل کی سچی چہرا اس پہنے ہوئے ہے (یعنی دِل کی چغلی غلامی کر رہی ہے یا دِل کی حالت کا فوٹو کھینچکر دکھلا رہی ہے) تو ایسی رقص و سرود کی مجلس کا پردہ مت فاش کر۔ یہ جاننا کافی ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی نظارہ ایسا نہیں جو مہلک درد و غم سے بھرپور نہ ہو ؛

Summon the gay, the noble and the fair;
Through the loud hall in joyous concert pour'd
Let mirth and music sound the dirge of Care;
But ask thou not if happiness be there, —
If the loud laugh disguise convulsive throe,
Or if the brow the heart's true livery wear;
Lift not the festal mask; — Enough to know,
No scene of mortal life but teems with mortal woe

شولوں اور کانٹوں سے پیچھا چھڑانا ہو تو اِس بستر جالت (اودیا) کو ترک کرو۔ آزادی اور آنند کو اپنی ہی ذات پاؤ گے۔ اور آنند تک رسائی پانے کے لئے opiates (خواب آور اشیاء۔ زر و زن وغیرہ) کی رسالت (پیغمبری۔ وساطت) کے محتاج نہ رہوگے

[1] پنجہ در پنجۂ خدا دارم ٭ من چہ پروائے مصطفٰے دارم؟

سہ نت فرحت ہے نت راحت ہے۔ خوش ساقی ہے آزادی ہے
خوش خندہ ہے رنگین گُل کا خوش شادی شاد مُرادی ہے
جب اُمڈا دریا اُلفت کا ہر چار طرف آبادی ہے
ہر رات نئی اِک شادی ہے ہر روز مُبارکبادی ہے

میری جان! "دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشہ" بہت دیکھ لیا۔ اب آزادی (جیون مُکتی) کے "لاکھوں مزے" چکھو۔ اور زبانِ حال سے یہ گیت گانا چھوڑو کہ

---

[1] میں اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں ڈالے ہوئے ہوں یعنی خدا سے وصل پائے ہوئے ہوں مجھے رسول مصطفٰے کی کیا پروا ہے

ـــہ یُوں تو اَے صیّاد! آزادی میں ہیں لاکھوں مزے
دام کے نیچے پھڑکنے کا تماشا اَور ہے

بہت زخمی ہُو لئے۔ اب چھوڑ دو یہ دِل لگی ۔ چھوڑ و۔ چھوڑو! ۔ ریشم کے کیڑے کی طرح آپ ہی کویا (cocoon) بنا کر اُس میں مت پھنسو۔ اودیا (جہل) کو دایہ بنا کر اُس کی گود میں مت بیٹھو۔ یہ پُوتنا راکشنی ہے ۔ اِس کے زہر والے دُودھ کو کیوں ترستے ہو۔ تمہارا بستر راحت تو کھیر سمندر (the ocean of Knowledge) ہے۔ جہاں زہر اور کانٹوں والا شیش ناگ بھی نرم نرم بستر کا کام دیتا ہے اور چنور جُھلاتا ہے۔ جہاں دُنیا بھر کو موہ لینے والی لکشمی تمہارے چرن دباتی ہے ۔

(۵) واعظ اور اُپدیشک لوگوں کے پند و نصائح سے بھرے لیکچروں کو نت سُنتے رہنے کے باوجود (instinctively) ضمیراً یا طبعًا کوئی بھی انسان "اپنے جیسے" کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا۔ ہر شخص "غیور" ہے۔ رقیب اور "شریک" کا نام نہیں سہہ سکتا۔ ریل پر سوار ہوتے وقت ہی دیکھ لو۔ جو شخص جس کمرے میں بیٹھ گیا۔ دِل سے یہی چاہے گا کہ "اور کوئی نہ آئے۔ مَیں ہی مَیں رہُوں" اَور کی گنجایش نہیں ہے۔ خُدا (personal God) بھی اگر کسی معاملہ میں رقیب ہو تو برداشت نہیں ہو سکتا۔ غور کرو!

ـــہ بوقتِ الوداع اُس مہ لقا کو ۔ نہ سَونپا بد گمانی سے خُدا کو

ـــہ وُہ دن خُدا کرے کہ خُدا بھی یہاں نہ ہو
مَیں ہُوں صنم ہو اور کوئی درمیاں نہ ہو

؎ چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ٭ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کو میں

اے موسیٰ (انسان!) تیری تجلیٔ ذات سے بصورت بلند، یہ آواز آرہی ہے کہ ہاں ہاتھ بڑھا اور مار انا الحق "وحدہٗ لا شریک لہٗ میں ہوں" کو پکڑ لے۔ ڈر مت! یہ ڈراؤنا سانپ (शेष) زہریلا نہیں ہے۔ امرت والا ہے۔ تیرے چھوتے ہی بجائے کاٹ کھانے کے عصائے راستی "ا" ہو جائے گا۔ یہ وہ عصا ہے جسے خشک پتھروں پہ مار! تیری خاطر آبِ زلال چھڑے گا۔ آسمان کی طرف اٹھا! منّا (manna۔ فرشتوں کا کھانا) برسے گا۔ قلزم (سنسار۔ سمندر) سے چھوؤا! قلزم پھٹ جائے گا۔ تیرے پار ہونے کی خاطر ٭

۳۔ اپنی اصل کی طرف آ ٭ تیرا اگیان (جہالت) ہی شیطان ہے۔ اس اگیان کی بدولت تو جسم (شریر) کو اپنی شان دینی چاہتا ہے۔ تو سے سورج کا کام لینے کی کرتا ہے۔ (یعنی "جسم" کو لا شریک۔ اور بے رقیب کرنے کے درپے ہے)

ملہ تا چند تو پس روی بہ پیش آ ٭ در کفر مرو بہ سوئے کیش آ
در نیش تو نوش بیں بہ پیش آ ٭ آخر تو باصل اصلِ خویش آ

ملہ (۱) تو پیچھے کبتک جائیگا۔ آگے بڑھ (یعنی تنزل تو کب تک کریگا ترقی کر) کفر کی طرف مت جا۔ اپنی ذات کی طرف آ (یعنی کافر مت بن عرف اپنی ذات کو پہچان) ڈنک میں تو شہد دیکھ اور آگے بڑھ۔ الغرض اپنی اصل کی طرف آ (یعنی اس معرفت کے مشکل راستے پہ چلتے وقت تجھے جب سخت دکھ و تکالیف درپیش ہوں تو اُن میں تو راحت سمجھ۔ کیونکہ اس راستے میں یہ دکھ و تکالیف بھی راحتِ ابدی دلانے والے ہیں اور ان چوٹوں اور دکھوں سے کسی طرح پست ہمت مت ہو بلکہ آگے بڑھتا چل۔ اور جبتک تو اپنی ذات کی حقیقت بخوبی نہ جان لے ہرگز مت ٹھہر) ٭

عمریست کہ اسیر غربتی تو ‏‏— پابستهٔ دام محنتی تو

چون گوہر کانِ دولتی تو ‏‏— آخر تو باصل اصلِ خویش آ (۲)

بشکن بلہ بندِ کالبد را ‏‏— آزاد کن از زمانہ خود را

رو ترک بگوئے نیک و بد را ‏‏— آخر تو باصل اصل خویش آ (۳)

ہرچند طلسم این جہانی ‏‏— در باطن خویشتن تو کانی

بکشائے دو دیدۂ نہانی ‏‏— آخر تو باصل اصل خویش آ (۴)

لعلی بہ میان سنگِ خارا ‏‏— تا چند غلط دہی تو مارا

در چشم تو ظاہرست یارا ‏‏— آخر تو باصل اصل خویش آ (۵)

حقا کہ ز پرتو حقی تو ‏‏— وز جوہرِ فقرِ مطلقی تو

وز بادۂ رُوحِ راوقی تو ‏‏— آخر تو باصل اصل خویش آ (۶)

۲؎ ایک عمر ہے کہ تو غربت کا قیدی بنا رہا- اور تکلیفوں کے جال میں پھنسا رہا- جب تو دولت کی کان کا موتی ہے (یعنی لازوال خزانے کا تو جوہر ہے) تو پھر آخرش تو اپنی اصل کی طرف آ (یعنی اپنی ذاتی حقیقت کو ڈھونڈ کر)

۳؎ ہوشیار ہو جسم کی قید کو توڑ (انانیت سے رہت ہو) اور اپنے آپ کو زمانہ سے آزاد کر (اپنے آپکو غیر مجسم و لازمان سمجھ)- جا برائی اور بھلائی ہر دو کو ترک کر- اور آخر کو اپنی اصل کی طرف اے حق سروپ! تو آ

۴؎ اگرچہ تو (اس جہان میں ایک جادو (عجیب شے) ہے اور اپنے باطن میں تو کان (معدنِ جہان) ہے تو بھی ہر دو باطنی (دل کی) آنکھیں تو کھول- اور اے اصل! تو اپنی اصلِ ذات کی طرف آ-

۵؎ نیلا پتھر (جمادات) میں تو لعل ہے مگر ہمکو تو کبتک دھوکا دیتا رہیگا- تیری باطنی آنکھ میں تو بل آشکار ہے- اس لئے اے ست سروپ! تو اپنی اصل ذات کی طرف منہ موڑ۔

۶؎ خدا کی قسم کہ تو حقیقت کا ایک پرتو (تجلی یا عکس) ہے اور مطلقاً فقیری (لاتعلقی) کا جوہر ہے اور راحتِ ابدی کی مظہر شراب تو ہے- پھر اے اصل تو اپنی اصل ذات کی طرف آ۔

دنیا جوئیست زود بگذر	زانسوئے جہانِ تازہ بنگر
ہیں! عہدِ قدیم یاد آور	آخر تو باصل اصل خویش آ (۷)
ہرچند بہ صورت از زمینی	بسرشتۂ گوہر یقینی
بر مخزنِ نورِ حق امینی	آخر تو باصل اصل خویش آ (۸)
چوں زادۂ پرتو جلالی	وز طالع سعد نیک فالی
از بہر عدم تو چند نالی؟	آخر تو باصل اصل خویش آ (۹)
خود را چو بہ بیخودی بہ بستی	میداں کہ تو از خودی برستی
وز بندِ ہزار دام جستی	آخر تو باصل اصل خویش آ (۱۰)

ے دنیا ایک ندی ہے اسے جلد پار کر۔ اور اُس طرف سے (پار کے کنارے سے) تازہ جہان کو دیکھ یعنی عالمِ فانی کو چھوڑ اور عالمِ بقا کی طرف مراجعت کر۔ خبردار ہو اور اپنا اقرار یاد کر (وہ اقرار جو روزِ ازل میں تجھ سے ہُوا تھا۔ یا جو وعدہ تُو نے ماں کے پیٹ میں ایشور سے کیا تھا اسکو یاد کر) اور آخر کو اے اصل! تو اپنی اصل کی طرف آ ❊

ے اگرچہ تو ظاہر میں خاکی (زمین کا باشندہ) ہے لیکن سرشت میں (اپنی پیدائش و سرشت میں) تُو یقینا موتی ہے۔ اور حقیقی نُور کے مخزن (چشمہ) پر تُو امین (امانت رکھنے والا) ہے۔ اِس لئے اَے اصل! تُو آخرکار اپنی اصل (حقیقت) کی طرف مراجعت کر ❊

ے جب تُو جلال (بزرگی) کے تجلّی کا جنا ہُوا ہے۔ اور نیک بختی کے تارے سے پیدا ہونے کے سبب اچھے شگُن والا ہے تو نیستی کے لئے تُو پھر کب تک روتا رہیگا۔ اَے اصل آخرکار تُو اپنی اصلِ حقیقت کو پہچان ❊

ے جب اپنے تئیں بیخودی سے تُو نے باندھ لیا (جب بھی تُو بیخود ہو گیا) تو سمجھ لے کہ تُو خودی (دوئی/انانیت) سے چھوٹ گیا۔ اور ہزاروں جانوں کے بند (پھانس) سے تُو چھوٹ گیا۔ اِس لئے اَے ست سروپ! تُو اپنی اصل ذات کی طرف آ (یعنی آتم آنُو بھو کر) ❊

(۶۲) ایک سادہ لوح طالبِ علم کا اسکول جانے سے دل تو چُرا تا ہی تھا۔ ایک دن جی میں آئی کہ خواہ کچھ ہی ہو آج اسکول نہیں جائیں گے۔ گھٹنے پہ پٹی باندھ لی۔ اور بہانہ کیا کہ سخت چوٹ آئی ہے۔ چلا نہیں جاتا۔ ہیڈ ماسٹر کی طرف عرضی لکھی کہ "جناب عالی! آج کمترین کو معذور رکھئے گا۔ چل نہیں سکتا۔ اسکول کیونکر آؤں"؟ خیر عرضی تو لکھی گئی۔ اب اسے ماسٹر صاحب تک پہنچائے کون؟ خود ہی اسکول جاکر طالبِ علم نے عرضی ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں دے دی اور کہا "آج اسکول تک پہنچنا مُحال ہے"۔ یہ سُنکر سب طلباء اور ماسٹر صاحب کھِلکھلا کر ہنسے۔ کہ اَے بھولے! تیرا یہ عرضی یہاں تک لانا ہی تیرے قول کی تردید کرتا ہے۔ تم اِسکول تک تو پہلے ہی پہنچے ہوئے ہو "آنا محال ہے" کے کیا معنی؟

پیارے! علمِ مُطلق (چیتن گھن) تیری ذات ہے۔ اگر قول سے تسلیم کرلے تو بھی تُو گیان سروپ ہے۔ اگر قول سے نہ مانے تو نہ ماننے کا فعل ہی تیرا گیان سروپ ہونا ثابت کرتا ہے۔ یہ کہنا کہ "راقم نے جو کچھ لکھا ہے غلط ہے۔ میری سمجھ درست ہے"۔ (ہر کسے را عقلِ خود بکمال نماید[۱]) صاف ظاہر کر دیگا کہ تیری ذات میں کوتاہیٔ علم کا خیال ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ عالمِ مُطلق تُو ہے۔ [۲] بہر رنگے کہ خواہی جامہ مےپوش ۞ کہ من آں قدِ موزوں می شناسم

زبانِ حال سے تو ہردم یہ پکارتے ہو کہ "میں آمر ہوں۔ شدھ

---

[۱] ہر ایک کو اپنی عقل کامل معلوم ہوتی ہے۔

[۲] جس رنگ کا تُو چاہے لباس پہن۔ لیکن میں تو تیرا وہی موزوں قد پہچانتا ہوں۔

ہُوں۔ بیت حکمت ہُوں"۔ اور قال سے اپنے تئیں بندہ۔ غلام بناتے ہو۔ جسم کی چاہ میں گراتے ہو۔ یہ بافندگی کا پیشہ کہ "نیم تن در گور دارم نیم تن در زندگی" چھوڑو۔ بخدا! کہ خدا ئید[1]۔
دُنیا بھر کے سائینس۔ فلاسفی۔ نظم اور ریاضی تیری ذات سے نکلے ہیں اور نکلتے رہیں گے

I am owner of the sphere,
Of the seven stars and the solar year,
Of Caesar's hand, and Plato's brain
Of Lord Christ's heart & Shakespear's strain.[2]

دُنیا میں رسم ہے کہ جب کسی ریاضی دان سے مُشکل عقدہ (conundrum) حل ہو جاتا ہے۔ یا شاعر سے پھڑکتی ہوئی غزل لکھی جاتی ہے تو فخر سے کہا کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ میں (مسمّی فلاں ساکنِ فلاں) نے ثابت کیا۔ یہ شعر یہ میں (متخلص فلاں شاگردِ فلاں) نے لکھیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کوئی ریاضی دان یا کوئی شاعر یہ بتلا دے کہ عقدہ حل ہوتے وقت یا مضمون کی آمد کے وقت اس کی طبیعت یکسو نہ تھی۔ چت ایکاگر نہ تھا۔ اور ما و منی جسم و اسم کا خیال غیر حاضر نہ تھا؟ روٹی کھانا بھول جانا۔ خانگی

---

[1] خدا کی قسم کہ تم خدا خود ہو۔

[2] میں کُرۂ زمین، ساتوں ستاروں کا اور نظام شمسی کا مالک ہوں۔ ایسے ہی قیصر کا ہاتھ۔ افلاطون کے دماغ۔ خداوند مسیح کا دل۔ شیکسپیر کی نظم آرائی۔ اِن سب کا مَیں ہی مالک ہوں۔ (یعنے یہ کُل نام رُوپ میرے ہی آسرے ہیں)۔

اُلجھنوں سے بے خبر ہونا۔ فوج سامنے سے گزر گئی ہے۔ پتہ نہ ہونا۔
شہر میں غدر مچا ہے۔ اُس سے لا علم ہونا۔ ننگی تلوار ہاتھ میں
لئے قاتل سامنے کھڑا ہے اُسے نہ دیکھنا۔ ایسی ایسی کئی روائتیں
اُن فلاسفروں کے متعلق مشہور ہیں۔ جو ایجاد و اختراع کے دھنی
مانے گئے ہیں ٭ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو گا۔ کہ فکر عالی۔ اور بلند
خیالی کسی شخص میں اُس وقت تک نمودار ہوتے ہیں۔ جب اُس
میں شخصیت اور انانیت دُور ہوتے ہیں ٭

"میں نے یہ مسئلہ ثابت کیا"

کِس نے کیا؟ کیا مسمّی فلاں۔ ساکن فلاں نے کیا؟ ہرگز نہیں۔
جب مسئلہ ثابت ہُوا۔ تب گو لوگوں کو آپ کا جسم نظر آ رہا تھا
مگر آپکے یہاں تو ایسی ایکاگرتا تھی کہ جسم و اسم کا خیال بالکل
گم تھا ٭ آہنکار (ahankar) کی عدم موجودگی میں علم کا
ظہور ہُوا۔ پس او اودیا رُوپ دیہ اہنکار (یعنی منکہ فلاں ولد
فلاں وغیرہ) تم مسئلہ کے دریافت ہونے پر۔ یا مضمون کی آمد پر
فخر کس بات کا کرتے ہو؟ "کس برتے پر تتا پانی"؟ مسئلہ
اور مضمون تو گیان سروپ ذاتِ واحد (رام) سے نکلتے ہیں ٭ یہ
ذاتِ واحد جہان سے کل دُنیا کا علم سُورج کی شعاعوں کی طرح
نازل ہوتا ہے۔ تمہاری ذات ہے۔ یہی تم ہو۔ محدود عقل (بُدھی)
اور جسم وغیرہ نہیں ہو ٭ نیوٹن کے دماغ میں تمہارا ہی پرکاش
تھا۔ بھگوت گیتا تمہاری ہی ایک pencil of light (اجتماع
اشعہ) ہے۔ قرآن مجید اور انجیلِ مقدس تمہاری ہی ذات کے سمندر

کی ترنگیں ہیں *

अणोरणीयानहमेव तद्वन्महानहं विश्वमहं विचित्रम्।
पुरातनोऽहं पुरुषोऽहमीशो हिरण्यमयोऽहं
विश्वरूपमस्मि ॥ २०॥

अपाणिपादोऽहमचिन्त्यशक्तिः पश्याम्यचक्षुः
स शृणोम्यकर्णः। अहं विजानामि विविक्त-
रूपो न चास्ति वेत्ता मम चित्सदाऽहं॥२१॥
वेदैरनेकैरहमेव वेद्यो वेदान्तकृद्वेदविदेव चाहम्॥
न पुण्यपापे मम नास्ति नाशो न जन्म देहेन्द्रियबुद्धिरस्ति
॥२२॥

न भूमिरापो न च वह्निरस्ति न चानिलो मेऽस्ति
न चाम्बरं च। एवं विदित्वा परमात्मरूपं
गुहाशयं निष्कलमद्वितीयम्॥२३॥ (کیولیوپنشد)

لہ میں شوکشم (لطیف) سے بھی شوکشم اور بڑے سے بھی بڑا ہوں۔ یہ اسماء و اشکال گروپا سنسار عجیب ہے (یعنی فانی ہے) میں سب سے پرانا (انادی کال سے) پرش ہوں۔ اور بلوان پرکاش سروپ آنند شئے دیاکلیان وایک (پرش ہوں) میں ہاتھ پاؤں سے رہت ہوں۔ اور میری طاقت بعید از وہم و گمان ہے (یعنی خیال میں نہیں آسکتی) میں بغیر آنکھ کے دیکھتا ہوں۔ اور بغیر کان کے سنتا ہوں میں نانا روپا (یعنی مختلف اسماء و اشکال گروپی پدارتھوں سے علیحدہ اپنے آپکو خصوصًا جانتا ہوں۔ اور میرا جاننے والا کوئی نہیں ہے میں ہمیشہ چیتن سروپ (یعنی علیم) ہوں سب ویدوں سے میں ہی جاننے کے قابل ہوں اور ویدانت شاستر کے بنانیوالا اور ویدوں کے جاننے والا میں ہی ہوں۔ مجھ کو پن و پاپ (عذاب و ثواب) کوئی نہیں ہے۔ اور نہ میرا ناش۔ جنم۔ دیہ۔ اندریہ (حواس) اور بدھی ہے۔ اور نہ بھومی۔ جل۔ آگ ہوا اور آکاش ہی میرا ہے (کیولیو اُپنشد)

मयाऽध्यक्षेण प्रकृतिः सूयते सचराचरम्। ؎
हेतुनानेन कौन्तेय जगद्विपरिवर्तते॥१०॥ (بھگوت گیتا ادھیائے ۹)

طالب:- اگر سب ایک ہی ہو تو لوگوں میں عقل و جسم کا فرق کیوں ہو؟ کوئی لارڈ کیلون ہے۔ کوئی بالکل اُجڈ ہے۔ کوئی مخمل کے گدیلوں پر بھی نخرے سے قدم رکھتا ہے۔ کسی کو شہری لوگ اپنی دُکان کے سامنے زمین پر بھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ کوئی رُستم زماں ہے۔ کوئی دائم المریض کے بستر سے نہیں اُٹھ سکتا۔ عجب اندھیر ہو رہا ہے۔ کیا اندھیر مچا ہے۔ ظلم ہے۔ بے انصافی ہے۔

عارف:- پیارے! اندھیر کرتے ہو تم جو یہ فرق دیکھتے ہو۔ اپنی آپ کی چھوٹائی بڑائی ست سروپ پرماتما (حق تعالیٰ) سے اگر کبھی بھی سچ مچ پیدا ہوئی ہوتی تو اندھیر تھا۔ اپدرو (उपद्रव) تھا۔ ستم تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ چھوٹائی بڑائی ہے ہی نہیں۔ جو اِدھر گدا نظر آتا ہے وُہی اُدھر شاہ ہے۔ جسے یہاں مریض دیکھتے ہو وُہی وہاں پہلوان (Sandow) ہے۔ جو اِس جگہ ابلہ سمجھا جاتا ہے وُہی اُس جگہ ویدویاس ہے۔ چونکہ در اصل ایک ہی ہے۔ اِس واسطے ظلم و ستم کیسا؟

س ہستی چیونٹی تراں سے آدنگ۔ ایک اکھنڈت سبسے اناونگ
میں ہی جو یہاں بھوکا ہوں وہاں کشمیر کے میوے کھا رہا ہوں
یہاں جاہل ہوں۔ وہاں یاگیہ ولک ہوں۔

؎ مجھ ساکشی (شاہد) کی مدد سے یہ پرکرتی (قدرت) کُل دُنیا کو پیدا کرتی ہے۔ اِس طرح سے یہ سنسار چل رہا ہے۔ (یعنی دُنیا کے کُل کام مجھ شبھ بناؤ عالم کے سہارے ہو رہے ہیں)

इति तत्त्वमसि प्रभृति श्रुतिभि: प्रतिपादितमात्मनि तत्त्वमसि।
त्वमुपाधि विवर्जित सर्व समं किमु रोदिषि मानसि सर्व समम्॥१॥

नहि बन्ध विबन्ध समागमनं नहि योग वियोग समागमनम्।
नहि तर्क वितर्क समागमनम् किमु रोदिषि मानसि सर्व समम्॥२॥

सुख दुःख विवर्जित सर्व समं इह शोक विशोक विहीन परम्।
गुरु शिष्य विवर्जित तत्त्व परम् किमु रोदिषि मानसि सर्व समम्॥३॥

(۱) "تُو تُو ہی برہم ہے" ایسا "تتوسی" کلاموں سے آتما کو بیان کیا گیا ہے۔ پس آتما کے لحاظ سے تُو ہی شُدّھ سُروپ ہے۔ اور اُپادھی کے دُور کرنے سے تُو سب میں سم (یکساں) ہے۔ جب تُو سب جگہ سم رُوپ (منزّہ و پاک) ہے تو اَے پیارے! پھر تُو کس لئے روتا ہے ؟

(۲) تُجھ میں بند اور موکش کا دخل نہیں۔ یوگ اور وِیوگ (ملاپ و جُدائی) کا دخل نہیں۔ ویسے ہی ترک وِترک کا بھی دخل نہیں۔ تو پھر پیارے! تُو کس لئے روتا ہے ؟

(۳) یہ تتو (ذاتِ الٰہی) سب جگہ سم (برابر) ہے۔ سُکھ دُکھ سے رہت ہے۔ شوک وِشوک (غم و بے فکری) سے پرے ہے۔ گُرو شِیش (شاگرد) کے خیال سے بھی دُور وہ پرم تتو ہے۔ ایسے ہوتے ہُوئے پھر تُو کیوں روتا ہے ؟

(۴) اُس ذاتِ حقیقی میں نہ بند کا درجہ ہے۔ اور نہ موکش کا پد ہے۔ نہ پُنیہ۔ نہ پاپ (ثواب و عذاب) ہے۔ نہ پُورن ہے نہ خالی ہے۔ ایسی حالت کو جانتے ہُوئے پھر تُو کیوں روتا ہے ؟

(۵) بے شُمار شُرتیوں (مقدّس کلاموں) نے یہ بات کہی ہے کہ آسمان وغیرہ یہ کُل نام رُوپ سُراب کی مانند ہے۔ اور جب وہ ذات سب جگہ ایک اور سم (برابر) ہے تو پھر بھلا کس لئے (یا کیُوں) روتا ہے ؟

(اودھوت گیتا۔ ادھیائے ۵)

नहि मोक्ष पदं नहि बन्ध पदम्	नहि पुण्यपदं नहि पापपदम्।
नहि पूर्ण पदं नहि रिक्त पदम्	किमु रोदिषि मानसि सर्व समम्॥४॥
बहुधाश्रुत्यः प्रवदन्ति यतो	नियदादिरिदं मृगतायसमम्।
यदि चैकनिरन्तर सर्व समम्	किमु रोदिषि मानसि सर्व समम्॥४॥

۵ آدم نبود و من بُدم حوا نبود و من بُدم
عالم نبود و من بُدم من عاشق دیرینہ ام (۱)
با نوح در کشتی بُدم با یوسف اندر قعر چاہ
اندر دم عیسیٰ بُدم من عاشق دیرینہ ام (۲)
آں دم کہ فرعونِ لعیں در آبِ دریا غرق شد
در حربِ موسیٰ من بُدم من عاشق دیرینہ ام (۳)
آنجا کہ احمد بر گذشت از چار و پنج و ہفت و ہشت
بر ہشتمینش من بُدم من عاشق دیرینہ ام (۴)

۵ اے مسلمانو! جس وقت حضرتِ آدم نہیں تھے اُس وقت مَیں تھا۔ جب حوا بھی نہیں تھیں۔ اُس وقت بھی مَیں موجود تھا (یعنی دُنیا کی ہستی سے پہلے بھی مَیں تھا) مَیں تو سب سے پُرانا عاشق ہُوں ❖

(۲) کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ جو محافظ بیٹھا ہُوا تھا وہ مَیں ہی تھا۔ کنوئیں کی تہ میں حضرت یوسف کے ساتھ (اُنکی حفاظت کرنے والا) مَیں تھا۔ اور حضرت عیسیٰ کے جاں بخش دم میں بھی مَیں ہی موجود تھا۔ مَیں تو سب سے پُرانا عاشق ہُوں ❖

(۳) جس وقت حضرت موسیٰ کی لڑائی میں ملعون فرعون دریا میں غرق ہُوا اُس وقت بھی مَیں تھا۔ مَیں تو اے پیارو! سب سے پہلے کا (پُرانا) عاشق ہُوں ❖

(۴) جس جگہ کہ حضرت احمد چوتھے پانچویں۔ ساتویں اور آٹھویں آسمان سے گذرا۔ اُس آٹھویں آسمان پر بھی مَیں ہی موجود تھا۔ مَیں تو اے لوگو! سب سے پُرانا عاشق ہُوں ❖

سہ اے آفتاب اے آفتاب گرمی مکن گرمی مکن

خود یک زباں خاموش کن۔ من عاشقِ دیرینہ ام (۵)

شاہِ حقیقت بُودہ ام۔ دریائے حکمت بودہ ام

مولا کہ باشد پیشِ من؟ من عاشقِ دیرینہ ام (۶)

طالب:۔ مَیں تو محدود طاقت والا ہُوں۔ خُدا قادرِ مطلق ہے میری دَوڑ تو زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے تک ہے۔ خُدا کُلِ شئے محیط ہے۔ مجھ بندے کو اُس مالکِ کُل کے ساتھ کیا نسبت؟

سہ۔ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

عارف:۔ تُو محدُود طاقت والا کیُوں کر ہے؟ آخر کچھ تو کرنے کی طاقت تجھ میں ہے۔ جو کچھ تُو کرتا ہے تُو ہی بتا۔ اُس سے ہم اندازہ لگا لینگے کہ تیری طاقت محدُود ہے یا غیر محدُود

طالب:۔ مَیں صبح گجردم اُٹھتا ہُوں۔ ضروریات سے فارغ ہوکر ورزش کرتا ہُوں۔ زاں بعد کچھ لکھتا ہُوں۔ کچھ پڑھتا ہُوں۔ کھانا کھاکر دفتر جاتا ہُوں۔ وہاں سے آکر دُودھ پی کر سَیر کو جاتا ہُوں یا دوستوں سے مِلتا ہُوں۔ کوئی اخبار آئی ہو تو اُسے دیکھتا ہُوں۔ اِسی طرح دِن کٹ جاتا ہے۔ رات کو سو رہتا ہُوں

عارف:۔ کچھ اور بھی تو ضرور کرتے ہو؟

---

۵ اے سُورج! اے سُورج! بس میری دگرمی مت کر۔ گرمی مت کر۔ چُپکے ہو جا۔ مَیں تیرے سے بھی پہلے کا عاشق ہُوں

(۶) مَیں حقیقت کا بادشاہ ہُوں (یعنی حقیقی شاہنشاہ مَیں ہُوں) اور دانائی کا مَیں دریا ہُوں (یعنی بحرِ علم مَیں ہُوں) مولا میرے آگے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ مَیں تو سب سے پہلے کا (پُورانا) عاشق ہُوں سہ لہ شُدہ دبوتر) گیانی کو بھلا خاک سے کیا نسبت؟

طالب:۔ یہی معمولی کام کرتا ہوں۔ کوئی بیچ کا کام ہو تو اُسے بھی بُھگتا لیتا ہوں ❖ چند روز سے رسالہ "ا" کا انتظار کر رہا تھا اِسکے علاوہ اپنی یاد میں تو میں اور کچھ نہیں کرتا ❖

عارف:۔ جھکڑتے کیوں ہو؟ ماسواء اسکے بیشمار کام نِت کرتے رہتے ہو۔ اُن کا نام ہی نہیں لیتے۔ ایسے بھولے بن بیٹھے ہیں کہیں کے! "یاراں نال بیج" ٹھیک نہیں ❖

طالب:۔ "بیشمار کام"! ہرگز نہیں۔ آپ ایسے مہاتما ہوکر یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ ❖

عارف:۔ سُنئے گا۔ یہ جسم تو آپ ہی کا ہے نہ؟

طالب:۔ ہاں کیوں نہیں؟ اور کس کا ہے؟

عارف:۔ صبح اِس جسم سے بھوجن آپ ہی نے پایا تھا نہ؟ اور سانس آپ ہی لے رہے۔ دیکھ بھی آپ ہی رہے ہو۔ شام کو کھیت میں جاکر کل کا کھایا ہُوا تیاگو گے بھی آپ۔ اور سوتے بھی آپ ہو سچ ہے نہ؟

طالب:۔ بجا ہے۔ بالکل ٹھیک!

عارف:۔ معدے کے ذریعے بھوجن کون پچاتا ہے؟

طالب:۔ میں ❖

عارف:۔ اور بھُول نہ جاؤ کہ اپنے جسم کی ناڑیوں میں خُون بھی تُم ہی چلاتے ہو۔ منہ میں تھُوکیں بھی تُم ہی بناتے ہو۔ گُردے میں بَول پیدا کرنے والے تُم ہو۔ بالوں کو بڑھانے والے بھی تُم ہو۔ پھیپھڑے میں دم تمہارا ہے۔ تمہارے [illegible] (دل) میں

معاملہ دبائی) باہر سے کوئی بھوت آکر نہیں ڈال جاتا۔ جب تم آنکھ سے دیکھتے ہو تو معاً کئی nerves (پٹھوں) کا ہلنا ضروری ہے اُنکو بھی تم ہی ہلاتے ہو۔ cerebrum (سیریبرم) کو حرکت بُدھی کو نُور تم ہی دیتے ہو۔ علاوہ بریں بیشمار حرکاتِ طبعی کے باعث ہو۔ تم کیوں کر چند افعال کا نام لے کر چند باندھ بیٹھے تھے کہ وہ ان کے سوا مجھ سے اور کچھ بھی سرزد نہیں ہوتا؟"

خوابِ غفلت کے عالم میں جب من بُدھی (تمہارے اوزار) استعمال میں نہیں ہوتے۔ تمہارا کام بند نہیں پڑتا۔ اُس وقت بھی غذا ہضم کرے جاتے ہو۔ بالوں ناخنوں کو بڑھائے جاتے ہو تمہیں نیند کہاں؟ سدا جاگتے ہو۔ ع کہاں خوابِ غفلت سدا جاگتا ہوں ٭

جب تمہارا یہ جسم ننھا سا ننھا اُس وقت عقل و تمیز سے کوئی کام نہیں لیتے تھے۔ مگر تم وُہی تھے جو اس وقت ہو۔ خواب میں بھی تم وُہی ہوتے ہو جو بیداری میں ہو۔ جس طرح تم اِس ایک جسم میں عقل کی کارستانیاں۔ خون کا دَوران۔ اور نشو و نما کراتے ہو۔ وَیسے ہی دیگر اجسام میں بھی تم ہی سب کارگیریاں کر رہے ہو۔ پتّے پتّے میں تمہارا ظہور ہے ٭ تم کیونکر کہتے تھے کہ تمہاری طاقت محدود ہے؟

विज्ञानात्मा सहदेवैश्च सर्व्वैः प्राणा भूतानि सम्प्रतिष्ठन्ति यत्र।
तदक्षरं वेदयते यस्तु सोम्य स सर्वज्ञः सर्वमेवाविवेशेति ॥११॥

(پرشن اُپنشد۔ پرشن ۴۔ منتر ۱۱)

مطلب:۔ اَے عزیز! جس نے اِس گیان سروپیا لازوال ذات

کو پہچانا۔ جو تمام حواس کی زندگی کی اور عناصر کی چٹان ہے۔ وہ سب کچھ جان گیا۔ وہ سب میں دھنس گیا۔ The one thing needful (ایک ضروری و لابدی وستو) یہی ہے ۔ اکّو الف ترے درکار۔

جھگڑا جھانجھا اسارا مٹریا	جوتا علم عزازیل پڑھیا
پُوراں وسے پور لنگھائے سو پار	اُتّی جا عرشاں تے چڑھیا

علموں بس کریں او یار
اِکّو الف ترے درکار ۔

اب اپنے جیو (محدود) کہلانے کی وجہ سُنو:۔

ایک راجہ صاحب کے بچے کو (عام بچوں کے دستور کے موافق) ایک چھوٹی سی چترلی تھالی کے ساتھ اُنس ہو گئی۔ جب اس کے واسطے کھانے کو کوئی چیز لائی جاتی۔ تو بڑے اِصرار و استبداد سے کہتا کہ "میری تھالی میں لاؤ۔ تب کھاؤنگا" ۔ اگر کسی بڑے تھال میں کھانا پروس کر لاتے تو پیروں سے پرے پھینک دیتا۔ اڑیل پن دکھاتا۔ اور چیخ کر ڈراتا ۔ اب کوئی پوچھے "بھیّا سونے چاندی کے تھال۔ رکابیاں وغیرہ کثرت سے یہاں موجود ہیں۔ کیا اُن کا وارث کوئی اور ہے؟" مگر بچہ کس کی سنتا ہے؟ اپنی ضد پہ بیٹھے جاتا ہے۔ ٹھیک اِسی طرح سے سچے شہزادے (आत्मा) تم لاانتہا ملکیت والے ہو۔ مگر جو کچھ اِس چھوٹی سی چترلی "تھالی" یعنی بُدھی (دماغ ۔ intellect) میں دھرا ہُوا تمہارے سامنے پیش ہو اُسے قبول کرتے ہو اُسے اپنا سمجھتے ہو۔ باقی کل ورثہ کو جواب دیتے ہو۔ لات مارتے ہو۔ اگر جتلایا جاوے کہ یہ سب بیشمار وبے

حساب جائداد تمہاری ہی ہے۔ اپنے تئیں مقیّد نہ بناؤ۔ تو تم الٹا بُرا مانتے ہو ٭

جو کچھ بالواسطۂ ہوش و حواس (بُدھی اِندریہ) تم سے وقوع میں آئے صِرف اُس کا تو اِقرار کرنا اور اپنی باقی سب کرتُوتوں کا انکار کرنا {یعنی صِرف بُدّھی اِندریہ کے ساتھ اپنے تئیں ابھید (identify) کرنا} یہی تم کو (چھوٹا محدود) بناتا ہے ٭ ذرا بچار تو سہی۔ تمہیں اِس خود کُشی کرنے کا حق کیا ہے؟ ٭ ایک تنگ مُنہ والی کُپّی میں بُھنے ہوئے چنے پڑے تھے۔ اور یہ کُپّی زمین میں گڑی تھی۔ بندر نے آکر چنوں کے لئے کُپّی میں ہاتھ ڈالا۔ اور مُٹھی بھر لی۔ چُونکہ چنوں سے بھری ہُوئی مُٹھّی موٹی اور بھاری تھی۔ اور کُپّی کا مُنہ نہایت تنگ۔ اِس لئے ہاتھ باہر نہ نکال سکا۔ بہتیرا جتن کیا۔ ایک پیش نہ گئی۔ وہیں قید ہو گیا۔ چلّاتا تھا۔ شور مچاتا تھا۔ مگر مُٹھّی کے چنے نہیں چھوڑتا تھا۔ ہاتھ خالی نہیں کرتا تھا۔ جس سے آزادی ملے ٭

نوٹ:۔ افعال و حرکات دو قسم کے ہیں۔ ایک طبعی۔ دُوسرے اِرادی ٭ طبعی (अविज्ञात) تو وُہ ہیں جن کے سرزد ہونے وقت بُدھی (ہوش) کو خبر نہ ہو جیسے دَورانِ خُون۔ تنفس۔ بالیدگی روئیدگی وغیرہ ٭ ارادی (विज्ञात) وُہ ہیں جن کے سرزد ہونے کے لئے بُدھی (ہوش) کا واسطہ ہونا ضروری ہے۔ مثل۔ کھانا۔ چلنا۔ دیکھنا۔ بولنا۔ لکھنا۔ پڑھنا وغیرہ ٭ جب کسی سے پُوچھا جاتا ہے کہ "تُو نے آج کیا کام کیا"؟ تو جو افعال و حرکات ارادی اُس سے سرزد ہُوئے ہُوں اُن کا نام لے لیتا ہے۔ کثیر التعداد حرکاتِ طبعی کا نام ہی نہیں لیتا۔ گویا کہ وُہ اُس سے سرزد ہی نہیں ہُوئے ٭

اب بتاؤ ایسے کا کیا علاج؟ جانِ من! تمہیں کوئی قید کرنے والا نہیں۔ تمہارے لئے [illegible] کہاں؟ تم نے اُس ہنومان کے رشتہ دار کی طرح حواس و ہوش کو اِس زور سے داہنکار (روپی) مٹھی میں لیا ہے کہ قید ہو گئے ہو۔ محدود بن گئے ہو۔ جیو کہلاتے ہو۔ کیا سچ کہا ایمرسن نے Every man is God playing the fool[1]

مرضی چیتن کی جبھی جھک مارن کی ہوئے

مرگ ترشنا کے نیر میں یہ چلیو بن ڈوبئے (شراب پانی)

کھولو مٹھی۔ حواس و ہوش (من۔ اِندریہ) گسنگ کو چھوڑو۔ صرف ایک جسم میں۔ ایک دماغ میں۔ ایک مٹھی میں اپنے تئیں قید کیوں مانتے ہو۔ تم مٹھی تو کھولو سب کے یار بنے ہو۔ "چھری مارنے اور تلوار مارنے" پر بھی تمہاری یاری تمام کائنات سے نہیں چھٹ سکتی۔ مٹھی کھولو۔ گرہ (ग्रन्थि) دور کرو۔ تمام پرکرتی کو اپنی دُلہن بنالو۔

ع دیا اپنی خودی کو جو ہم نے مٹا۔ وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا

رہے پردہ میں اب نہ وہ پردہ نشیں۔ کوئی دوسرا اُس کے سوا نہ رہا

ع[2] آنکس کہ خاکِ مارا گِل کرد و خانہ ساخت ÷ خود در میان درآمد و مارا بہانہ ساخت

भिद्यते हृदयग्रन्थिश्छिद्यन्ते सर्व संशयाः।

---

[1] ہر ایک آدمی حقیقت میں خدا ہے۔ لیکن بیوقوفیاں کرتا رہتا ہے ÷

[2] جس نے کہ ہماری مٹی کی کیچڑ بنا کر اپنا گھر بنایا۔ وہ خود تو بیچ میں پڑا اور ہمارا بہانا بنا دیا (مراد یہ ہے کہ کرنے کرانے والا سب وہ ہے۔ لیکن ہم کو مفت میں اُس کا مرتکب ٹھہراتا ہے) ÷

क्षीयन्ते चास्य कर्माणि तस्मिन् दृष्टे परावरे ॥ ۱ ॥

(منڈک اُپنشد دوسرا ادھیائے۔ کھنڈ دوسرا۔ منتر ۸)

گیان اگنی میں اپنے من۔ اِندریوں (عقل و ہوش) کو آہوتی بنا کر ڈالدو اُس آتم دیو کی خاطر جو سوتوں۔ جاگتوں (دو پایوں۔ چوپایوں) کا ایک صرف ایک ہی حاکم ہے۔ غیریّت کا حشر بپا کرنے والی تمیز کی قربانی چڑھاؤ اُس ذاتِ واحد کے آگے جو تمام حواس۔ زندگی اور طاقت کی چٹان ہے۔ محدود بنانے والی بُدھی کو لے کر دو اُس ہرنیہ گربھ میں۔ آسمان و زمین کانپتے ہوئے جس کی طرف دیکھتے ہیں اور جس میں طلوع ہوا سورج چمکتا ہے۔ ذرا باطن کی طرف مُنہ موڑ کر دیکھو۔ تم ہی ہو وہ جس کا جلال کوہستانِ ہمالیہ ظاہر کرتے ہیں۔ جس کی عظمت بحرِ نیلگوں (سمندر یا آسمان) جتلاتا ہے ۔ ۲

यस्य मे हिमवन्तो महित्वा यस्य समुद्रं रसया सहाहुः (رگوید منڈل)

سے سائیں لوک مُکار وسے کر کر لمبے ہاتھ ۔ تُو پرماتم دیو ہے تُو تِرہ لوکی ناتھ

۳ گرچہ خاکی دریں جزیرۂ خاک ۔ لیک صافی تر از زلالِ تُوئی دا

---

۱ اس پرم پُرش (لازوال ذات) کے دیکھ لینے پر (واقف ہو جانے پر) دل کے سارے عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ اور کل کرم (پھل دینے والے اعمال) ناش ہو جاتے ہیں۔

۲ برف سے لدے ہوئے پہاڑ (یعنی کوہستان ہمالیہ) جس کی بُزرگی کو جتلاتے ہیں اور جس کی مہما (عظمت) کو سمندر عیاں کرتا ہے (وہ ذاتِ اعلیٰ تُو ہے) ۔

۳ (۱) اگرچہ تُو اس خاکی سرزمین میں خاک کا پُتلا ہے لیکن آبِ مقطر سے بھی زیادہ صاف تُو ہی ہے (۲) اپنے سے (انانیت سے) گذر اور ایک بار اپنے میں آ (یعنی آتم انُوبھو کر) تاکہ تُو جان لیوے کہ بزرگی والا (خُدا) تُو ہی ہے ۔

بگذر از خویش در خود آ یکبار ❊ تا بدانی کہ ذوالجلال توئی (۲)

طالب:۔ بس بھگون! بس۔ اب سُنانے کس کو ہو؟ سُننے والے ہوش تو آپنے رہنے نہیں دیئے ❊

سلہ　دِل گفت مرا عِلمِ لدُنّی ہوس است
تعلیمے کُن اگر تُرا دسترس است
گُفتم کہ الف۔ گُفت دِگر۔ گُفتم ہیچ
در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

پرجاپتی کے اُپدیش کو اِندر بتیس۳۲ بتیس سال تک بچارتا رہتا تھا۔ آپ کے اِس "ا" رُوپی اُپدیش کو ہم پُورے بتیس۳۲ دن تک ایکانت میں ہر روز بچارینگے۔ پھر اور سُننے کو حاضر ہو جائیں گے ❊

(طالب پریم سے چرن چھُوتا ہے)

عارف:۔ نارائن! یہ کیا ہے؟ یہ کیا؟ ابھی سے اِس سارے اُپدیش کو بھُول گئے ❊ برائے خُدا! ہمیں جسم رُوپ نہ سمجھو۔ اور نہ اپنے تئیں اِس بدن میں مقیّد مانو۔ اچھے جگیاسو ہو۔ کہ آتے ہی ہمیں محدُود بنانے لگے" پیارے! ہم تو تیرے اندر موجُود ہیں۔ تیرے قلب میں جلوہ گر ہیں۔ تیرے گھر میں مہمان ہیں۔ وہیں ہم سے تباک سے ساتھ بغلگیر ہی نہیں بلکہ ایک ہو جاؤ۔ جانِ من! گھر میں مہمان چھوڑ کر بازار میں پھرتے رہنا اُس کی ہتک کرنا ہے ❊

سلہ (۱) دِل نے کہا کہ مجھ کو کشف و کرامات کے عِلم کی ہوس ہے۔ اگر تجھ کو اس میں قابلیت حاصل ہے تو مجھ کو تعلیم دے۔ (۲) میں نے کہا کہ "الف"۔ اس نے دریافت کیا کہ اور آگے بھی کچھ؟ میں نے کہا کہ کچھ نہیں۔ دِل کے گھر میں اگر کوئی (رکھنا) ہے تو ایک حرف (الف) کافی ہے ❊

سے طالب امکن توہینِ من - در خانہ ات رامؔ است ببیں

رو تافتی از من چرا؟ در قلب تو پیدا استم

اپنے جسم و اسم عقل و نقل کے بُرقعوں کو اُٹھا کر دیکھو۔ کسی دم رامؔ سے وصل ہوگا *

سے یار اساڈے سنے انگیا شملایا | آسان کھول نینی گل لاء لیا

اساں گھُٹ جانی گل لاء لیا

آپے رسیا آپ رس آپے راون ہار | آپے ہی گل چولڑا پیارے آپے سیج پدھار

آپے ماچھی مچھلی پیارے آپے پانی جال | آپے جال منکڑا پیارے آپے سب دا کال

چار کُوٹ چودہ بھون سرب بیاپک رامؔ

نانک اُون نہ دیکھئے پُورن تاکے کام

الف اوہی ہیں اوہی سرُوپ سوہنا | سہی بیج وچار کمان اوہی ہیں تُوں

جنھوں بید ابھید پکار دسے نی | ہویا چام چِکڑی چُوہی ہیں تُوں

تُوہی وِشنُو وِرنچ سُریش ہویا | کہیں کاک طوطا کہیں کھی ہیں تُوں

ہیں تُوہی ہیں تُوہی گوپال سنگھا | گل تُوہی ہیں۔ تُوہی ہیں۔ تُوہی ہیں تُوں

سے اے طالب (جگیاسُو) میری توہین مت کر۔ تیرے گھر (ہردیہ) میں رامؔ رہتا ہے۔ وہاں دیکھ۔ اے پیارے! تُو میرے سے رُخ کیوں پھیرتا ہے۔ میں تو تیرے دل میں ہر وقت ظاہر ہُوں *

(مطبوعہ)

رسالۂ الف جلد اوّل ۔ اپریل لغایت جون سنہ ۱۹ء
نمبر (۴ تا ۶)

رام

धीरा: प्रेत्यास्मा ल्लोकादमृता भवन्ति। (رام ویدکین اُپنشد منتر)

ترجمہ:۔ عارف لوگ اِس دُنیا سے مُنہ موڑ کر حیاتِ ابدی حاصل کرتے ہیں

پریم صُراحی سو پیئے جو سیس دچھنا دیت
لوبھی سیس نہ دے سکے نام پریم کا لیت

لہ تاشانہ صفت سر بنی در تہِ آرہ	ہرگز بہ سرِ زُلفِ نگارے نرسی (۱)
تا سُرمہ صفت شود و نگردی تہِ سنگ	ہرگز بہ صفا چشمِ نگارے نرسی (۲)
تا ہمچو دُرے سُفتہ نہ گردی با مار	ہرگز بہ بناگوشِ نگارے نرسی (۳)

لہ جب تک کنگھی کی طرح تُو آرے کے نیچے سر نہ رکھے گا تب تک اپنے پیارے کی زُلف تک نہیں پہنچ سکے گا۔

(۲) جب تک کہ تُو (یعنی تیری جزوی خودی) سُرمہ کی طرح (گیان روپی) پتھر کے نیچے پِس نہیں جا ئیگا۔ تب تک تُو اپنے پیارے کی آنکھ تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(۳) جب تک کہ موتی کی طرح تُو تار سے نہ چھیدا جائے گا۔ تب تک اپنے پیارے کے کان تک بھی نہیں پہنچ سکے گا۔

تا گل شدہ ببریدہ نہ گردی از شاخ	ہرگز بہ گلِ حُسنِ نگارے نرسی (۴)
تا خاکِ تُرا کوزہ نسازند کلالاں	ہرگز بہ لبِ لعلِ نگارے نرسی (۵)
تا ہیچو قلم سر نہ نہی در تہِ کارد	ہرگز بہ سرِ انگشتِ نگارے نرسی (۶)
تا ہیچو حنا سُودہ نگردی تہِ سنگ	ہرگز بہ کفِ پائے نگارے نرسی (۷)

؀ خاک در چشمے کہ او نشناخت حُسنِ خویش را
مُردہ آں دل کو بلا گرداں نشد درویش را

؀ عشق کرن تلواروں دی دھار کپّن	نہیں کم ایہ جھگیاں ننگیاں دا
ایتھے خان نا ہیں آؤ بنگیاں دا	ایہ تاں کم ہے سراں ٹھیں لنگھیاں دا
نچ دے چیانے چڑھن شکھا لٹا ہے	گھٹ ساہ اِکو چھال مار دینی
نرو عشق دی کھیڈ نی کھری اوکھی	ترس ترس بازی جان ہار دینی
جیہڑے عشق دی موت نوں پھڑن ڈرتے	وانگ کھوتیاں عُمر گزار دے نی

؀ جب تک کہ تُو پھول ہو کر ٹہنی سے نہیں کاٹا جائے گا۔ تب تک تُو اپنے پیارے کی خوبصورتی کے پھول (حُسن) تک نہیں پہنچ سکے گا ؂

(۵) جب تک کہ شراب فروش تیری مٹی کو کُوزہ نہ بنالیں تب تک تُو اپنے پیارے کے لعل سے لبوں تک بھی نہیں پہنچ سکے گا ؂

(۶) جب کہ تُو قلم کی طرح چاقُو کے نیچے سر نہیں رکھے گا تب تک تُو اپنے پیارے کی انگلیوں کے سِروں (یعنی پوروں) تک نہیں پہنچ سکے گا ؂

(۷) جب تک کہ مہندی کی طرح تُو پتھر کے نیچے نہ پیسا جائے گا تب تک تُو اپنے پیارے کے پاؤں کے تلوے تک نہیں پہنچ سکے گا ؂

؀ اُس کی آنکھ میں خاک پڑے کہ جس نے اپنے حُسن کو نہیں پہچانا۔ اور وہ دل مُردہ ہے جو فقیر پر فدا ہونے والا (قربان جانے والا) نہ ہو ؂

سلہ از خودی بیزار گشتن دوست را جُستن ز جاں
ترکِ درماں کردن و با دردِ عشقش ساختن
اے پسر عشق است جانت خویشتن را عشق داں
ایں چنیں باشد بمعنی خویش را بشناختن
Whosoever shall save his life shall lose it,
and whosoever shall lose his life shall save it.

سلہ اے بیٹا! تیری جان بذاتِ خود عشق ہے۔ اس لئے تُو اپنے تئیں عشق رُوپ جان۔ خودی سے (اپنی جزوی خودی سے) بیزار ہونا۔ دوست کو دل و جان سے ڈھونڈنا (دوست کے پانے میں جو دُکھ ملیں، اُن کے) علاج کا ترک کرنا۔ اور اپنے پیارے کے عشق کے ساتھ موافقت کرنی۔ یہ باتیں ہیں جن سے اپنا آپ پہچانا جاتا ہے۔ (یا اپنے آپ کو پہچاننے کے یہ معنی ہیں)؀

سلہ جو کوئی بھی اپنی زندگی (جان) بچائے گا وُہ اُسے کھوئے گا۔ اور جو کوئی اُسے کھوئے گا وُہ اُس کو بچائے گا۔ مُراد یہ ہے کہ اپنی جان کو بھگوان یا پبلک کی سیوا میں نثار کرنے سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وُہ خود غرضی سے دُوسروں کی خدمت میں اپنی زندگی کا استعمال نہیں کرتا بلکہ ساری عُمر پیٹ پالو کی طرح محض پیٹ کے دھندوں میں صرف کرتا ہے۔ وُہ حقیقتاً اپنے آپ کو ہر طرح سے تباہ کرتا ہے۔ نہ اس دُنیا میں اُسے سُکھ و نہ انسانی زندگی نصیب ہوتی ہے اور نہ عاقبت (پرلوک) میں ؀

جان دے جاناں سے مل۔ سر سے گزر سرداربن۔ دار پر چڑھ۔ منصور (نصرت یاب۔ فتح مند) ہو۔ اپنے رُخ انور سے جب برقع اٹھا۔ ماہ و خورشید کو چھپا ؛

ؔ قمریاں عاشق ہیں تیری سرو بندہ ہے ترا
بلبلیں تجھ پر فدا ہیں۔ گل ترا دیوانہ ہے

خودی چھوڑ خُدا ہو ؛
اعتراض :۔ قطرہ بھی کبھی دریا ہو سکتا ہے ؟ جُزو کیونکر کُل بن سکتا ہے ؟ ہم خُدا کبھی نہیں ہو سکتے ؛
جواب :۔ اوّل تو تُم اپنے آپ کو اور کا اور مان رہے ہو۔ خود کُشی کر رہے ہو۔ اور دوم خُدا کو کچھ کا کچھ جان رہے ہو۔ اُسے محدود بنا رہے ہو۔ کلنک لگا رہے ہو ؛ ایسی حالت میں تو حقیقت آپ پر کبھی نہیں کھُل سکتی ؛ البتہ "میں (अहम्) کا مفہوم اصلی (लक्ष्यार्थ) جانو۔ اور خُدا (ब्रह्म) کی ذات کو پہچانو۔ تو ابھی آنند کی وہ شیرینی حاصل ہو کہ چون و چرا کے ہونٹ سِل جائیں ؛
"منکہ فلاں۔ ڈگری یافتہ۔ قوم فلاں۔ پیشہ فلاں۔ ساکن فلاں وغیرہ تُم نہیں ہو۔ اِس کا نام ویدانت والوں نے "آہنکار" رکھا ہے یہ "آہنکار" تُم نہیں ہو۔ یہ "اہنکار" آتما نہیں ہے۔ یہ اہنکار" خُدا نہیں ہے۔ جب گیان وان سے یہ کلمہ سُنائی دیتا ہے کہ "میں برہم ہُوں"۔ "من خُدایم" تو نہ من (میں) سے اُس کی مراد اہنکار ہوتی ہے اور نہ خُدا (برہم) سے مراد personal God (گُنوں والا محدود ایشور) ہوتی ہے۔ اِس کلام کی حقیقت کو نہ سمجھ کر

عام انسان اِس فروعہ دصل کو اپنی نادانی کی بدولت آفتِ ناگہانی تصور کر بیٹھتا ہے ٭ اہنکار (انانیت) تیرا سروپ (ذات) نہیں ہے۔ اِس اہنکار کو ویدانت نکالنا چاہتا ہے۔ انانیت کو نفی کرواتا ہے ٭

کسی راجہ کے پاس ایک اجنبی شاعر قصیدہ کہہ کر لایا۔ جس کا مطلع یُوں شروع ہوتا تھا۔

سلہ "اَے تاجِ دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا"

راجہ صاحب فارسی زبان سے ناواقف تھے۔ مگر (حسب دستور) اپنی لاعلمی ظاہر کرنی نہیں چاہتے تھے۔ قصیدہ فی الواقعہ نہایت عمدہ تھا۔ راجہ صاحب نے قدر دانی دکھانے کی خاطر اُس شاعر کو انعام و اکرام سے مالامال کرنے کا حُکم دیا۔ اِس پر دربار کے شاعر کو بڑا رشک آیا۔ راجہ صاحب کے حضور میں اُس اجنبی شاعر کو کہا کہ وہ اپنے قصیدہ کے اشعار کی تقطیع کرے۔ اجنبی شاعر تقطیع کرنے لگا ٭ "اَے تاج دو"..... مستفعلن، "لت بر سرت ..... مستفعلن..... وغیرہ بیچارا شاعر "لت بر سرت" کہہ ہی رہا تھا کہ درباری شاعر نے اُس کی زبان روک لی۔ کہ اَے مردک! ہمارے مہاراج کو "لت بر سرت" (یعنی لات تیرے سر پر) ایسا بے ادبی کا کلمہ بول رہا ہے۔ بس چُپ رہ۔ راجہ صاحب بھی غضب سے بھر گئے۔ اور ہونٹ دانتوں میں کاٹ کر بولے۔ "ایں! یہ بات ہے؟" وُہ غریب ہکّا بکّا رہ گیا کہ لینے کے دینے پڑ گئے۔ وغیرہ ٭

ٹھیک اِس طرح او شاہنشاہِ انسان! وہ بھگوان (ईश्वर) تیری

سلہ اے بادشاہ دولت کا تاج تیرے سر پر شروع سے آخر تک (ہمیشہ) رہے ٭

تعریف کے گیت کہہ کر لایا ہے۔ (अयमात्मा ब्रह्म) "یہ آتما برہم ہے" (तत् त्वमसि) "وہ تُو ہے" وغیرہ ✤ تُو اہنکار کے اپاد سے اُس کلام پاک کو مت بگاڑ ✤

(ع[1] دام تزویر مکُن چُوں دِگراں قُرآں را ✤ اِس عقیدے کو رُو کرنے سے نہ وید بھگوان کی بے ادبی کر۔ اور نہ اپنے سر پر لات کھا ✤

روایت مذکورۂ بالا یُوں بھی سُننے میں آئی ہے کہ اجنبی شاعر تقطیع کرتے وقت جب بولا "اے تاج دو مُستفعلن۔ تب درباری شاعر نہایت تیزی سے چلایا "آگے بھی تو کہو۔ آگے! آگے!" اجنبی شاعر اپنے حریف کے شرارت آمیز ارادے کو بھانپ گیا۔ اور فی الفور درباری شاعر کی طرف مخاطب ہوکر زور سے بولا "دولت بر سرت" مستفعلن۔ جس کے یہ معنی تھے کہ "اے عیب بین! تجھ کو پھٹکار ہے" ✤

پیارے! تیرے ناداں تداح اہنکار کو وید بھگوان ملامت کرتا ہے

प्रकृतेः क्रियमाणानि गुणैः कर्माणि सर्वशः।

अहङ्कारविमूढात्मा कर्ताहमिति मन्यते ॥२७॥ (بھگوت گیتا ۳۔ ۲۷)

ترجمہ:۔ مایا کے گُن کرت ہیں۔ سبھی کرم یہ جان

اہنکار آتم مُوڑھ لیت آپن کو مان

(ع[2] حق بے خبر غافل از خویشتن ✤ شناسد کہ ہر کار آید ز من ✤

---

[1] اوروں کی طرح قرآن کو مکر و فریب کا جال مت بنا ✤

[2] حق (خدا) سے بے خبر اور اپنے سروپ سے غافل آدمی یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ کام ہوتا ہے۔ وہ میرے سے ہوتا ہے۔ وہ نادانی (جہالت) میں پھنسا ہُوا ہے اور اسکا خبط ترقی پر ہے۔ اسکے ایسے حال پر افسوس کرنا جائز ہے (یعنی اُسکی حالت قابلِ افسوس ہے)

ے گرفتارِ جہل مست غلطش رساست ؛ بر احوال او حیف خوردن رواست [1]

"One

By egoism demented, thinks oneself
The doer of these acts which are performed
Throughout by nature's qualities."

آہنکار کو اپنی صحبت میں مت رکھو۔ انانیت کو نفی کر۔ اہنکار کی بدولت نہ خود حقیر بن اور نہ خدا کو محدود (finite) سمجھ کر اپنے سے جدا بنا۔ بڑی بھاری غلطی دنیا میں یہ پھیلی ہوئی ہے کہ آتما (اپنا آپ۔ Self) جو بیرون از قیاس و ادراک ہے۔ اس کو اشیائے معلومہ کے زمرہ میں لایا چاہتے ہیں۔ وہ نرگن (مبرا از اوصاف) ہے اس کو متصف باوصاف کیا چاہتے ہیں ؛

جیسے سورج سے تمام چرند و پرند، حیوان اور انسان پرورش پاتے ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے سورج کی بدولت۔ ہاتھ پیر کام کرتے ہیں۔ سورج سے طاقت چیتنتا (Energy) لیکر زمین قائم ہے۔ سورج کی وجہ سے کل کاروبار کا سلسلہ سورج کی مدد سے چلتا ہے۔ لوگوں کے لئے غذا سورج کی عنایت سے پیدا ہوتی ہے۔ چاند کی چاندنی در اصل سورج کا ہی پرکاش ہوتی ہے۔ تیل روشنی کو سورج ہی سے حاصل کرتا ہے۔ اور ایندھن گرمی کو سورج ہی سے پاکر آتا ہے۔ دنیا میں بھلا برا جو ہوتا ہے سورج ہی کی کرتوت ہوتی ہے ؛

---

[1] مشیئہ آہنکار یا خودی سے مست و مخمور بیہوش (یعنی جاہل و خود غرض آدمی) جو کام کہ اُس کی قدرت (سبھاؤ) کے خواص سے خود بخود سرزد ہوتے ہیں وہ (جہالت کی وجہ سے) اُن کا فاعل خود (اپنے آپ) کو گردانتا ہے ؛

आदित्येनैव ज्योतिषाऽस्ते पल्ययते कर्म कुरुते विपल्यतीति।

ترجمہ:۔"سُورج کے نُور سے انسان بیٹھتا ہے۔ چلتا پھرتا ہے۔ کام کاج کرتا ہے اور گھر واپس آتا ہے" کسی نیک یا بد کام کرتے وقت ہر ایک عضو اور پٹھے کی حرکت کا مُوجب سُورج ہی ہوتا ہے۔ لیکن کبھی نہ دیکھا یا سُنا کہ کسی عدالت (کچہری) میں سُورج کو مدعا علیہ قرار دیکر نالش دائر ہُوئی ہو ٭

اے منبع نُور! تُم نے یہ کیا اندھیر مچا رکھا ہے کہ ہر بات کے کرنے کرانے والے بھی ہو۔ اور بری الذمّہ بھی بنتے ہو! او آفتاب! آپ ہی تو مُلزم ہو اور خود ہی سب کار و بار کے دیکھنے والے (شاہد) ساکھشی بن بیٹھتے ہو۔ کہاں تک چھُپے دو گے۔ آج حضرت انسان کی عدالتِ عالیہ میں اظہار دو

؎ خاک پستی سے اگر دامن ترا ہمدم نہیں	یہ بڑائی کا نشاں اَے تیرِ اعظم نہیں
اپنی ہستی سے بھی تو ابتک اگر محرم نہیں	ہمدم یک ذرۂ خاکِ درِ آدم نہیں

؎ تُو سلامت پذیر صبح و فردا ہی رہا ٭ نُورِ مسجُودِ ملک زیبِ تماشاہی رہا

سُورج کے اظہار:۔ باقرارِ صالح۔ اَے حاکم الحکام انسان! سب کچھ مجھ سے وقوع میں آتا بھی ہے۔ اور مَیں کسی امر کا فاعل بھی نہیں ہوتا ٭ پر آپ ذرا اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر تو دیکھئے۔ میرے حسب و نسب کا تو پتہ لگ جائے گا۔ مَیں تو صرف آپ کا اُجالا کرنے والا (द्योतक) ہوں۔ آپ کا سایہ ہُوں۔ جو کچھ آپ فی الحقیقت ہو مَیں اُس کا عکس ہُوں میرا کیا مقدور کہ آپ کے آتما کو اَور کا اَور تعبیر کر سکُوں۔ اُلٹا مجھے مُلزم قرار دیتے ہو۔ چہ خُوب ؎ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے ٭

ناظرین! اب ذرا بچار کرو اور دیکھو کہ آپ کا آتما بُدّھی یا آہنکار نہیں ہے۔ اور نہ وہ کبھی کہتا ہے کہ "میں نے فلاں کام کیا۔ میں نے یہ بنایا۔ وہ بنایا۔ کیسے کیسے لطف اٹھائے۔ کیا کیا نہ کر دکھلایا" وغیرہ۔ آتما ایسا اوچھا نہیں کہ اس شعر کا مصداق ہو سکے۔

س اتنا بھی چاہئے حوصلہ فوارہ ساں نہ تنگ
چلّو ہی بھر جو پانی میں گز بھر اُچھل پڑے

آتما تو سُورج کی طرح ہے۔ اس سے بھِن (الگ) بھی کچھ نہیں۔ اور وُہ کرتا بھوگتا بھی نہیں۔ وُجُود کے محلسرا میں آتما سے زندگی (ستا) پاکر پانچوں پرانوں (یعنی پران۔ اپان۔ ویان۔ اُدان۔ سمان) سے اپنا اپنا کام ہوتا ہے

यः प्राणेन प्राणिति स त आत्मा सर्वान्तरः।
योऽपानेनापानिति स त आत्मा सर्वान्तरः। यो व्यानेन व्यानिति स त आत्मा सर्वान्तरः। य उदानेनोदानिति स त आत्मा सर्वान्तरः। एष त आत्मा सर्वान्तरः॥१॥ (برہدارنیک اُپنشد ۳۔۴۔۱)

ترجمہ:- "وہ جو پران بائیو کے ذریعے سانس لیتا ہے۔ تیرا آتما ہے سب میں رہنے والا۔ وُہ جو اپان بائیو کے ساتھ نیچے کو جاتا ہے۔ تیرا آتما ہے سب میں رہنے والا۔ وہ جو ویان سے ہر مقام پر پہنچتا ہے۔ تیرا آتما ہے سب میں رہنے والا۔ وہ جو اُدان سے اُوپر کو چڑھتا ہے۔ تیرا آتما ہے سب میں رہنے والا۔ یہ تیرا آتما سب میں رہنے والا ہے"۔

آتما کے نُور میں سب حواس رہتے سہتے (بُود و باش کرتے) ہیں دماغ رُوپی ہارمونیم (باجہ) سے بُدّھی اور اہنکار (خیال و عقل وغیرہ) رُوپی سُر بن آتما کی بدولت نکلتی ہیں۔ لیکن یہ آتم دیو اِس خیال سے

نیارا اور مُبرّا ہے کہ "میں کرتا ہُوں" آتما کبھی نہیں کہتا کہ "میں نے
خُون بنایا۔ میں نے ہڈیاں اور پٹھے تیار کئے۔ میں نے بال بڑھائے وغیرہ
سب کچھ ہوتا بھی اسی سے ہے اور وہ آپ کرنے کا نام بھی نہیں لیتا۔
کرنے کرانے کی تمیز (consciousness) سے پرے ہے آتما عقل و
تمیز (consciousness۔ بُدھی) اس کا ایک کرشمہ ہے۔
جہاں سینکڑوں کام اسکی ستا سے خود بخود ہو رہے ہیں۔ مثل تنفس
دورانِ خُون۔ بھُوک پیدا ہونا۔ غذا کا پچنا۔ وغیرہ۔ وہاں دماغ کی سوچ
بچار (عقل و ہوش) بھی اسی کے پرکاش کے باعث ظہور میں آتی ہے۔
عقل (intellect) ایک (tongs) چمٹے کی طرح ہے
جو دُنیا کے سب پدارتھوں (اشیاء) کو پکڑ سکتا ہے۔ لیکن اِس چمٹے (عقل)
کی یہ مجال نہیں کہ اُن انگلیوں کو پکڑ سکے جن کے قابو میں خود ہے
اور جن کے بس میں آکر اشیاء پر قابض ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر عقل
(consciousness۔ تمیز) محسوسات کی اشیاء پر گو وہ قدرت
حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن آتما کو نہیں پکڑ سکتی۔ کیونکہ آتما اُن انگلیوں
کی طرح ہے جنہوں نے چمٹے کو قابو کیا ہُوا ہے ؁

यो मनसि तिष्ठन्मनसोऽन्तरः, यम् मनो न वेद यस्य मनः-
शरीरं। यो मनोऽन्तरो यमयति, एष त आत्माऽन्तर्याम्यमृतः॥

(برہدارنیک اُپنشد ادھیائے ۳ - برہمن ۷ منتر ۲۰)

ترجمہ: "وہ جو من (بُدھی۔ اہنکار) میں رہتا ہے۔ من سے اَنتر ہے۔ جس کو من
نہیں جانتا۔ من جس کے لئے جسم (یا لباس) کی طرح ہے۔ جو اندر سے من
کو چلاتا ہے۔ وہ تیرا آتما غیر فانی قادر القلوب (انتریامی) ہے"۔

سلہ خرد را دوش مے گفتم کہ اے اکسیر دانائی
ہمت بے مغز ہشیاری ہمت بے دیدہ بینائی (۱)
چہ گوئی در وجود آں کیست۔ کیں شائستگی دارد
کہ تو باآب روئے خویش خاکِ پائے او سائی (۲)

اعتراض: دُنیا میں تو دو ہی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں جڑ (غیر ذی عقل unconscious) اور چیتن (ذی عقل۔ conscious)۔
آپکے ارشاد سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ آتما چیتن (ذی عقل conscious) نہیں ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ آتما سے کوئی کام سرزد ہوتے وقت آتما میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ "میں کر رہا ہوں" پس چونکہ آتما "چیتن" نہیں ہے اس لئے آپ کی منطق کی رُو سے آتما ضرور "جڑ" ہے +
بڑے تعجب کا مقام ہے تمہارا ویدانت آتما کو جڑ مانتا ہے۔ ایسا جڑ (بیجڑا) آتما چیتن مبُدھی کو کیا خاک طاقت دے سکتا ہے ؟

جواب:۔ ہاں! دُنیا میں تو دو ہی قسم کی اشیا ہوتی ہیں۔ جڑ اور چیتن مگر آتما دُنیا کی شے نہیں ہے۔ یہ جنس منساری نہیں ہے۔ یہ سودا حواس (اندریوں) کے گلی کوچوں میں نہیں فروخت ہوتا +
ع ہوش بھی جس پر پھڑک جائیں وہ سودا اور ہے +

سلہ کل رات میں عقل سے کہتا تھا کہ اے دانائی کی کیمیا! تیری تمام ہوشیاری بغیر مغز (دماغ) کے ہے اور تیری تمام بینائی بغیر آنکھوں کے ہے۔
(۲) تو بتلا کہ اس جسم میں وہ کون ہے کہ جو ایسی لیاقت رکھتا ہے کہ تو اپنے چہرہ کی آب پر اس کے پاؤں کی خاک ملتی ہے (رگھستی ہے)

ل‍ہ پائے ظاہر رو ہمیشہ راہ ظاہر میرود ؂ قطع راہِ باطنی با کارِ پائے دگیرست
آپکے معنوں میں جڑ اور چیتن کو لیا جائے تو آتما نہ جڑ ہے نہ چیتن۔
وُہ بیان میں آ ہی نہیں سکتا۔ جب تک تم جڑ اور چیتن کی تمیز رکھتے
ہو۔ آتما کا ساکشات کار نہیں ہو سکتا۔ جب آتم ساکشات کار ہو گا۔ جڑ
چیتن کی تمیز اُٹھ جائیگی ؂ یہ تو بتاؤ۔ آتما سوچے تو کیا سوچے؟ سوچنے
کے عمل میں کسی غیر چیز کا آگاہ ہونا لازمی ہے۔ آتما سے بھن (جُدا)
کوئی شے ہی نہیں۔ تو آگاہی کیا معنی؟ اور سوچنا کیسا؟
جب مَیں بھی وُہ (آتما) تم بھی وُہ (آتما) یہ بھی وُہ (آتما) وُہ بھی وہ (آتما)
اور سب ہی کچھ وُہ آتما ہے تو اُس سے علیحدہ باقی کیا رہا۔ جس کی
بابت وُہ (آتما) سوچے۔ آتما میں دُنیا کہاں رہی۔ سنسار کہاں رہا؟ سُورج
کی اتنی عُمر ہو گئی۔ سُورج نے اندھیرا کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔
دِن اور رات۔ اندھیرا اُجالا زمین کے لئے ہے۔ سُورج میں کبھی رات پڑی
ہے نہ دن چڑھا ہے۔ آفتاب نے جہاں نگاہ ڈالی۔ اندھیرے نے آنکھ چُرا لی
پیارے! سُورجوں کے سُورج آتم دیو کے لئے جل (دُنیا) وما فیہا (دُنیا)
کہاں؟ آتما کو بھلا کیسی سوچ بچار؟ سوچ بچار تو وجُودِ زمانی مکانی اور
نفسانی میں پھنسے ہوئے کے لئے زیبا ہے ؂ جو سب زمانوں (ماضی حال
مستقبل) میں جلوہ گر ہو۔ وہ کس کل یا پرسوں کی فکر کرے؟۔ جو سب
مکانوں میں حاضر و ناظر ہو۔ وہ کس غائب مقام تک رسائی پانے کا

ل‍ہ ظاہری طریق پر چلنے والا قدم (یعنی وہ پاؤں جو ہمیشہ محض دکھلاوے یعنی غیر حقیقی راستے یا مذہب پر چلتا ہے) ہمیشہ دکھلاوے کے راستے پر چلتا ہے۔ لیکن حقیقی راستے کا طے کرنا کسی اور پاؤں (قدم) کا کام ہے ؂

اندیشہ کرے؟ جو کُلّ شئےؐ محیط ہو وُہ کس کُلّ مُراد کے حصُول کی تدبیر کرے ❊

۵ کیا سوچے کیا سمجھے رامؔ؟	تین کال کا واں کیا کام؟
کیا سوچے کیا سمجھے رام؟	تین لوک نہیں اُپجا دھام؟
نت ترپت سُکھ ساگر نام	کیا سوچے کیا سمجھے رام؟

جہاں رامؔ تاتّہ کام ناتّہ ❊ جہاں کام نہیں رام ❊

यत्र हि द्वैतमिव भवति, तदितर इतरं पश्यति, तदितर इतरं जिघ्रति, तदितर इतरं रसयते, तदितर इतरमभिवदति, तदितर इतरं शृणोति, तदितर इतरं मनुते, तदितर इतरं स्पृशति, तदितर इतरं विजानाति, यत्र त्वस्य सर्वमात्मैवाभूत्, तत्केन कं पश्येत्, तत्केन कं जिघ्रेत्, तत्केन कं रसयेत्, तत्केन कमभिवदेत्, तत्केन कं शृणुयात्, तत्केन कं मन्वीत, तत्केन कं स्पृशेत्, तत्केन कं विजानीयाद्। येनेदं सर्वं विजानाति, तं केन विजानीयात् विज्ञातारमरे केन विजानीयादिति (بہدار نیک اُپنشد، ادھیائے ۴- براہمن ۵- منتر ۱۵)

ترجمہ:- ’’جہاں غیریت دکھائی دیتی ہے۔ وہاں ایک دُوسرے کو دیکھتا ہے وہاں ایک دوسرے کو سُونگھتا ہے۔ وہاں ایک دُوسرے کو سُنتا ہے۔ وہاں ایک دُوسرے کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں ایک دُوسرے کی بابت فکر کرتا ہے، وہاں ایک دُوسرے کو جانتا ہے ❊ لیکن جہاں سب کچھ ایک آتما ہی آتما ہو، وہاں کس کو کس سے دیکھے؟ کس کو کس سے سُونگھے؟ کس کو کس سے سُنے۔ کس کا کس سے ذکر کرے؟ کس کا فکر کرے؟ کس کو جانے؟ ❊ جس سے یہ کُل

اشیا جانی جاتی ہیں وہ (عین علم) کس سے جانا جائے ؟"

لہ اے خدا جویاں خدا گم کردہ اید ÷ گم دریں امواج قلزم کردہ اید

کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ آتما دیوار کی طرح جڑ (یعنی جہالت آلود) ہے آتما تو عین علم ہے۔ گیان سروپ ہے چیتنا روپ ہے ÷ شری بھگوتی کا ارشاد سنو

यद्वै तन्न पश्यति, पश्यन्वै तन्न पश्यति, न हि द्रष्टुर्दृष्टेर्विपरि-
लोपो विद्यतेऽविनाशित्वात्, न तु तद्द्वितीयमस्ति ततोऽन्य-
द्विभक्तं यत् पश्येत् ॥ २३ ॥

(برہدارنیک اپنشد ۴-۳-۲۳)

ترجمہ :- (اگر یوں کہوں کہ) آتما وہاں کچھ نہیں دیکھتا (تو) گو نہیں دیکھتا۔ دیکھتا ہے۔ کیونکہ آتما میں دیکھنے کی قدرت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ بے زوال ہے۔ لیکن وہاں کوئی دوسرا نہیں۔ آتما سے علیحدہ (غیر) کا نام و نشان گم ہے۔ پس آتما دیکھے کس کو ؟

شعر

آگاہ نیم از تشبیہ تو دانم کہ نزادست
دوشیزۂ از دودۂ تشبیہ تو عدم را

آتما کچھ نہیں سوچتا۔ اور گو وہ نہیں سوچتا۔ سوچتا ہے ÷ آتما میں سوچنے کی قدرت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ بے زوال ہے۔ لیکن وہاں کوئی دوسرا نہیں۔ آتما سے علیحدہ (غیر) کا نام و نشان گم ہے۔ پس آتما کس کو

لہ اے خدا کے ڈھونڈھنے والو! تم نے اپنی تلاش سے خدا کو گم کر دیا ہے۔ اور میں کہوں (کہ اپنی کوشش) میں تم نے اس سمندر (لا محدود طاقت) کو چھپا دیا ہے ÷

(۲) میں تیری تشبیہ (مثال) سے واقف نہیں ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ قدرت نے تیری مثال پیدا نہیں کی ہوئی ہے۔ نیستی (عدم۔ اویکت) کی کنواری لڑکی تیری تشبیہ کے خاندان میں سے ہے۔ یعنی تیری مثال عدم سروپ ہے ÷

سوچیے ؟"

"وہ حق شناس عارف (آتم درشی) وہ لاثانی بحر ہو جاتا ہے جسکے امواج اور حُباب وغیرہ عالمہائے رنگا رنگ ہیں۔عرفان ہی برہم لوک ہے"۔

एषाऽस्य परमा गतिरेषाऽस्य परमा संपदेषो ऽस्य परमो लोक एषोऽस्य परम आनन्दः ॥३२॥ (برہدارنیک اُپنشد ۴۔۳۔۳۲)

"یہی (آتم گیان) اُس کا مقصدِ اعلیٰ ہوتا ہے۔ یہی اُس کی بڑی سے بڑی دولت۔ یہی اُس کے لئے بلند ترین رُتبہ اور یہی اس کو اولیٰ ترین سرور"۔

प्रेयान्यः सदनधनकलत्रप्रियादेर्यत प्रेमना प्रियमिति मन्यते प्राचः। सदान्याविधिरजधीरि नैतदाश्चर्यो विज्ञेयः स खलु सुखाब्धिरन्तरात्मा ॥ (سوراجیہ سدّھی)

آتما جو سب کا پُشتِ پناہ ہے۔ مکانات۔ دولت۔ اولاد۔ عورت وغیرہ سب سے زیادہ جس کی قدر ہے۔ جس کی خاطر دیگر اشیاء عزیز ہوتی ہیں۔ جو کُل مطالب کا انجام ہے۔ جس کے لئے سب چیزیں ہیں۔ اور جسکو کوئی غرض نہیں ہے۔ ایسے آتما کو کیوں ساکشات کار نہ کیا جائے۔ ایسے آتما کا عرفان کیوں نہ حاصل کیا جائے ؟"

طالب :۔ ابھی کچھ پلّے نہیں پڑا۔ گڑبڑ سی مچ گئی ہے ۔

عارف :۔ آتم ساکشات کار کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ یہاں صبر اور استقلال درکار ہے۔ سرکار کے ہاں چھوٹی چھوٹی اسامیوں کی خاطر کئی سال اُمید وار رہنا پڑتا ہے۔ اور پھر بھی ملازمت خواہ ملے خواہ نہ ملے سرورِ لایزال (معرفتِ ذات) کے لئے اِس درجہ کی بے صبری! واہ ہمت

ست پارو بہ

श्रवणायापि बहुभिर्यो न लभ्यः श्रृण्वन्तोऽपि बहवो यन्नविद्युः। आश्चर्यो वक्ता कुशलोऽस्य लब्धाऽऽश्चर्यो ज्ञाता कुशलानुशिष्टः॥७॥ (یجروید کٹھ اُپنشد۔ ادھیائے پہلا ولی دوسری منتر ۷)

"اکثر لوگ تو اس آتما کا چرچا سُننے ہی نہیں پاتے۔ سُن سُن کر بھی بہت لوگ سمجھ نہیں سکتے"۔ مُبارک ہے یہ معرفت بتانے والا۔ اور غنیمت ہے اس کا مِلنا۔ نیز مُبارک ہے اُس وِدیا کو لینے والا۔ اور غنیمت ہے اس کا تعلیمِ حقیقت پانا"۔

لوگوں کو ویدانت کیوں نہیں بھاتا

جب کوئی نیا خیال انسان سوچتا ہے تو دماغ کے مادّے میں ایک نقش سا پڑ جاتا ہے۔ لڑکا جب نئی نئی صحبتوں میں گُزرتا ہے۔ یا نئی نئی کُتب کا مُطالعہ کرتا ہے تو اُس کے دماغ کے مادّے میں نئے نئے نقوش ثبت ہوتے ہیں۔ اور آئندہ کو فونو گراف کی مانند خیال کی تاخت اُن خطوں پر آسان ہو جاتی ہے۔ یعنی جو خیالات ایک دفعہ ذہن میں آ چکے ہوں اُن کو دوبارہ یاد کرنا یا سمجھنا سمجھانا سہل ہوتا ہے۔ اور اُن خیالات کے متعلق کہیں ذکر و اذکار ہو رہا ہو تو جھٹ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ لیکن اگر کہیں اِس قسم کے خیالوں کا سلسلہ پیش آ جائے کہ اُن میں اور دماغ کے موجودہ خطوط (نقوش) میں کوئی موافقت نہ ہو تو کچھ پلّے نہیں پڑتا۔ عقل چکرا جاتی ہے۔ گڑبڑ

معلوم دیتی ہے ۔ چونکہ فسانوں وغیرہ میں عموماً اُن باتوں کا ذکر ہوتا ہے جن کے موافق روز مرہ کے تجربہ نے دماغ میں پہلے ہی سے لکیریں (groove) قائم کردی ہوں۔ اِس واسطے معمولی ناول ناٹک کو پڑھتے وقت دماغ کی اُن تیار شدہ لکیروں (پٹڑیوں) پر انسان کا فہم ریل گاڑی کی طرح گزر جاتا ہے۔ لیکن فلسفہ یا ریاضی کو مطالعہ کرتے وقت دماغ میں نئے نقش (groove) پٹڑیاں تیار کرنی پڑتی ہیں۔ اِس واسطے اُن علوم کی تحصیل میں بہت دِقت واقع ہوتی ہے ۔ بڑا باعث یہی ہے۔ ویدانت کے کٹھن سمجھا جانے کا ۔

مُنڈک اپنشد میں مذکور ہے "پریشانی کے جال میں گرفتار ہونے کا باعث یقیناً یہی ہے کہ وُہ جو بہشت (پاکیزگی) میں رہنے لایق ہیں اُن کی سنگت (صحبت) اختیار کرتے ہیں جو اُس بہشت (صفائی باطن) کے لائق نہیں" ۔ آجکل کے عام نوجوان بچپن سے لیکر ایسی صحبتوں میں گزارتے ہیں۔ ایسے کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور اِس قسم کی تعلیم پاتے ہیں کہ دُنیا کی چند روزہ زندگی اُنکے دماغوں میں گھر کر بیٹھتی ہے ۔ راہِ حقیقت کی سُریں نکالنے والی کوئی تار اُن کے دماغ روپی سناہ (طنبورہ) میں لگنے ہی نہیں پاتی۔ موقع پر بجے کیونکر؟ جب کہیں لیکچر وغیرہ میں اپنے مذاق کی بات سُن پاتے ہیں تو اُس کے جواب میں اُن کے دِل (دماغ) کی کوئی تار ہِل جاتی ہے۔ اِس لئے جھٹ تالیاں بجاتے ہیں۔ پر جہاں پہارتھ کا اُپدیش سُنایا، معرفتِ الٰہی کی بات چھڑی۔ اُونگھنے لگے۔ جمائیاں لینے لگے۔ طبیعت گھبرا گئی۔ بول اُٹھے "دِل نہیں لگتا۔ کچھ interesting (دلچسپ) نہیں ہے۔ جی اُکتا گیا۔" یہ

نہیں تو کوئی اور حجت پیش کر دی ۔ ریاضی۔ فلسفہ۔ سائینس۔ گو مشکل ہیں پر ہمارے نوجوان ان مشکلات کو تو امتحانات یونیورسٹی کے ڈر سے عبور کر جاتے ہیں۔ اور مانا کہ برہم ودیا (ویدانت) بھی اہم ہے۔ پر امتحان موت پاس کرنے کے لئے اسی کی ضرورت ہے۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ عام نوجوان آخری امتحان (final examination موت) کو ایسا بھول بیٹھے ہیں کہ اس کی خاطر اس مضمون کو ذرا توجہ نہیں دیتے ۔

عام بچوں میں ایک خوبی کی بات یہ ہوتی ہے کہ دماغ میں نئے نقوش حاصل کرنے کو ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔ یعنی docile (تربیت پذیر) ہوتے ہیں۔ نئی information (واقفیت) کے بھوکے اور پیاسے ہوتے ہیں ۔ علم کے لئے بچوں کی سی اشتہا بعض نوجوانوں اور بزرگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن آج کل ہندوستان میں شاذ و نادر ۔ عموماً نوجوانوں میں یہ نقص ہو جاتا ہے کہ خزینۂ علم بہم پہنچانے کے لئے سست ہو جاتے ہیں۔ بیدار مغزی کھو بیٹھتے ہیں۔ tenens (جڑ) بن جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ اپنے دنیوی خیالات کے نقشوں کو جو دماغ میں جم چکے ہیں مٹا کر روحانی خیالات کے رنگ جمائیں ۔

کسی شخص کی رائے ہے ایک گاڑی کو بصد مشکل کھینچ کھانچ کر کسی پہاڑی سڑک پر چڑھاؤ۔ اور پہاڑی کی چوٹی تک لیجا کر چھوڑ دو تو کس زور سے گاڑی خود بخود نیچے گرتی گرتی واپس آئے گی! یہی حال اکثر تعلیم یافتگان حال کا ہے۔ علم کی گاڑی کو کشاں کشاں سلسلۂ تعلیم کی چوٹی (ایم اے یا بی۔ اے) تک پہنچاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچتے ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ (یعنی مطالعۂ کتب کو الوداع کہتے ہیں۔ تفتیش و تحقیقات کو یک قلم

ترک کر دیتے ہیں) اور چند ہی سال میں سوائے اپنے دفتر کے رواجی علم کے باقی سب پڑھا لکھا تختۂ دل سے صاف دھو ڈالتے ہیں۔ گو یہ رائے بالکل درست تو نہیں۔ لیکن اِس میں بھی شک نہیں کہ خواہ سوشیل (مجلسی) تعلقات کی بدولت۔ خواہ بیہودہ خانگی تفکرات کی بدولت کالج چھوڑتے ہی تعلیم یافتہ لوگوں کی علمی و رُوحانی ترقی عموماً رُک جاتی ہے۔ جب یہ ماجرا ہے تو ویدانت کو کون پڑھے گا؟

بڑا بھاری باعث ویدانت کے دُشوار ہونے کا یہ ہے کہ ہر ایک آدمی میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ اُس پر رازِ حقیقت کھل سکے۔ جیسے ڈیڑھ برس کا بچہ میگھ دُوت کا ارتھ سمجھنے کے ناقابل ہوتا ہے۔ کچھ تربیت پا کر کالیداس کے سب ناٹکوں کا ارتھ خود بخود لگا سکتا ہے۔ وَیسے ہی ویدانت کی رمز جاننے کے لئے سنساری آدمی کو تربیت کی ضرورت ہے صفائی قلب درکار ہے۔ شیشۂ دِل کی چھائیاں اُتر جانے پر نُورِ معرفت خود بخود پرتو ڈالیگا۔

خُلوصِ باطن

ویدانت کسی مِلّت یا مت کا نام نہیں ہے کہ دیگر فرقوں کے لوگ اُس پر اعتراض کریں تو دیا ہو۔ یہ تو اُس آتما (حقیقت) کا علم (The Science of the Soul) ہے جو سب کی ذات ہے۔ یہ برہم وِدّیا تو ریاضی کی طرح وہ علم ہے جس میں شک کے نام کو بھی گنجایش نہیں۔

علم ہندسہ سے وُہی طلباء بِیزار رہتے ہیں جن کی اپنی عقل سلیم

نہ ہو۔ یا جن میں استقلال نہ ہو ◆

ویدانت سے بھی وُہی اصحاب ناراض رہتے ہیں جنہوں نے ٹھیک طریق پر کبھی اُس کی تحصیل نہیں کی ◆ تحصیلِ معرفت دو طریق پر ہو سکتی ہے (۱) تحصیلِ نظری (Theoratical) (۲) تحصیلِ عملی (Practical) عِلم کیمیا (Chemistry) کو پڑھنے والا اگر ساتھ کے ساتھ تجربے نہ کرتا جائے تو کبھی اُس عِلم سے حظ نہیں اُٹھا سکتا۔ ویسے ہی علمِ لدُنی کا طالب جب ہی لُطف اُٹھا سکتا ہے۔ جب اُس سے عِلم کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہوتا جائے ◆ عِلمِ حساب میں کسی قاعدے کو صرف ازبر کرلینا کافی نہیں ہوتا۔ جب تک اُس قاعدے کے متعلق مشقی سوالات حل نہ کیئے جائیں گے مہارت حاصل نہیں ہونے کی۔ جب تک ریاضی کے قاعدے زبان پر رہیں۔ کامیابی نہیں ہوتی۔ کامیابی کے لئے تو قاعدوں کا ناخنوں میں اُتر آنا ضروری ہے۔ یعنی قاعدوں پر اس قدر قُدرت درکار ہے کہ گویا خود بخود اُنگلیاں اُن قاعدوں کے مُطابق سوال حل کرتی چلی جائیں ◆ یہی حال ویدانت کا ہے۔ اِس وِدیا کا فرض بھی ہے جب برہم ابھیاس اِس درجے کا ہو کر شم دم۔ بِبیک۔ بیراگ وغیرہ خود بخود ہر رگ و ریشہ سے پڑے نمودار ہوں۔ چتونوں سے شانتی اور آنند ٹپکا برسے۔ کلام سے سرور پڑا ٹپکے ◆ کوئی شائق اُقلیدس کی شکل ۴۷ کا ثبوت پڑھنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ پہلی چھیالیس اشکال کو سمجھ کرائے۔ اگر اُن اشکال سے ناآشنا ہے تو شکل ۴۷ بھی سمجھ میں نہیں آئے گی ◆ اگر کوئی لڑکا حساب میں عادِ اعظم کا قاعدہ سیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ضرب اور تقسیم نہیں جانتا۔ تو

اُسے علمِ اعظم کبھی نہیں آئیگا۔ ٹھیک اِس طور پر اگر طالبِ حق
وبدانت کے مُفصلۂ ذیل ابتدائی سبقوں کو عملی طور پر یاد نہ کریگا
سُرورِ ذات سے بے بہرہ ہی رہے گا۔ چاہے جتنی کتب کا مُطالعہ
پڑا کرے ٭

عملی تعلیم

طُفولیت کے زمانے میں پانڈو اور گورو اکٹھے پڑھتے تھے۔ایک دِن ان سب کا امتحان لیا گیا۔ کسی طالب علم نے تو آدھی کتاب سُنائی۔ کسی نے ساری کتاب۔ کسی نے دو کتابوں میں اِمتحان دیا۔ کسی نے چار میں۔ لیکن یدھشٹر سے جب پُوچھا گیا کہ تُم نے کچھ یاد کیا ہے تو اُس نے ال اُپدیش (قاعدہ) کے حُروف تہجّی کے علاوہ صرف دو ہی فقروں کی طرف اُنگلی کی کہ دو جُملے مَیں نے یاد کئے ہیں اور بس ٭ یہ سُن کر ممتحن صاحب کو بلا کا غصّہ آیا کہ "اَرے نالایق! تُو سب سے بڑا ہے اور ابھی تک یاد صرف دو ہی فقرے کئے ہیں۔ یہ کیسی سُستی ہے؟ تُمہیں شرم نہیں آتی؟ چُلّو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ وغیرہ" ٭

مُمتحن صاحب نے اسی پر بس نہ کی۔ دے چپت پر چپت لگے مارنے بیچارے ولیعہدِ سلطنت کی گالیں مارے تھپڑوں کے لال کر دیں ٭

پر واہ رے راج کمار! اُف تک نہیں کی۔ شانت (بشّاش) کھڑا رہا۔ یہ کیفیّت دیکھ کر مُمتحن صاحب کو سخت حیرت ہُوئی۔ جی میں آیا۔ کہ دو آج دریودھن کو کسی قصور پر ذرا (ڈرانا) دھمکانا چاہا تھا اور وُہ پگڑی اُتارنے کو تیّار ہو گیا تھا۔ الٰہی! یہ کیا شہزادہ ہے کہ اسے کوس کوس کر نیم بسمل کر دیا۔ اور اِس نے چُوں نہیں

اکی خوش و خنداں کھڑا ہے"۔

اب یدھشٹر کا حال سُنئے۔ حروف تہجی ختم ہونے کے بعد پہلا ہی فقرہ جو گورو جی نے پرائمر میں بتلایا یہ تھا کہ "کرودھ مت کرو"۔ سعادتمند لڑکے نے گورو جی کی زبان سے یہ فقرہ سُنا۔ اور الگ ہوا۔ تنہائی میں جاکر گورو جی کے اُپدیش کو یاد کرنے لگا۔ ایکانت میں جاکر بچار کرنے لگا۔ کانوں سے سُنے ہوئے سبق کو ہر رگ و ریشہ میں اُتارنے لگا۔ اپنی عملی زندگی میں لانے لگا۔ بچارے بھولے بھالے یدھشٹر کو اِس فن تعلیم کی خبر تک نہ تھی۔ جس کی بدولت عام بابو لوگ اور پنڈت لوگ علم (ودیا) رُوپی گنگا کی نہر اپنے دماغ پر سے اس صفائی کے ساتھ بہا دیتے ہیں کہ رُڑکی والی نہر کی مانند ایک قطرہ بھی پُل سے نیچے گرنے نہیں پاتا۔ اُوپر اُوپر تو گنگا پڑی بہتی ہے۔ نچلا حصّہ خُشک کا خُشک پڑا رہتا ہے۔ ظاہر میں تو سینکڑوں کتابیں پُستکیں پڑھ ڈالیں۔ امتحانوں میں پُورے پُورے نمبر حاصل کئے۔ یونیورسٹی سے انعام و اکرام اور تمغے پائے لیکن باطن میں ایک بُوند نہ پڑنے دی۔ عمل میں کچھ نہ داخل ہونے دیا۔ بچارا یدھشٹر اِس فن سے بالکل بے بہرہ تھا۔ اُس نے جو کچھ پڑھا۔ جھٹ اُس کے سینے میں اُترنے لگا۔ بچار کے سلسلے کی یہ صُورت تھی۔

"کرودھ مت کرو"۔ بھلا یہ کیونکر؟ ہمیں تو کرودھ آ جاتا ہے پھر آتا کیوں ہے؟ کیا جائز ہے یا ناجائز۔ کرودھ کے بغیر کام چل سکے گا کہ نہیں؟ اگر کرودھ نہ کیا تو مُلازم لوگ گستاخ

ہو جائیں گے۔ کام اچھا نہ کرینگے۔ رُعب اُٹھ جائیگا۔ انتظام درہم برہم ہو جائیگا۔ روٹی وقت پر نہ پکا کریگی وغیرہ ٭ کرودھ کو چھوڑنے میں دِقتیں تو بہت پیش آئینگی۔ پر کیا کرودھ کو ترک کرنا ناممکن ہے؟ اگر ناممکن ہوتا تو گورو جی ایسا اُپدیش ہی کیوں کرتے۔ ست شاستر ایسا حکم ہی کیوں دیتے؟ اب کیا کریں۔ غصّہ آ ہی تو جاتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ یُوں تو مان لیا جائے کہ غصّہ کرنا ناجائز ہے۔ پر وقت پر کرودھ آ جائے تو آ جانے دیں؟ نہیں یہ تو جلسازی ہے۔ گورو۔ شاستر کے ساتھ دھوکا بازی ہے۔ مُنہ سے ہاں کر لینا اور عمل میں نہ لانا ٭ اب سے مصمم ارادہ کرتے ہیں کہ غصّہ کو پاس نہ پھٹکنے دینگے ٭ غصّہ پیدا کیونکر ہوتا ہے؟ عموماً جب کوئی کام بگڑتا ہے۔ یا کوئی چیز خراب ہو جاتی ہے تو کرودھ آ جاتا ہے۔ بھلا! کام تو ایک دفعہ بگڑ چکا تو اُس پر طبیعت کو کیوں بگاڑتا ہے؟ چیز تو خراب ہو گئی بلا سے۔ روپیہ دو روپیہ یا سو روپیہ کی ہوگی۔ ست پر طبیعت ایسی جنس بے بہا کو کیوں خراب کر بیٹھتا ہے؟ آنند میرا پیدائشی حق ہے اگر کوئی دُنیوی شئے کھوئی جائے تو اُس پر میں اپنے پیدائشی حق کو بھی خواہ مخواہ کیوں برباد کروں؟ ایک دفعہ دریودھن نے اپنے باپ سے تلوار مانگی تھی۔ باپ نے انکار کیا تھا۔ دریودھن جھٹ آشفتہ خاطر ہو کر بول اُٹھا تھا "میں تمہارے گھر میں رہنے ہی کا نہیں۔ تمہارا بیٹا ہی نہیں بنتا۔ کہیں چلا جاؤں گا۔ زہر کھا لوں گا۔ وغیرہ" ٭ اب تلوار زیادہ سے زیادہ کہیں دس بیس روپیہ کی ہوگی۔ کھو دی تو کھو دی ہی سہی۔ تلوار کو کھو کر اپنے پیدائشی حق (سلطنت۔ راج گدّی) کو بھی کھو دینے پر

آمادہ ہو جانا کیسی لغو حرکت ہے ؛ ٹھیک اِس طرح ستوگن بشاشت (Cheerfulness) میرا پیدائیشی حق ہے۔ دریودھن کی نقل میں کبھی نہیں کروں گا۔ کسی قسم کا نقصان ہو جانے پر میں اپنے پیدائیشی حق (شانتی) کو کبھی جواب نہیں دُونگا ؛

شاہزادوں کے ہاں رواج تو البتّہ یہی ہے کہ بات بات پر ناراض ہو جانا۔ اکڑو سے آٹے کی طرح اینٹھنا۔ لیکن گورو جی کا اُپدیش ہے "بشاشت رہو۔ دِل کو ہلنے ہی نہ دو" اب کس پر عمل کروں گورو جی تو ایک ہی ہیں۔ لیکن اُن کے برخلاف برتاؤ سے تعلیم دینے والے بہت ہیں۔ کِس کی مانوں ؟ واجب تو یہی ہے کہ گورو جی کی متابعت کروں ؛ میں رواج دستور کی ذرا پروا نہ کروں گا ؛ جو کچھ مجھے گورو جی کی ربانی راست معلوم ہوگا اُسی پر چلوں گا۔ خواہ ساری دُنیا برخلاف پڑی ہو۔ میں دُنیا کو اپنا گورو نہیں بناؤں گا صرف راستی (Truth) کو اپنا رہبر رکھوں گا ؛

نوٹ :۔ یہ مضمون اتنا ختم ہُوا ہی تھا کہ رام مہاراج ملازمت سے استعفا دیکر بنوں کو سدھار گئے اور مضمون ہذا کا سلسلہ تھوڑی دیر تک بند رہا۔ لیکن اِس بیچ میں اُن سے جو اُپدیش و خطوط موصول ہوئے تھے اور جو بعد ازاں رسالہ الف میں شائع ہوئے تھے اُنکو یہاں دیا جاتا ہے۔ اور اِن کے بعد صفحہ ۲۲۵ پر اِسی مضمون کا سلسلہ جو موصول ہُوا تھا۔ دیا گیا ہے ؛

اطلاع

از قلم بابو ہرلعل۔ آنریری مینیجر رسالۂ الف

ناظرین! "ا" کے تین لیکچروں کے بعد جب چوتھی مرتبہ اپدیش شروع ہوا تو وہ ابھی نصف ختم نہ ہونے پایا تھا کہ "وہ آنند" جس پر پہلا لیکچر تھا اور جس کی تلاش میں تمام دنیا بھٹکتی پھرتی ہے۔ رام کے سامنے دست بستہ آکر سیوا میں کھڑا ہو گیا۔ اور اقراری ہوا کہ "بیشک میں وہی آپ کا اپنا آپ ہوں۔ آپ ہی سے نمودار ہوا ہوں۔ نہیں آپ ہی میں ہوں" اور رام سے ابھید ہوکر یوں نغمہ سرا ہوا:۔

دوہا

جو سُکھ نِت پرکاش وِبھُو نام رُوپ آدھار
متی نہ لکھے جے ہی متی تکھے سو ہیں شُدھ اپار

دوہا

اِدو اپار سروپ مم۔ لہری وِشنو مہیش بر
رِدھی رَوی چیندا ورن یم شکتی دھنیش گنیش

دوہا

جا کرپال سرو گیہ کو ہِیہ وھاوت مُنی دھیان
تاکو ہوت اپادھی سے مو میں متھیا بھان

دوہا

ہوئے جے ہی جانے بِن جگت من ہو جیوری ساپ
بنسے بھجنگ جگ جے ہی بے۔ سو ہنگ آپ ہی آپ

جب یہ حالت ہوگئی۔ اور چاروں طرف آنند موجزن ہو گیا۔ سنسار ساگر میں بجائے دُکھ کے سُکھ کی لہریں لہرانے لگیں۔ زمانے نے پلٹا کھایا۔ رام کو یہی بھایا کہ بَن کو سدھاریں۔ نارائن "اوم" کی سُریلی دھنی اُچارن کرتے ہوئے "ا" کا جھنڈا ہاتھ میں لئے سنگ پدھارے۔ دُنیا کے راس منڈل میں کرشن کی طرح جب رام لوگوں کی نظروں

سے ایک دم غائب دکھائی دیئے تو ندا آئی کہ ہر ایک کے سینے میں ہر ایک کے دماغ میں۔ ہر ایک کی آنکھوں میں میرا قیام ہے۔ امیر اور کیا فقیر کے جسم۔ اسم۔ اور ناڑی ناڑ کی موجودگی رام ہی کے سہارے ہے۔ اجسام کی کوٹھڑیوں کے اندر جرے یا بھلے خیالات ذرّوں کی طرح مجھ ہی نوراً علیٰ نور کی (a stray beams) دخول یافتہ شعاعوں میں ہُو و باطن رکھتے ہیں۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد *

तदेजति तन्नैजति तद्दूरे तद्वन्तिके तदन्तरस्य सर्वस्य
तदु सर्वस्यास्य वाह्यतः ॥ ५ ॥ (یجر وید ایشا واسیہ اپنشد منتر ۵)

مطلب:۔ ہم چل میں ہم چل ہیں نا ہیں۔ ہم نیڑے ہم دور
ہم ہی سب کے اندر بچانن۔ ہم ہی باہر نور

جب لوگوں کا اشتیاق بڑھا تو دوسری ندا آئی

ؔلہ اَے طالباں اَے طالباں! من با شما ہر جاستم
ہم جلوہ گر در دیدہ ہا ہم مضمر دلہاستم (۱)
ایں دوری و مہجوریم از وہم پندارِ شماست
در نسبت خود با شما دریا و موج آساستم (۲)
با حسن خود در باختم۔ من نردِ عشق و عاشقی
ہم لیلیٰ و مجنوں منم۔ ہم وامق و عذراستم (۳)

ؔلہ اَے طالبو! اے جگیاسوؤ! میں ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہاری آنکھوں میں میں جلوہ گر ہوں۔ اور تمہارے دلوں میں میں چھپا ہوا ہوں *

(۲) یہ میری تفاوت و جدائی تمہاری سمجھ کے وہم سے ہے۔ تمہارے ساتھ میں اپنے تعلق میں دریا اور لہر کی طرح ہوں *

(۳) اپنے حسن کے ساتھ میں عشق و عاشقی کی نرد (بازی) ہارتا ہوں۔ لیلیٰ اور مجنوں بھی میں ہوں اور وامق و عذرا بھی میں ہوں *

گاہے نیاز ایمانِ من گہ بے نیازی شانِ من
ایں ہردو می زیبد بمن۔ ہم بندہ و مولاستم (۴)

ہم صورتِ ناسوتیم۔ ہم معنئے لا ہوتیم
پنہاں تر از پنہاں و ہم پیدا تر از پیداستم (۵)

برعکس رسم ایں جہاں در پردہ می باشم عیاں
چنداں کہ بے پردہ شوم در پردۂ اخفاستم (۶)

آہا! رام کے حضور میں کیا آنند بھرے "اوم" کے سُریلے اور مست نغمے گائے جا رہے ہیں کہ جہاں دُکھ اور درد کی آواز کو رسائی مُطلق نہیں۔ رام اپنی مہما میں مست ہیں۔ آنند ہی آنند چاروں طرف سے اُمڈا چلا آرہا ہے۔ البتہ اپنی مستی کے اُمنڈ نے کے سبب یا اِدھر کا اشتیاق نامہ جو کبھی اُدھر پہنچتا ہے تو اُس کے جواب میں جو مختصر سے جواب آتے رہے ہیں وہ ذیل میں نمبروار درج کر کے پیشِ ناظرین کئے جاتے ہیں ٭

خط نمبر (۱)

رات کا وقت ہے بیاباں ہے | خوش وضع پربتوں میں میداں ہے

---

(۴) میرا ایمان کبھی ضرورت (طلب) ہے۔ کبھی بے ضرورتی (غیر محتاجی) میری شان ہے یہ دونوں مجھ کو زیب دیتی ہیں۔ کیونکہ بندہ و مولا میں ہی ہوں

(۵) عالمِ بیداری و عالمِ خواب کی حقیقت میں ہوں۔ کیونکہ پوشیدہ سے پوشیدہ اور ظاہر سے ظاہر میں ہوں ٭

(۶) اِس جہاں کے دستور کے برخلاف میں پردہ (پوشیدگی) میں ظاہر ہوں۔ جتنا کہ میں بے پردہ (عیاں) ہوں۔ اُتنا ہی پوشیدگی کے پردہ میں (نہاں) ہوں ٭

آسماں کا بتائیں کیا ہم حال | موتیوں سے بھرا ہوا ہے تھال
چاند ہے موتیوں میں لال دھرا | ابر ہے تھال پر رومال پڑا
سر پہ اپنے اُٹھا کے ایسا تھال | رقص کرتی ہے نیچر خوش حال
باد کو کیا مزے کی سُوجھی ہے | رام کے دِل کی بات بُوجھی ہے

ق

پاس جو بہ رہی ہے گنگا جی | ابخرے اُس کے لد لدا تے ہی
لا رہی لپک کر ہے رام کے پاس | کیا ہی ٹھنڈک بھری ہے گنگا باس
بخر خدمت سے باد ہے خورسند | جا رہی بادلوں سے ہو کے بلند
اب تو اٹکھیلیاں ہی کرتی ہے | دامن ابر کو اُلٹتی ہے
لو اُڑایا وہ پردہ و رومال | آسماں ہے دکھایا مالا مال
شاد نیچر ہے ۔ جگمگاتی ہے | آنکھ ہر چار سُو پھراتی ہے
کیا کہوں چاندنی میں گنگا ہے | دُودھ ہیروں کے رنگ رنگا ہے
واہ! جنگل میں آج ہے منگل | سیر کر اس طرف کی چل چل چل

لہ اے جاں بیا بیا کہ ایں دُنیائے دیگر است
آبے دِگر ہوائے دِگر جائے دیگر است

خط نمبر ۲

(۴۵)

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

گنگا کا ہے کنار عجب سبزہ زار ہے | بادل کی ہے بہار ہوا خوشگوار ہے
اور خوشنما پہاڑ پہ وہ چشمہ سار ہے | گنگا مُوہنی سُریلی ہے کیا لطف دار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

لہ اے پیارے! ادھر آ۔ اِدھر آ۔ یہاں دُنیا ہی اور قسم کی ہے۔ کیونکہ یہاں کا پانی نرالا ہوا نرالی اور مقام نرالا ہے ؎

(۲) باہر نگاہ کیجے تو گلزار ہے کھلا | اندر سرور کی تو بھلا حد کہاں ولا
کالج قدیم کا یہ سیر مو نہیں ہلا | پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۳) وقتِ صباحِ عید تماشا تیار ہے | گلگونہ منہ پہ ملکے کھڑا گلعذار ہے
شاہِ فلک سے یا جو ہوئی آنکھ چار ہے | مارے شرم کے چہرہ بنا سرخ نار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۴) قطرے ہیں اوس کے کہ دُرّوں کی قطار ہے | کرنوں کی اُن میں بل بے نزاکت یہ تار ہے
مرغانِ خوش نوا تمہیں کاہے کی عار ہے | گاؤ بجاؤ شب کا مٹا دِل سے بار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۵) ساقی وہ مے پلاتا ہے ترشی کو ہار ہے | ہر وقت اپنا یار بھی اپنے کنار ہے
واہ! کیا مزے کا کھانا کیوں غم کا شکار ہے | ورش شراب ناب۔ سخن دل کے پار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۶) مستی مدام کار یہی روزگار ہے | گل ہیں نگاہ پڑتے ہی پھر کیسا خار ہے
کیوں غم سے تو نزار ہے کیوں دلفگار ہے | جب رام قلب میں ترے خود یارِ غار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

خط نمبر ۳

ے دسواں گرہ ادھیاس ہے نو گرہ کا جو مول
جب لگ دیہ ابھمان ہے۔ تب لگ مٹے نہ سول
تب لگ مٹے نہ سول کرے کیتی چترائی
دیو بچے۔ جب بچے نہ ہُیر کوئی ہوت سہائی
گئے گرو دھر کو جی رسائے گیان در دھد دیوے چشمہ
(دیوتا / ہو تے / عینک — interlinear glosses)

بُھول اودیا ناش ہووے گرہ رہے نہ وسواں
دینی دمڑی نہ ایک۔ نہ لینے کو نہ چھدام
گانٹھ باندھ نہیں چالتے پھُوٹا ایک بدام
پھُوٹا ایک بدام نہ راکھیں دوسرے دن کو
بِنا اپنے آپ بھروسا اور نہ جن کو
سکے گرِدھر کوی راسئ رہی نہ باقی لینی
بھَیو جبھی حساب نہ کسی کوڑی دینی ؎

In no way can the overflowing joy of Rama[1] be described. Peace reigns supreme

[1] رام کے اندر سے اُمڈے ہوئے آنند کا بیان کسی طرح سے بھی فی الحقیقت نہیں کیا جاسکتا۔ قلب میں شانتی سب سے بڑھ کر راج کر رہی ہے (یعنی قلب شانتی سے لبالب بھرپور ہے) من آنند سے بھرا ہوا ہے۔ رام کے اندر آسمانی (خدائی) مسرت و بشاشت جوش مار رہی ہے جسکی ربانی شعاعیں (روشنی) ہر وقت چمک دمک رہی ہیں۔ دل صنوبری (ہردیہ آکاش) ہر ایک روز زیادہ سے زیادہ صاف (شدھ) ہو رہی ہے۔ یہ تمام حالت ہندوستان بلکہ ساری دُنیا کے لیئے کسی اچھے و اعلیٰ شگن کو دکھلاتی ہے ؎
تھیئٹر (ناٹک) کا تماشا دیکھتے وقت یہ ممکن ہے کہ لوگ اُس ناٹک سے دھوکا کھا جائیں۔ اور ناٹک والوں کے ساتھ رونے و ہنسنے لگ پڑیں۔ خاص کر اُس وقت جبکہ وہ اِس بات کو بالکل بھول جائیں کہ یہ جو کچھ سامنے ہو رہا ہے محض تماشا یا کھیل ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ بعینہٖ دُنیا کی مصیبت کا ناٹک دیکھتے وقت دھوکا کھایا جانا ممکن ہے اِس لئے اُس اعلیٰ صداقت کو جسکے سہارے (آسرے) تم کھڑے (قائم) ہو دل میں مستحکم طور پر قائم رکھو۔ اور اپنے آتما (ذات خاص) کو ہر وقت مدِ نظر رکھو۔ اِس طرح سے اپنے آپکو دھوکے میں نہ پڑنے دو

here. Bliss fills the mind. There is heavenly cheerfulness, shedding its divine sunshine all the time. The mental horizon is growing more & more clear everyday. This betokens something very good and grand for India, nay, for the world at large.

While seeing a theatrical performance, people are apt to be deluded by the drama and they would be inclined to weep with the actors and laugh with them, while looking at the stage if they had not the firm ground of reality always beneath their feet, reminding them of what they actually are. Just so while seeing the great tragedy of the world enacted, let the sublime Truth on which you stand always, put you in mind of your High Self and not allow you to be deceived.

Rama

لہ جامے ز مئے باقی از دستِ خوش ساقی

با کثرتِ مشتاقی مے جویم و مے رقصم

فاش مے گویم و از گفتۂ خود دِل شادم

صاحبِ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

سہ مست و خراب می رَوم فکرِ جہاں نمی خورم

بیم ندارم از بلا۔ تن تملا تلا تلا ٭

خط نمبر ۴ ۔۔(۴)۔۔

سرود و رقص و شادی دمبدم ہے
غضب خوبی ہے بیروں از رقم ہے

تفکر دور ہے اور غم کو رَم ہے
یقیناً جان۔ تیری ہی قسم ہے

مبارک ہو طبیعت کا یہ کھلنا
یہ رس بھینی اونٹھا جامِ جم ہے

مبارک دے رہا ہے چاند جُھک کر
سلاموں سے کمر میں اُسکی خم ہے

سپنے جاؤ دما دم جام بھر کر
تمہارا آج لاکھوں پر قلم ہے

گُلوں سے پُر ہُوا ہے دامنِ شوق
فلک خیمہ ہے کیواں پر علم ہے

ترے دیدوں پہ بھولے سے ہو شبنم
کبھی دیکھا سُنا سورج پہ نم ہے

رکھیں آگے کو کیا کیا ہم نہ اُمید
کہ مارا گرگِ غم۔ پہلا قدم ہے

لے بقا کی شراب کا پیالہ مخلوظ ساقی (راہبر کامل) کے ہاتھ سے میں نہایت اشتیاق کے ساتھ لینے کا متلاشی ہوں اور اس کے عشق میں ناچتا ہوں۔ کھلم کھلا میں یہ کہتا ہوں اور اپنے اِس کہنے سے میں خوش ہوتا ہوں کہ "میں صاحبِ عشق (عاشق) ہوں اور دو جہاں (لوک پرلوک) سے آزاد ہوں" ٭

سے بدمست ہُوا میں پھرتا ہوں اور جہان کا فکر نہیں کرتا ہوں۔ اور مصیبت سے بالکل نہیں گھبراتا ہوں۔ اور یہ نعرہ "تن تملا تلا تلا" گاتا رہتا ہوں ٭

دکھایا پرکرتی نے ناچ پورا | صلے میں اُڑ گئی۔ آئے ہے! ستم ہے
غلط گفتم۔ شکایت کی نہیں جا۔ | ملی ۲ پہر نس میں۔ عدل و کرم ہے
نہ کہتا تھا تمہیں کیا رام پہلے؟ | صباحِ عید۔ آئی! رات کم ہے

سہ لوگ کہتے ہیں کہ میدانوں میں رہنا خُوب ہے
کون جائے رام اب گنگا کی لہریں چھوڑ کر

لہ ہرچہ در دُنیاست بہ آزادگاں آمد حرام
خاطرِ جمع ست در زیرِ فلک سامانِ ما

خط نمبر ۵

طالب:- (۱) ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس شریر نے یہ کام کیا جبکہ کسی بُرا بھلا سُننے سے ہم یہ بچار کرتے ہیں کہ میں نے ہی یہ اپنے آپ کو کہا ہے۔ یعنے دوسرے کے کئے ہوئے کام کو اپنا خیال کرتے ہیں؟

(۲) سُورج کے پرکاش میں ہم سب کام کرتے ہیں۔ مگر بذاتِ خود سُورج کچھ کام نہیں کرتا۔ اسی طرح آتما کے پرکاش میں ہمارا ستھول یا سُوکشم شریر سب کام کرتا ہے۔ آتما بذاتِ خود کچھ کام نہیں کرتا۔ بلکہ صرف دیکھتا ہے جیسے سُورج تمام دُنیا کے کاموں کو دیکھتا ہے مگر بذاتِ خود کچھ کام نہیں کرتا۔ مگر جب ہم دُوسرے کے کام کو اپنا کیا ہُوا

لہ جو کچھ دُنیا میں ہے (یعنی دُنیا وی شے ہے) آزادوں کے لئے حرام ہے ہمارا سامان اس آسمان کے نیچے محض خاطرِ جمع (دل کی تسلّی یا شانتی) ہے۔

خیال کر لیتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ دیکھنے والا کام کرنے والا ہے ؟

(۳) جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اِس شریر نے یہ کام کیا۔ تو صاف ظاہر ہے کہ شریر کام کا کرنے والا ہے۔ مگر اصل میں شریر کام کرنیوالا نہیں ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد شریر ویسا ہی رہتا ہے۔ لیکن کرنے والی کوئی دوسری شکتی اُس کے اندر سے نکل جاتی ہے جس سے یہ کہنا غلط ہوگا کہ اِس شریر نے یہ کام کیا ؛

عارف:۔ سورج کی مثال میں بھی ازروئے سائنس آفتاب نہ صرف تماش بین ہے۔ بلکہ خود تماشا بھی ہے ؛

عالم خواب میں اپنی شان جزوی سے تو فقیر یا امیر وغیرہ بن کر دیکھنے والا بنا ہوا ہے۔ اور خیال کی شانِ کلی سے سب سوپن کا کھیل روپ ہوا ہے ؛ بیدار ہو کر جب اپنے تئیں جوں کا توں پاتا ہے۔ تو کل کا کل خواب اپنا ہی ظہور نظر آتا ہے ؛

سورج وغیرہ کی مثالیں تھوڑی دور تک کام دیتی ہیں۔ اور بس۔ ذاتِ بے مثال کو تو صرف روحانی تجربہ ہی دکھا سکتا ہے ؛

لڑکا بی اے پاس کرتا ہے۔ ماں خوشی کے باعث زمین سے دو دو ہاتھ اُوپر ہو کر چلتی ہے۔ ماں تو اسی نے تو ڈگری حاصل کی ہے یہ کیونکر؟ پریم کے باعث۔ گو ماں کا پریم بھی اوّل درجہ کا نہیں ہوتا ؛ اب گیان جو اوّل درجے کا پریم ہے۔ ایک پہلو سے پریم کا درجہ اتم (اعلیٰ ترین) ہے۔ آدمی کو اِس قابل کر دیتا ہے کہ روئے زمین کے کاروبار اپنی ہی کرتوتیں معلوم ہوں ؛

دو طرح کے وہموں نے آدمی کو گھیرا ہوا ہے۔ اوّل سنسرگ

اودھیاس (اظہار بالنسبت) دوم سروپ اودھیاس (اظہار بالماہیت)، پہلے اودھیاس کو دور کرنے کے لیئے اس سروپ میں اہنگرہ اُپاسنا درکار ہوتی ہے کہ "جسم و اسم سے میں الگ ہوں۔ میں اسنگ ہوں۔ کچھ نہیں کرتا۔ شریر روپی گنگا کی متحرک لہروں پر اپنے عکس کے باعث میں متحرک نظر آتا ہوں۔ لیکن میں ماہتاب سے فی الواقع ڈانواڈول ہونے والا نہیں"

اس موقع پر بول چال میں "اس شریر نے فلاں کام کیا۔ اُس شریر سے یہ سرزد ہوا" اس قسم کے محاورے برتے جائینگے۔ مطلب یہ کہ "شریر میں نہیں ہوں۔ اور نہ مرتکب حرکات ہوں"۔ اسکے بعد سروپ اودھیاس کو دفع کرتے وقت اہنگرہ اُپاسنا کی یہ صورت ہوتی ہے کہ "نہ کوئی شریر ہے اور نہ کوئی کام کاج وغیرہ ہی ہے نہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ نہ فاعل ہے اور نہ فعل ہی ہے۔ میری ذات بحت میں یہ سارا دنیا و دین کا سلسلہ رسن میں تصورِ مار کی مانند وہمی ہے۔ یا یوں کہو کہ "ایک میں ہی میں ہوں۔ کجا ذات اور کجا غیرِ ذات وغیرہ"۔

؎ صندلی رنگوں سے مانا دل لگا ۔ دردِ سر کی کس کے ماتھے جائیگی

صندل تو دردِ سر کو ہٹاتا ہے۔ لیکن صندلی رنگوں کے عشق میں دردِ سر پیدا ہو گیا۔ یہ کیا بنا۔ یہ معمّا کیونکر حل ہو؟ شریر تو پہلے ہی جڑ تھا۔ اور میں ہُوا آتما شُدھ چیتن۔ لیکن اسنگ۔ میں سب کاموں سے انکار کرتا ہوں۔ پروں پر پانی نہیں ٹھیرنے دیتا۔ فاعلیت کا مجھ میں دخل نہیں۔ اور غریب بے بس جڑ جسم کے ماتھے تمام افعال

کا دھبہ جڑنا بھی ظلم ہے۔ اب دوسری (بات) یعنے کار و بار کس کے ماتھے جائیں؟
(س) فلاں شے کون لے گیا؟
(ج) ہوّا لے گیا۔
(س) فلاں کام کس نے کیا؟
(ج) فرشتوں نے۔
(س) فلاں آدمی کہاں ہے؟
(ج) اندھے کنوئیں میں۔
(س) روٹی کہاں کھائی؟
(ج) ڈیوک ہمفرے (Duke Humphreys) کے ہاں
(س) فلانی شے کیا ہوئی؟
(ج) عنقا ہو گئی وغیرہ۔
خواجہ خضر کا گواہ مینڈک۔
ساربانوں کے دستور کے موافق ایک اونٹ کے گلے میں لکڑی کا چھوٹا سا ٹکڑا بندھا ہوا لٹکتا جاتا تھا۔ اسے دیکھ دیہات کی ایک لڑکی نے اپنی ماں سے پوچھا۔ ماں! ماں! اِس کے گلے میں کیا ہے؟
ماں بچاری نے لکڑی کا ویسا ٹکڑا تو درکنار۔ کبھی اونٹ بھی نہیں دیکھا تھا۔ پیار اور تعجب سے بولی "بچی! ایسوں کے گلے میں ایسے ہی ہوا کرتے ہیں"۔
شریہ اور بُڈھی جڑ اور آتما اَسنگ۔ خاوند (پُرش یا برہم) مخنث

(نپنسک) اور بھوجی (دایا) بانجھ (زنِ عقیمہ) ÷

پیارے جب یہ حال ہے تو اندھیر کرتا ہے وُہ جو کار و بار کو یا دُنیا کو ست مانتا ہے۔ جس نگاہ سے آتما اَسنگ ہے اور شریر جڑ ہے (اِن دونوں میں سے ایک بھی کام کرنے کے لایق نہیں) اُس دِرشٹی سے کام کاج ہی نہیں۔ سنسار ہی کہاں ؟ اِس شریر نے یہ کام کیا ہے" اِس کے یہ معنی ہیں کہ جس (category) کو شریر belong کرتا ہے (یعنی جس زُمرے میں شریر شامِل ہے) اُسی (category) میں کام کاج وغیرہ بھی شامِل ہیں۔ مطلب یہ کہ نہ کام کاج ہی real (درست) اور نہ شریر ہی ست (real)۔ کام کاج پوپلیانہ اور شریر ساٹکی ÷ اَیسوں کے لئے وَیسے ÷ گیان وان رُوپی شورج نے نہ کبھی اندھیرا ہی دیکھا ہے۔ اور نہ کبھی اُلّو چمگادڑ ہی اُسے دیکھتے ہیں ÷

کچھے ویدانت اور سانکھ کے مُطابق کار و بار کی یہ تشریح و توضیح (explanation) کی گئی ہے کہ گویا دُھوپ اور lens (آتشی شیشہ) الگ الگ کپڑے کو آگ لگانے کے قابل نہیں۔ لیکن دونوں مِل کر شعلہ پیدا کر سکتے ہیں ÷ یا جیسے اندھا (برکرتی - شریر بدھی) اکیلا اگرچا ہے تو باغ کے درختوں پر سے پھل نہیں توڑ سکتا ہے اور لنگڑا لُنجا (جس کے ہاتھ ہیں نہ پیر ہیں۔ نہ اور اعضا) پُرش (آتما) اکیلا اگر چاہے تو بھی درخت پر چڑھ کر پھل نہیں کھا سکتا: پر ہاں اگر دونوں مِل جائیں اور اندھے کی پُشت پر لُنجا سوار ہولے تو پھل اُتار سکتے ہیں ÷ اور مزے سے کھا سکتے ہیں ÷ وَیسے ہی دونوں

کی سازش سے دُنیا کے کار و بار کا سلسلہ چل رہا ہے ۔ پر کوئی پُوچھے کہ آفتاب اور تاریکی بھی اکٹھے ملے ہیں ؟ ہَوا اور چھَڑوں کا میل کیا ۔ آفتاب سے بھِنّ کچھ ہے ہی نہیں ۔ میل مِلاپ کس سے ؟ ۔

س ۵ وحدت اندر ڈیرا لایا ۔ اوتھے غیر نہ آیا جایا
نہ کوئی ایشور نہ کوئی مایا ۔ آپے آپ نہ کھویا پایا

۵۱ بے شبہ جلوہ گر ہے سب جا رام ۔ ماہ و بادل ہُوا ہے اُسکا دھام
بلکہ ہے ٹھیک بات تو یہ ۔ اُس میں بے وجود باشِ عالم سیم
وُہ امورت ہے مُورتی اُس کی ۔ کس طرح ہو سکے ! کہاں ؟ کیسی ؟
کُل شئے محیط ہے آکاش ۔ مُورتی میں نہ آ سکے پرکاش
جو ہے اُس ایک ہی کی مُورت ہے ۔ جس طرف جھانکیں اُسکی صُورت ہے
ماہ و خورشید و برق و انجم و نار ۔ جان کرتے ہیں رام پہ ہی نثار
کیا ہیں یہ ؟ کس طرح ہُوئے موجود ؟ ۔ اِک نگہ پر ہے سب کی ہستی و بُود
خواب میرا خیال میرا ہے ۔ جو زمین و زماں نے گھیرا ہے
خواب میں ہیں خیال کی دو شان ۔ جزوی کُلّی یہ "ایک مَیں" ۔ یہ "جہان"
"مَیں ہُوں اِک فرد" شانِ جزوی ہے ۔ "جملہ عالم" یہ شانِ کُلّی ہے
مَیں ہی شاہد بنا ہُوں ۔ مَیں مشہود ۔ شان میری ہے آسمانِ کبود
جلوہ میرا یہ انبساطی ہے ۔ بیچ مایا ہی پھیل جاتی ہے
لیک مایا یہ آگئی کیونکر ؟ ۔ رُوئے عالم سجا گئی کیونکر ؟
جُوں رسن میں پدید صُورتِ مار ۔ مجھ میں مایا نمُود ہے طُومار ۔
یہ سراپا وِدیاس ہے اظہار ۔ جان مجھ کو رہے نہ مایا یار
فتنہ گر آئینہ میں چشمِ نگار ۔ جھوٹ ہے ۔ گو ہے پارسے دوچار

یہ جو سنسرگ سے ہُوا اُداس
آیا آئینہ کیسی خورسند ہے
مہر شاہد کہیں نہ ہلتا ہے
کچھ نہیں کام رات دِن آرام
دانہ خشخش کا ایک بویا تھا
ایک دانے میں زور یہ دیکھا
اسقدر بڑھ گیا۔ پھلا پھیلا
ایک دانہ حقیر چھوٹا سا
آج بونے کو دانہ لاتے ہیں
یہ بھی خشخاش ہی کا دانہ ہے
ہُو بہو ہے وُہی تو اس میں بھی
سچ بتائیں ہے یہ وُہی دانہ
غور سے دیکھئے حقیقت کو
میرے پیارے! تُو ذاتِ واحد ہے
جان لیکھی کو جبکہ سائنس داں
جسم گویا ہو گیا ہو دو ٹکڑے
بیشتر کاٹنے کے ایک ہی تھا
دونوں ویسا ہی زور رکھتے ہیں
کیا دِکھاتی ہے کھول کر یہ بات
ایک شیشے میں ایک ہی رُو تھا
زیدؔ ہو بکرؔ ہو عمروؔ ہی ہو
معرد معرفہ معرفہ

ثانی یکتا کو لا دِکھایا پاس
مظہرِ رام سچدانند ہے
شیشے ہلتے ہیں۔ یُوں وُہ پھرتا ہے
کام کرتا ہے پھر بھی سب میں رام
بابا آدم نے ابتدا میں لا
بڑھ گیا اِس قدر نہیں لیکھا
جمع کرنے کو نہ مِلا تھیلا
اپنی طاقت میں کیا بلا نِکلا
اُسکی طاقت بھی آزماتے ہیں
یہ بھی طاقت میں کیا یگانہ ہے
شکتی آدم کے بیج میں جو تھی
نہ یہ پھیلا ہُوا نہ دوگانہ
نظر آتا ہے بیج کیا کم کو؟
تیری قُدرت اگرچہ بعید ہے
تجربے کو ہے کاٹنا یکساں
لیک مرتے نہیں وُہ جُوں کیڑے
جب دیا کاٹ دو ہُوئے پیدا
جیسے وُہ کیڑا جس سے کاٹے ہیں
کاٹنے میں نہیں ہے آتی ذات
شیشہ ٹوٹا عدد بڑھا رُوء کا
مظہرِ "آدمی" ہے کوئی بھی ہو
مکرر

گو ہے مکرے کا معرفوں میں ظہور
پر یہ نکرہ بذات خود کیا ہے؟
اسم فرضی شکل بدلتی ہے
تُو ہی آدم بنا تھا تُو حوّا
تُو ہی تھا رام تُو ہی تھا راون
جھوٹ تم کو صنم نہ زیبا ہے
سیمبر کا وُہ چاند سا ٹکڑا
دِل جگر سب کا ہاتھ میں ہے ترے

نام رُوپوں میں ہے یہی بھرپور
اِس میں جتنوں کا دخل بیجا ہے
پر جو تُو ہے سو ایک رس ہی ہے
ذات تیری ہی ایک معنی اِس جا
تُو ہی تھا وُہ گڈریا برندابن
تُو ہی مولا ہے چھوڑ دے دیتے ہے
تیرا مظہر ہے نُور کا ٹکڑا
نُورِ موفور ساتھ میں ہے ترے

خط نمبر ۲

میرے اپنا آپ

کیا ٹھیک لکھا ہے "ذرا اپنے شیشۂ دِل میں تو جھانک لیا ہوتا"
درحقیقت یہی بات ہے۔ سچ پُوچھو تو ظاہری خط وکتابت ایک نکمّی رلیلا ہے۔ ہزاروں کوسوں پر بیٹھے ہُوئے اصحاب کے دِلوں کی کیفیت ہاتھ پر آملے کی طرح سامنے نظر آجاتی ہے

ع۔ بخواب خود درآ تا قبلۂ رُوحانیاں بینی[1]

دِل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار ۔ جب ذرا گردن جھُکائی دیکھ لی

سہ پیتم پتیاں تب لکھوں جے تم ہو بدیش
من میں تن میں جان میں واکو کیا سندیش

---

[1] تُو اپنی نیند میں آ (یعنی اپنے اندر رجوع کر) تاکہ تُو فرشتوں کا قبلہ (دیو لوک) دیکھے

ؔ(۱) ہوا خواہِ توام جاناں و میدانم کہ میدانی
کہ ہم نادیدہ میدانی و ہم ننوشتہ می خوانی
(۲) گرچہ دوریم بیادِ تو قدح مینوشیم ؛ بُعدِ منزل نہ بوَد در سفرِ رُوحانی

——— (۸) ———

خط نمبر ۷

ابھیاس کے متعلق

بالکل ایکانت میں بیٹھ کر شبد گاتے جاؤ اور آئینۂ دل میں ایک ایک کرکے اُن سب اصحاب کو اُتارو جو آپ سے کسی طرح کی عداوت رکھتے ہوں۔ یا تھوڑے بہت ناراض رہتے ہوں۔ اُن کو اپنے دل کی گہری تہ سے دُعائیں (اسیسیں) دو۔ اُن کا بھلا چاہو۔ اور از حد پریم سے اپنی عزیز ترین چیزیں اُن کی خدمت میں حاضر کر دینے کو آمادہ ہو جاؤ۔ اُن کے ساتھ "(۱) من تو شدم تو من شدی" کا اجرا کر دو۔ غصّے گِلے بالکل معاف۔ رُوٹھے منائے گئے ؛

(۲) گر ز دستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
ور ز ہندوئے شما بر ما جفائے رفت رفت (۱)

---

(۱) اے پیارے میں تیرا خیر خواہ (شبھ چنتک) ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو اسے (اس بات) کو جانتا ہے۔ کیونکہ تو بغیر دیکھے کے جان لیتا ہے اور بغیر لکھے کے پڑھ لیتا ہے (۲) اگرچہ ہم دُور ہیں لیکن تیری یاد میں (عشق کا) پیالہ پیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے رُوحانی سفر میں منزل کی دُوری معلوم نہیں ہوتی ہے (۳) میں تو ہوا اور تو میں ہوا۔
(۴) اگر تیری مشکین زلف (مایا) سے کوئی خطا ہوئی تو در گذر کی گئی۔ اور اگر تیرے خال (تل) سے ہمارے اوپر کوئی ظلم ہوا تو اُسے در گذر کیا گیا۔ (۲) اگر دل نے معشوق کے نخرے سے کچھ بوجھ اُٹھایا تو برداشت کیا گیا۔ عاشق و معشوق کے درمیان اگر کوئی اجرا واقع ہوا تو در گذر کیا گیا ؛

گرِ دلے از غمزۂ دِلدار بارے بُرد بُرد

درمیانِ جان و جاناں ماجرائے رفت رفت[1]

ناخنوں سے ماس جُدا نہیں ہو سکتا۔ گو اُوپر سے وُہ دِق کرتے ہوں لیکن ہیں تو تمہارا خاص اپنا آپ یہ وُہ اِس بات سے لاعلم ہیں تو کیا؟ آپ تو حقیقی رشتہ سے بے خبر نہیں * جیسے اپنے بچّوں کو لوگ بلا کسی چشم صلہ کے پیار کرتے ہیں۔ ویسے ہی تم ہندوستان کی مٹّی تک کو پیار کرنے بغیر رہ نہ سکو۔ ہر ایک کے عیوب وغیرہ کو اُسی نگہ سے دیکھو جیسے اپنے چھوٹے بچّوں کی کھیلوں کو دیکھتے ہو * بندروں سے زیادہ تنگ کرنے والا بے سمجھ اور تکلیف رساں بھی کسی نے ہوتا ہے؟ لیکن محبّت کے زور سے رام نے اُنکو اپنی سینا (فوج) بنا لیا۔

پُرانوں میں لکھا ہے۔ جو آدمی بھگوان سے دشمنی اور سخت عداوت کرنے کی راہ پر چلے تھے اُن کا نستبا بہت جلدی کلیان ہُوا اور مکت ہُوئے * پیارے! بیشک وُہ شخص اوتار ہی ہے جو دشمنوں کو سب سے پہلے اپنا دھام (گھربار وغیرہ) دینے کو حاضر کھڑا ہے * پیارے! سچی پریت اور پریم (جس سے سب جگہ اپنا آپ ہی نظر پڑتا ہے) جب آتی ہے تو اندھے کو آنکھیں مِل جانے کی طرح ہوتا ہے۔ دُنیا ہی اور ہو جاتی ہے۔ ہر طرف گلزار کھِل جاتے ہیں۔ بہشت ہی بہشت ہو جاتا ہے *

نیکی سدا کیا کر اُسکی بدی کے بدلے * قتلِ عدو کے قابل شمشیر ہے تو یہ ہے[2]

[1] مُبارکبادت اے دِل گشت بینا دیدۂ کورت * نمایاں شُد بہرسُو صورتِ یارِ نکو سیرت[3]

---

[3] اے دِل تجھ کو مُبارک ہو کہ تیری اندھی آنکھ سو جاکھی (دیکھنے والی) ہو گئی اب نیک خصلت یارِ غار کی صُورت ہر طرف ظاہر ہونے لگ پڑی *

جو شخص دھن تن اور من سے دلی تعلق توڑ بیٹھتا ہے۔ اور جیسے پہلے ایک خاص جسم کو سمجھتا تھا۔ ویسے ہی اب ہر جسم کو بالکل (اپنا آپ) جانتا ہے۔ وُہ آہستہ آہستہ سب کے دلوں سے واقف ہونے کی سدھی کو پراپت ہوگا۔ روشنضمیری کے لئے یہ ایک لازمی معجزہ ہے ٭ پریم اور سرور میں "رس رتا" "مگن متا" پھرنے والے کے دل و جان سے اِس شیتم کے گیت نکلتے رہتے ہیں۔ دفتر میں۔ بازار میں۔ گھر میں اور گلزار میں جادُو بھری پریم درشٹی والا زبانِ حال سے یہ گاتا پھرتا ہے ۰۰

گیت

نہ دُشمن ہے کوئی اپنا نہ ساجن ہی ہمارے ہیں
ہماری ذاتِ مُطلق سے ہُوئے یہ سب پیارے ہیں
نہ ہم ہیں رویہ من بُدھی نہیں ہم جیو نے ایشر
ولے اِک "کُن" ہماری سے بنے یہ رُوپ سارے ہیں
ہماری ذاتِ نُورانی رہے اِک حال پہ دائم
کہ جسکی چمک سے چمکیں یہ مہر و مہ ستارے ہیں
ہر اِک ہستی کی ہے ہستی ہماری ذات پر قائم
ہماری نظر پڑنے سے ہی نظر آتے نظارے ہیں
برنگِ مختلف نام و شکل جو دمک مارے ہے
ہمارے طُور کے شُعلہ سے اُٹھتے یہ شرارے ہیں
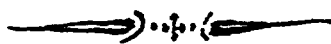
ہ معشوق قد درختوں پہ بیلوں کا ہار ہے	نے نے غلط ہے زُلف کا پیچاں یہ مار ہے
واہ واہ سجے سجائے ہیں کیسا سنگار ہے	اشجار میں چمکتا ہے خوش آبشار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

اشجار سر ہلاتے ہیں کیا مست وار ہیں | ہر رنگ کے گلوں سے چمن لالہ زار ہیں
بھنورے جو گونجتے ہیں پڑے در نگار ہیں | آنند سے بھری یہ صدا اونگ کار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

گنگا کے مڑ و صفا سے پھیلتی نہ گر نظر | لہروں پہ عکس مہر کا کیوں بیقرار ہے
وشنو کے شیو کے گھر کا اساسہ یہ گنگ ہے | یاں موسم خزاں میں بھی فصلِ بہار ہے

آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

Say peace to all. From me no danger be[1]
To aught that lives. In those that dwell on high,
In those that lowly creep. I am the Self of all.
All life both here and there do I renounce.
All heavens, earths and hells, all hopes & fears.
Thus cut thy bonds, Sannyâsin bold! say,
Om tat sat, Om!

---

[1] سب کو میری طرف سے شانتی کہدو۔ مجھ سے کسی کو خواہ وہ دنیا کے ہوں یا عاقبت (دیولوک) کے ہوں کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ اور نہ زمین کے کیڑے مکوڑوں کو ہی مجھ سے ڈر ہے۔ میں سب کا اپنا آپ (آتما) ہوں۔ میں یہاں اور وہاں (لوک اور پرلوک) کی کل زندگی کو سورگ نرک اور سنسار کی تمام امنگوں (امیدوں) اور اندیشوں (خطروں) کو بالکل ترک (تیاگ) کرتا ہوں۔ اے بہادر سنیاسی! اسی طرح سے اپنے بندھنوں (قیدوں) کو تو کاٹ ڈال۔ اور اوم تت ست۔ اوم تت ست کا ورد کردیا اوم تت ست کی مالا پھیر ﴿

جس بات سے کبھی دِل میں ملال یا اشانتی آوے اُس بات کی خواہش ہی مٹا دینا آنند کا ذریعہ ہے ؂

ع - جب اوڑھنی نہیں لوئی ؂ تو کیا کرے گا کوئی ؂

سیام تن - سیام من - سیام ہی ہمارو دھن - سیام بن کام کوؤ کیسے بن آوے ہے ؂

ہری سنگ بیاہ رچو رنگنا (ٹھیک)

آؤرے بنا - بیٹھو مورے انگنا - کھولو رے پوتھی دیکھو مورے لگنا ؂
ہری سنگ بیاہ - ہری سنگ سنگ نہ - ہری سنگ منگنی - ہری سنگ گمنا ؂

(۰۱۰)

خط نمبر ۸

آج صبح اندازاً دو بجے کے قریب اسمپرگیات سمادھی کے کیلاش سے بادِ بہاری کا جھونکا آیا تھا - وہ مژدۂ رُوح افزا کی فارم میں کرشن کی مُہر کے ساتھ گنگا جل سے لکھ کر روانہ کیا گیا - آج شام کے وقت رِم جھم برشا ہو رہی تھی - رام کے شُدّھ ستوگنی مندر کے وسط میں اگنی کُنڈ کے گِرد نارائن - مدن موہن اور تُلارام بیٹھے معمُول کے مُوافق اُونچے سُر سے دِل کی تہ سے آنسُو بہاتے ہُوئے یہ وید منتر بارمبار گا رہے تھے -

तं त्वा भग प्रविशानि स्वाहा । स मा भग प्रविश स्वाहा ।
तस्मिन्त्सहस्रशाखे । निभगाऽहं त्वयि मृजे स्वाहा ॥३॥

مطلب :- اوم ! کاش ! ہمیں اپنے سروپ میں داخل ہو جانے دے ! سواہا ! تُو ہمارے روم روم میں داخل ہو جا ! سواہا ! دُکھ دینے والی

غیریت ہزاروں جوکھوں میں ڈالتی ہے۔ مَیں تیری ذات میں مل مل نہاتا ہُوں۔ اور یہ میل دھو دھو کر اُتارتا ہُوں! اسوا ہا!

پھر "اوم" "اوم" کی دُھنی پرم آنند کے لہجہ میں کچھ دیر جاری رہی۔ پھر خود بخود آنکھیں میچ گئیں۔ اور سب پرتو میں لین۔ بہت دیر یہ شانتی کا عالم رہا۔ ازاں بعد گیتا پڑھائی گئی "دُ کشر اور اکشر۔ دونوں سے برتر میں ہُوں"۔ ادھیائے پندرھواں خاتمہ)

اِس وقت سب اپنی اپنی گپھا میں ہیں۔ رام ایکانت بیٹھا ہے۔ پُورنماشی کی چاندنی چٹک رہی ہے۔ یہاں سے بادلوں کے ٹکڑے مکان کا باغیچہ اور سامنا پہاڑ نُور میں نہائے ہُوئے نظر آ رہے ہیں۔ گنگا رانی کا میٹھا گانا کانوں میں پوترتا بھر رہا ہے۔ گنگا جی کیا گا رہی ہے۔

ے جاگ موہن جاگ رے بِیل گئی

مٹھو! جاگو! کھاؤ ماکھن۔ پھیر ڈاروں رئی

رات بھاری گئی ساری بھور اب تو بھئی

چڑی پنچھی ہیں بلاوت۔ کھیل آن سے سہی

مطلب:۔ اے پیارے بھارت ورش (موہن۔ کرشن۔ ہند)! اب جاگو! اودیا (جہل) کی نیند بہت سوئے۔ مَیں صدقے! بلہار! اب بیٹھے ہو جاؤ۔ ہشیار بنو۔ سنسار رُوپی گائے کا مکھن (ست۔ سار۔ حقیقت) کھالو۔ اپنے اندر داخل کرلو۔ یا یوں کہو کہ شُرتی (وید) رُوپی کام دھینو (گئو) کا ماکھن یعنی مہاواکیہ (کلامِ عظیم) منہ میں ڈال لو۔ یہ شکتی بردا (تقویت بخش)، سفید۔ سفید۔ میٹھا میٹھا ماکھن چکھو۔ لو۔ بڑا زور

گیان۔ چت آنند روپ ست حقیقت

آجائے گا۔ طاقت بھر جائیگی ٭

گوبردھن (سنسار کی مشکلات،عقدے) اُٹھانا بائیں ہاتھ کا کرتب نہیں۔چھلی اُنگلی کا کھیل ہو جائیگا۔ ہے دامودر! کمر کی ڈوریوں رسّیوں (قیودِ مکانی۔زمانی۔نفسانی) کو توڑنا کچھ بات ہی نہ رہیگی۔ کالی ناگ کے تمام پھنوں (نفسِ امّارہ یا من کی تمام برتّیوں) کو پیر کے تلے کچلنا آسان ہو جائے گا۔ یہ ماکھن (ویدانت) سب پٹھوں کو مضبوط۔ ہڈیوں کو لوہے کی طرح سخت اور چہرے کو روشن کر دینے والا ہے۔ پھیپھڑوں میں بل بھر دیگا۔ جادو بھری بانسری بجاتے بجاتے کبھی تھکنے ہی نہ پاؤ گے ٭

وہ دیکھو۔ ننھا کرشن (ہند) جاگ پڑا۔ اُوں اُوں اُوں۔ نہیں۔ اوم! اوم!! اوم!!! ماں (ستوگن کا پرواہ۔گنگا) نے بسُورتے ہوئے ہونٹوں کو ذراسا ماکھن لگا دیا۔ (سوہم) مُنہ میں آہوتی پڑ گئی (شیوہم) چپ چپ کرتے ہوئے ماکھن کھانے لگے (برہما سمی)۔ ماتا کچھ دیر اپنے ہاتھ سے مکھن کھلا کر اپنے دھندے میں لگتی ہے۔ دہی بلونا (متھنا) شروع کرتی ہے۔ رئی ڈالتی ہے۔ یعنی نئی صدی شروع ہوتی ہے۔ سنکلپ (خیال) کی رئی (مدھانی) پڑی ہے۔ کال (زمانہ) کا نیترا ہے۔ کبھی اِدھر کچھ آتا ہے (دن) کبھی اُدھر کچھ جاتا ہے (رات)۔ بلونا جاری ہو گیا۔ رڑ رڑ رڑ شروع ہو گئی ٭ اَے ماتا اب اِس کرشن کو مکھن کی چاٹ لگ گئی ٭

ع چھٹتی نہیں یہ ظالم مُنہ کو لگی ہوئی

"ماکھن بھوک (آہنگرہ اُپاسنا) گھنیری ری میّا! ماکھن بھوک

گمبھیری: اُسے پرکرتی (دُونیا)! یہ ماکھن چور تجھے کب چاہیں سے بلونے دیگا؟ رئی توڑ سے گا۔ اور نام رُوپ کی مٹکی (پردہ اسما و اشکال) پھوڑیگا

رات گزر چکی۔ پو پھٹنے لگی۔ نُور کا تڑکا ہے۔ چڑیاں کبوتر مور وغیرہ تو سب جاگ پڑے۔ کرشن ابھی سویا ہی پڑا ہے۔ کچھ ہرج نہیں۔ چڑیاں کبوتر ہمیشہ پہلے ہی جاگا کرتے ہیں ÷

اَسے موہن (بھارت) یہ پنچھی گا گا کر تجھے جگایا چاہتے ہیں۔ کل کی طرح اب بھی تیرے ہاتھوں دانہ چاول۔ تل وغیرہ کھائینگے۔ اے محبت بھرے بال گوپال! تیرے ساتھ کھیلنے کو یہ جانور جمع ہو رہے ہیں۔ تیری دِل لگی کے سب سامان تیار ہیں۔ اُٹھ کھڑا ہو جا! چڑیاں چوں چوں کر رہی ہیں۔ کوے کائیں کائیں چھیڑ رہے ہیں۔ مور پیہوں پیہوں کوک رہے ہیں۔ [کوئی کسی بیرونی مُنہر کے پیچھے پڑا ہے کوئی کسی جسمانی سُکھ میں اُڑا ہے۔ کوئی کسی ظاہری سائنس میں اُلجھا ہے۔ یہ سب حواس (اِندریہ) تک پہنچنے والی راگنیاں جاری ہیں]۔ ہے بھگون "بھارت"! یہ سب صرف تیرے بیدار کرنے کے سامان ہیں ÷ نیند میں بھی عجب مزا تھا۔ پر اب تو خُوب سو لئے۔ تازہ ہو چکے مچلتے کیوں ہو؟ تم بھی گاؤ ÷

یہ دیکھو! تمھاری بانسری کون چُرا لے گیا؟

نہیں نہیں۔ تمھارے ہی پاس ہے ÷

آہاہا! وہ بھارت نے سُورج کی طرح روشن آنکھیں کھولیں۔ لب خنداں پر بانسری دھری۔ اور دِل جگر میں سما جانے والا رُوحانی نغمہ ہوا کے پردہ پر سوار ہو چاروں طرف گونجنے لگا۔ گُل گوکل (دُنیا) بھر میں

پھیلنے لگا۔ آسمان کی خبر لانے لگا؛ بجے بجے
اب چوں چوں۔ پٹیوں پٹیوں اور کائیں کائیں کس کو بھانے کی ہے؟

خط نمبر ۹

خیال تو یہ تھا کہ۔

ننگے عمر بتائیں گے	آنند کی جھلک دکھائیں گے
روکھی روٹی کھائیں گے	مست پڑے رہ جائیں گے
سوکھے ٹکڑے کھائینگے	"وہ سو ہم" ہم سو گائیں گے

لیکن میوے۔ پیڑے پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ ہر وقت خدمت میں حاضر کھڑے رہتے ہیں؛ ان تینوں شعروں کے دوسرے مصرعے سب ٹھیک لیکن پہلے غلط نکلے؛ خبگاوں میں بھی منگل ہی منگل دیکھے

ے آسن جمائے بیٹھے ہیں در سے نہ جائیں گے
مجنوں بنیں گے ہم تمہیں لیلیٰ بنائیں گے

ے کفن باندھے ہوئے سر پہ ترے کوچے پہ آ بیٹھے
نہ اٹھیں گے سوا تیرے اٹھالے جسکا جی چاہے

ے مبارک ہے یہ رسوائی۔ ایے! ہٹ۔ دور ہو شہرت
ہزاروں طعنے اب ہم پہ لگالے جسکا جی چاہے

ے بیٹھے ہیں ترے در پہ تو کچھ کرکے اٹھیں گے
یا وصل ہی ہو جائیگی یا مر کے اٹھیں گے

گر ہمنے دِل صنم کو دیا پھر کسیکو کیا	اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا
ہمنے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک	آپ ہی سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

ـلہ بناگہ آں شکر لب را لبِ شہد ش بگزیدم
کہ تا روزِ ابد نرود حلاوتش ز دندانم
۲ گر طبیبے ما رسد زیں سان جنوں ؛ دفترِ طب را فرو شوید بہ خوں
۳ من بیخود و شیدائیم قلاشم و رسوائیم
ہرجائی و بیجائیم ہذا جنون العاشقین
نوٹ: معشوق۔لیلیٰ۔برہم ودیا۔آہنگرہ اُپاسنا ہے۔ مبتدی لوگوں کے لئے ایسے اشعار بہت مفید ہوتے ہیں ؛

خط نمبر ۱۰

طالب۔رسالہ ہذا کے صفحہ (۱۸۳) پر بڈھی کو حسب ذیل ایڈریس کیا گیا ہے
ـلہ خرد را دوش می گفتم کہ اے اکسیرِ دانائی
ہمت بے مغز ہشیاری ہمت بے دیدہ بینائی
چہ گوئی در وجودِ آں کیست کیں شائستگی دارد
کہ تو با آب روئے خویش خاکِ پائے او سائی

ـلہ میں نے اچانک اُس شیریں لب کے شہد جیسے میٹھے ہونٹوں کو چوما (کاٹا) تاکہ ہمیشہ کے لئے میرے دانتوں سے اُس کی مٹھاس نہ چلی جائے ؛

(۲) اگر حکیم اِس طرح کے (جنونی) پاگل پن سے واقف ہو جائے تو حکمت کے کُل دفتر کو خون سے دھو دیوے ؛

(۳) میں بے خود عاشق ہوں۔کنگال (مفلس) و بدنام ہوں مکان و لامکان ہوں۔ اور اسی طرح عاشق کا پاگل پن ہوں ؛

(۴) اسکے معنی صفحہ ۱۸۳ کے نوٹ میں دیکھئے اور اس غزل کا جواب اگلے شعر کے معنی میں ملاحظہ فرمائیے

مگر بُدھی کی طرف سے کوئی جواب نہیں ہے +

رام۔ بُدھی کا جواب یُوں ہے۔

ساے بگفتنا نُورِ من کز بہرِ او پیوستہ مے سوزم

چو رُخ بنمود جاں در باختم۔ اکنوں چہ فرمائی

مطلب:۔ (۱) ساری رات شمع جلتی ہے۔ کس کے نُور سے؟ آفتاب کے (کیونکہ تیل اور لکڑی وغیرہ میں آفتاب سے مستعار تمازت اور روشنی ہوتی ہے) (۲) جب تک سُورج کو شمع نہیں دیکھتی گویا اُسکے ہجر میں جلتی ہے + اور مہرِ تاباں کے عشق میں جلنا ہی روشن ہوتا ہے + لیکن طُرفہ یہ کہ جس کے عشق میں جلتی تھی۔ جب اُسکے درشن ہوتے ہیں تو خود نہیں رہتی۔ دیکھ لو سُورج نکلے پیچھے بھی چراغ کبھی جلا کرتا ہے۔ اب بُدھی رُوپی شمع یہ کہتی ہے کہ جس کی بابت تم پُوچھتے ہو اُسے دیکھنا تو مُجھے نصیب نہیں ہوتا۔ مَیں بتاؤں کیا؟ اور تم پُوچھتے کیا ہو؟ + اور سوال کس سے کرتے ہو۔

من شمع جاں گدازم تو صُبح دلکشائی	سوزم گرت نہ بینم میرم چو رُخ نمائی

ساے اس (بُدھی) نے کہا کہ میری روشنی جس سے کہ مَیں ہمیشہ جلتی ہُوں (یعنی روشن ہُوں) جب وہ ظاہر ہُوئی۔ تو مَیں نے اپنی جان (ہستی) کو اُس پر وار ڈالا اب تُو کیا پُوچھتا ہے + (۲) مَیں جان پگھلانے والی (یعنی اپنے آپکو نثار کرنے والی شمع ہُوں۔ اور تُو دِل کو کھلانے والی (یعنی دل کو خوش کرنے والی) صُبح ہے اگر مَیں تجھ کو نہ دیکھوں تو جلتی رہُوں اور جب تُو اپنی صُورت دِکھلائے تو مَیں مر جاؤں (یعنی صُبح ہوتے ہی شمع بُجھ جاتی ہے۔ اِس لئے مَیں تیرے رُخ دکھانے پر فوراً مفقود ہوتی ہُوں +)

نزدیکت ایں چنینم دور آنچنانکہ گفتم ٭ نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جُدائی

علیپور سیداں ضلع سیالکوٹ۔ سائیں دین محمد جی کو یہ باتیں لکھدینا

(۱) اَسنسرگ ادھیاس اور سروپ ادھیاس کے متعلق لگگا ترنگ اور کیلاش کوک میں کافی تشریح مندرج ہو گئی ہے ٭

(۲) "جب بھوک لگنا۔ سو جانا وغیرہ فعل علانیہ معلوم ہوتے ہیں تو کیونکر پرتیت ہو سکتا ہے کہ یہ آست ہیں؟" ٭

یہ "افعال" کس کو ست پرتیت ہوتے ہیں؟ بُدھی کو ٭ آپ کون ہیں؟ کیا آپ بُدھی ہیں؟ ہرگز نہیں ٭

جب تک بُدھی کے ساتھ ایسا جوڑ رہتا ہے کہ گویا بُدھی ہی میں ہوں تب تک سب اعمال و افعال کو حقیقی مانتا ہے۔ جیسے خواب میں جسمِ مثالی (خواب کا جسم) کو جبتک اپنا آپ مانتا ہے تب تک خواب کی جُملہ کیفیتوں کو سچ مانتا ہے ٭ جونہی عالمِ خواب کے فرضی اپنے جسم سے قطع تعلق کرتا ہے اور جاگ کر اپنے مقابلتہً حقیقی جسم کو دیکھتا ہے تو خواب کی حرکات و سکنات۔ افعال و اعمال کو بھی است پرتیت کرتا ہے۔ بطریق "نفی و اثبات" اپنے اصلی سروپ میں جاگنے والا اور بُدھی اور جسم سے تعلق قطع کرنے والا علانیہ سب اعمال کو است دیکھتا ہے۔ ہفتوں کے ہفتے رام پر ایسے آنے لگ پڑے ہیں کہ کئی حرکات جسم سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ لیکن بالکل بے ہوشی میں ٭ دُنیا کا خواب ہونا بڑتکین پرتیت ہوتا ہے ٭

لے میں اِس طرح پر تیرے سے نزدیک ہوں اور اُس طرح پر جیسا کہ میں نے کہا میں تجھ سے دُور ہوں۔ نہ میں تیرے وصل کی طاقت رکھتی ہوں اور نہ جُدائی ہی کی طاقت ہے

ویدانت کا ایک سادھن دبشاشت

(جلد ہذا کے صفحہ ۱۹۶ سے آگے)

परित्यजेयं त्रैलोक्यं राज्यं देवेषु वा पुनः।
यद्वाऽप्यधिकमेताभ्यां न तु सत्यं कथंचन॥

त्यजेच्च पृथिवी गंधमापश्च रसमात्मनः।
ज्योतिस्तथा त्यजेद्रूपं वायुः स्पर्शगुणं त्यजेत्॥

प्रभां समुत्सृजेदर्को धूमकेतुस्तथोष्मतां।
त्यजेच्छब्दं तथाकाशं सोमः शीतांशुतां त्यजेत्॥

विक्रमं वृत्रहा जह्यात् धर्मं जह्याच्च धर्मराट्।
न त्वहं सत्यमुत्स्रष्टुं व्यवसेयं कथंचन॥

(ارتھ) "تینوں جہانوں کو ترک کرنا۔ بہشت کی حکمرانی چھوڑ دینا۔ بلکہ اُن سے بھی کچھ بڑھ کر ہو تو اُسے نہ لینا منظور ہے۔ لیکن سچائی سے جُدا ہونا گوارا نہیں کر سکوں گا" ٭

خواہ زمین اپنی خاصیت (بُو) کو چھوڑ دے۔ پانی اپنی خاصیت (ذائقہ) کو چھوڑ دے۔ روشنی اپنی خاصیت (اظہارِ الوان) کو چھوڑ دے۔ ہوا اپنے گُن (لامسہ سے محسوس ہونا) کو چھوڑ دے۔ آفتاب اپنے جلال کو چھوڑ دے۔ آگ اپنی حرارت کو چھوڑ دے۔ آکاش اپنے دھرم (آواز) کو چھوڑ دے چاند اپنی ٹھنڈک چھوڑ دے۔ ورتر کا قاتل (اندر) اپنی حشمت کو ترک کر دے

یم راج (ملک الموت) عدل کو چھوڑ دے۔ لیکن میں سچائی کو ہرگز نہیں
چھوڑوں گا۔ یہ الفاظ بابا بھیشم جی کے ہیں ۔ بھیشم پتامہ کا ان پر عمل ہے
میں بھی انہیں دستورالعمل (motto) بناؤں گا۔ جو ایک دفعہ میرے ذہن
میں بیٹھ جائے کہ یہ راست ہے۔ اُس پر ضرور چلوں گا۔ خواہ ساری
خدائی مخالف ہو۔ اب ایک دفعہ جان لیا ہے کہ غصّہ نہیں کرنا چاہیئے
بس قطعی فیصلہ ہو گیا۔ کچھ ہی ہو مغلوب الغضب نہیں ہونگا۔
نیز مہاتماؤں کی زبانی یہ بھی اکثر سُنا گیا ہے کہ "جو کچھ ہوتا ہے بھلے
ہی کے لئے ہوتا ہے" کیا یہ سچ ہے؟ میرا محدود تجربہ اِس بارے میں
ابھی رائے زنی کے قابل نہیں۔ لیکن اُنکی بات پر کیوں نہ اعتبار کروں؟
سب بھلے ہی کی خاطر ہوتا ہے۔ نیچر نے میری خدمت گزاری پر کمر باندھی
ہے۔ دیوتاؤں نے قسم کھائی ہوئی ہے کہ سدا میری بہتری میں کوشاں
رہیں گے۔ اگر یہ حال ہے۔ تو کسی امر کے متعلق میرا کُڑھنا اور غم کھاتا
ایسا نادانی کا کام ہے جیسا ایک انجان بچّے کا پولیس کے سپاہی کو
دیکھ کر ڈرنا۔ پولیس کا سپاہی تو شہر کے لوگوں کی حفاظت اور خدمت
کرنے کی ڈیوٹی (فرض) پر پھر رہا ہے۔ چوروں اوباشوں کو ہٹانے پر
کمربستہ ہے۔ اس سے ڈر کا ہے کا؟ دُنیا کے دُکھ بھی اور سُکھ بھی
مجھے ترقی کی معراج پر چڑھاتے ہیں۔ میں گھبراؤں کس لئے؟
جس کو میں بُرا سمجھتا ہوں وہ بھلا ہی ہے۔ تو غصّہ کس بات کا؟
[1] سرنوشتِ ما بدستِ خود نوشت ۔ خوش نویس است او نخواہد بد نوشت

---

[1] ہماری سرنوشت (تقدیر) اُس نے (خدا نے) اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے۔ وہ خوش نویس ہے۔ بُرا نہیں لکھے گا۔

سنسار لیلا ماتر ہے۔ خواب و خیال ہے۔ تماشا گاہ ہے۔ آتشبازی کے کھیل کی طرح ہے۔ آتشبازی کے ہاتھی گھوڑے سب کے سب جل جانے کے لئے بہار دکھاتے ہیں۔ اگر ایسے ہاتھی کی سونڈ خوبصورت ہو گئی تو کیا اور ذرا خراب ہو گئی تو کیا۔ اُسے تو دیکھتے ہی دیکھتے نابود ہو جانا ہے۔ ایسی ماضی اشیا کے لئے کیوں خاطر اور تلخ کام ہونا کاہیکو؟ ؞

Imperious Caesar, died and turned to clay,
Might stop a hole to keep the wind away;
Oh! that the Earth that kept the world in awe
Should patch a hole to expel the winter's flaw

(Shakespeare)

آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو
بر درگہ او شاہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ
بنشستہ ہمے گفت کہ کوکو کوکو

ترجمہ: وہ والا شاہنشاہ روم جو مرگیا اور خاک ہو چکا ہے ممکن ہے کہ ہوا کو اندر رکھنے کے لئے (یا ہوا سے بچنے کے لئے) ایک سوراخ بند کرے۔ اسے وہ مٹی جو تمام دنیا کو خوف زدہ بنائے رکھتی تھی آج اسے سردی کے زور کو روکنے (سردی کے جھکولے سے بچنے) کے لئے سوراخ بند کرنے کی نوبت پڑے۔ مطلب یہ کہ وہ شاہ روم جو تمام دنیا کو اپنے دبدبہ و جلال سے ہلایا کرتا تھا۔ آج قبر میں راکھ ہونے کے سبب ہوا کے جھکولوں سے اور بڑے اثروں سے نہیں بچ سکتا ؞

وہ محل جو آسمان سے باتیں کرتا تھا۔ اور جس کی درگاہ کی طرف بادشاہ متوجہ ہوتے تھے ہم نے دیکھا کہ اس کی منڈیر پر فاختہ بیٹھی ہوئی کوکو کوکو کہتی تھی (یعنی یہ آواز دیتی تھی کہ وہ محل نشین اب کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟)

ؔلہ چیست دُنیا سر بسر پرسیدم از فرزانۂ | گُفت یا خواب است یا یاد است یا افسانۂ
کیست آں کس کو بروشیدا شود جاں میدہد | گُفت یا دیو است یا غول است یا دیوانۂ

ؔ وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہُوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

اگر سب کچھ خواب ہی ہے تو تفکرات کیسے ؟

ع گر یُوں ہُوا تو پھر کیا اور وُوں ہُوا تو پھر کیا ۔

ؔلہ چہ حاصل زانکہ در دُنیا ہماں زادن ہماں مردن
دریں سنگم شرر آسا ہماں زادن ہماں مُردن (۱)
اجل بر ہستیٔ ما خندۂ دنداں نما دارد
دریں ابریم برق آسا ہماں زادن ہماں مُردن (۲)
نگہ تا واکنی بادِ اجل کشتی بگرداند
حباب موج ایں دریا ہماں زادن ہماں مُردن (۳)

ؔلہ ایک عقلمند سے مَیں نے پُوچھا کہ دُنیا کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ یا تو خواب ہے یا ہَوا ہے یا کہانی ماتر ہے (پھر مَیں نے پُوچھا کہ وہ شخص کون ہے جو ایسی دُنیا پر عاشق ہوتا ہے اور فدا ہو جاتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ یا تو وہ دیو ہے یا شیطان ہے یا محض پاگل ہے۔

ؔلہ (۱) اِس دُنیا میں بار بار جینا اور بار بار مرنا اِس سے کیا فائدہ ؟ اِس پتھر (جسم) میں ہم شرارے کی مانند ہیں۔ جو بار بار پیدا ہوتا۔ اور بار بار غائب ہو جاتا ہے ۔

(۲) موت ہماری زندگی پر کھِل کھِلا کر ہنستی ہے۔ اِس ابر میں ہم بجلی کی مانند ہیں جو کہ بار بار چمکتی ہے۔ یا بار بار غائب ہو جاتی ہے ۔

(۳) جب تک کہ تُو نظر کھولے گا اُتنے عرصہ میں موت کی ہَوا تیری کشتی کو ٹا دیگی۔ اِس دریا کی لہر کا بُلبلہ بار بار پیدا ہوتا اور بار بار مِٹتا ہے ۔

میں حقیقت کو سدا سامنے رکھوں گا۔ اِس دارِ ناپائدار کی اشیاء کو عالم خواب کے گُل اور خار سمجھونگا ؛

"Not for life — [1]
Which is but blade, and ear, and husk & grain
To the self-living, changeless sesamum! —
Not for this fleeting world — should holymen
Speak one word vainly."

सस्यमिव मर्त्यः पच्यते सस्यमिवाजायते पुनः [2] (کٹھ اُپنشد۔ ۱-۶)

کس کی شادی کس کا غم ؛ ہُو اللہ ہُو دم بہ دم ؛

اِس قسم کے سوچ بچار کرتے کرتے یدھشٹر نے اُن تمام موقعوں کو یاد کیا جہاں اُس کے تحمّل (شانتی) کے پیر پھسلا کرتے تھے۔ اور اپنے تئیں خُوب سمجھایا کہ اَے دِلِ نادان! خبردار اِس سے پہلے جو ہُوا سو ہُوا۔ آیندہ ایسے نازک وقتوں پر سنبھل کے چلنا۔ جب کوئی سخت سُست کہے گالی دے۔ کام بگاڑ دے۔ ہمارے برخلاف سازش کر رہا ہو۔ یا جب طبیعت

---

[1] بمقابلہ زندگی مشروب گُل یعنی غیر متبدّل آتم دیو کے یہ جو (جسمانی) زندگی محض چھلکا گھاس پھوس اور اناج کے دانے کی مانند کچھ (کم حقیقت رکھتی) ہے۔ ایسی بے حقیقت زندگی کے لئے اور اِس عارضی دُنیا کے لئے پاک شخص (سادھو پُرش) ایک لفظ بھی فضول (لغو) نہیں بولتے ہیں (یعنی جو کچھ اُنھوں نے اِس دُنیا کے بارہ میں فیصلہ پاکر اظہار فرمایا ہے وہ بجا اور درست ہے) ؛ [2] یہ مُنش (فانی جسم) اناج کی طرح پکتا ہے۔ (پک کر گرتا ہے۔ یعنی پیدا ہو کر مرجاتا ہے) اور پھر اناج کی طرح ہی پیدا ہوتا ہے (یعنی انسان نباتات کی طرح پیدا ہوتا مرتا اور پھر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا فانی ہے) ؛

ناساز ہو۔ وغیرہ۔ ایسے ہی موقعوں کے لئے بُردباری اور تحمّل درکار ہوتے ہیں ۔ جب سب کام مرضی کے مطابق چل رہے ہوں۔ خوش رہنا بڑی بات نہیں ہے ۔

سلہ مزن چیں بر جبیں وقتِ نزولِ درد و غم اے دل
کہ عیب است از کریماں در بروئے میہماں بستن

سلہ نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا | بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بنجاتا | اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

سلہ سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند ۔ شیر آنست آں کہ خود را بشکند

زاں بعد یدھشٹر نے اکثر مرتبہ عمدًا اپنے تئیں ایسے مقامات پر پہنچایا جہاں دریودھن وغیرہ نے اسے چھیڑا۔ اور دُکھ دینا چاہا۔ لیکن یدھشٹر نے ہر مرتبہ "کرودھ مت کرو" کے سبق کا عملی تجربہ کامیابی کے ساتھ کیا۔ جب کرودھ بالکل تیاگا گیا۔ تو طبیعت بس چَین رہنے لگا۔ بشاشت اور خوشی نے رنگ جمایا۔ گویا مُفت میں خزانے ہاتھ آ گئے۔ سب کام بھی خود بخود سُدھرنے لگے۔ تجربے نے یدھشٹر کو یہ ثابت کر دکھایا کہ تمام لوگوں کا یہ خیال کہ "غصہ کے بغیر بعض کام نہیں چل سکتے" محض غلط ہے

سلہ در خشک سالی آب گہر کم نمی شود ۔ بخلِ فلک بہ اہلِ قناعت چہ میکند

سلہ اے دِل درد و غم کے آنے پر پیشانی پر بل مت ڈال ۔ کیونکہ مہمان پر دروازہ بند کرنا سخی لوگوں کے لئے عیب گِنا جاتا ہے ۔

سلہ اسکو کمزور شیر سمجھ کہ جو (جانوروں) کی قطاروں کو چیر ڈالے ۔ شیر وُہ ہے کہ جو اپنے آپ کو (جزوی خودی کو) توڑ ڈالے ۔

سلہ خشک سالی میں موتی کی چمک کم نہیں ہوتی ہے۔ آسمانی کنجوسی صابر لوگوں کا کیا بگاڑتی ہے

پیارے ناظرین! یدھشٹر بچارے نے پڑھنے کے یہ معنی سمجھے ہوئے تھے
جو اوپر بیان ہوئے۔ یعنی رات دن متواتر فکر و خوض کا جاری رکھنا
حتّٰی کہ گورو سے سُنا ہوا سبق عمل میں آ جائے۔ جب ممتحن صاحب نے
پیٹنا شروع کیا تو وہ اپنے خیال میں "کرودھ مت کرو" اِس فقرے کا
عملی امتحان دے رہا تھا۔ مست کھڑا تھا۔ اُس کا ہر ہر مو سُنا رہا تھا
کہ "کرودھ مت کرو"۔ شانتی! شانتی!! لیکن ممتحن صاحب کے کانِ دُنیوی
تفکرات کے شور و غُل سے ایسے بہرے ہو رہے تھے کہ وہ کچھ دیر تک
یہ سبق نہ سُن سکے۔ آخر سُنتے کیونکر نہ! زبانِ حال بڑی زبردست ہے
ممتحن صاحب جب کوستے کوستے تھک گئے۔ تو یدھشٹر کے چہرہ کی طرف
دیکھا۔ تب ہوش آیا۔ یدھشٹر کی شانتی اُن کے دِل میں فوراً داخل
ہو گئی۔ اور سمجھ گئے کہ اوہو! یہ لڑکا تو ہمارا بھی اُستاد ہے۔ ہم کو
سکھلا رہا ہے کہ پڑھنا کس کو کہتے ہیں۔ ہائے! ہائے!! اِس کو اتنا
فقرہ تو سچ مچ یاد ہے "کرودھ مت کرو" پر ہمیں تو در اصل یہ یاد نہیں
اِس خیال کے ساتھ ہی گورو جی کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ بچے
کو گود میں لیا۔ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے۔

اے جوانانِ زمانِ حال! یہ دیکھ تمہیں اپنی گندم نما جَو فروش تعلیم
پر رونا نہیں آتا۔

पशोः पशु को न करोति धर्मं प्राधीत शास्त्रोऽपि न चात्मबोधः پرشنوتری
ترجمہ۔ "سنسار میں پشوؤں میں پشو کون ہے؟ جو شاستر پڑھ کر دھرم
نہیں کرتا۔ اور آتم گیان کو نہیں پراپت ہوتا"۔

यथा खरश्चन्दनभारवाही भारस्य वेत्ता न तु चन्दनस्य॥

ترجمہ: ویسے وہ گدھا جس پر چندن (صندل) لدا ہُوا ہو بوجھ کو تو جانتا ہے لیکن خوشبودار چندن کو نہیں" ویسے ہی عالم بے عمل وید کا پشو ہے وید پاٹھی کہلانے کا مستحق نہیں ۔ اگر دماغ میں پوتھے بھر لینے پر بزرگی موقوف ہو تو لائبریریاں (کتب خانے یا ٹپنکالے) بھی رشیوں میں شمار کی جانی چاہئیں۔

वागैरवरी शब्दकरी शास्त्र व्याख्यान कौशलं वैदुष्य विदुषा तद्भुत भक्तये न तु भक्तये ॥

مطلب: "الفاظ کی چُستی اور کلام کی دُرستی تفسیر و تشریح کرنے میں زور وغیرہ یہ سب عالموں کی تفریح کی خاطر ہے مُکتی کا ذریعہ نہیں" ۔

لہ علم چندانکہ بیشتر خوانی ۔ چوں عمل در تو نیست نادانی

ویدانت کا مُعاون۔ طالب حق کے لئے سب سے زیادہ ضروری ستوگن کا غلبہ ہے۔ یعنی دل کا ہر وقت بشاشت اور شانتی کے نور سے معمور رہنا۔ رنج و غصّہ اور تعصّب سے بھرا ہُوا دل جلوۂ حق کا حظ ہرگز ہرگز نہیں اٹھا سکتا ۔

لہ اورا بہ چشم پاک تواں دید چوں ہلال

ہر دیدہ جلوہ گاہ آں ماہ پارہ نیست

یہ بالکل سچ ہے کہ کرودھ موہ وغیرہ کی بیخ کنی کبھی نہیں ہو سکتی

لہ خواہ تو علم بہت پڑھ جائے۔ اگر عمل میں نہیں ہے تو محض نادانی ہے ۔

لہ اسکو پاک نگاہ سے ہلال کی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ ہر ایک آنکھ اس چاند کے ٹکڑے (مراد ذاتِ خاص) کی جلوہ گاہ نہیں ہے (یعنی ہر ایک آنکھ نہیں بلکہ صاف و پاک آنکھ ہی اس ذاتِ حق کو دیکھ سکتی ہے) ۔

جب تک کہ اگیان (جہل) دُور نہ ہولے ÷ عصمت۔ پاکبازی اور راستبازی گیان کا نتیجہ ہیں۔ معرفت کے نقشِ پا ہیں۔ اور یُوں کہنا کہ شانتی کے آنے پر گیان کی پراپتی (حصُولِ معرفت) مبنی ہے۔ گویا بجائے گھوڑے کو گاڑی کے آگے جوڑنے کے گاڑی کو گھوڑے کے آگے لگانا ہے۔ تاہم طالب کے لئے جذبات کو جیتنے۔ اور حواس کو قابو میں لانے کی کوشش رائگاں بھی نہیں جاتی ÷ جیسے ایک درخت کے پتّے اور ٹہنیاں کاٹ دینے سے اُس درخت کی بُنیاد نہیں اُکھڑتی (البتہ درخت کی بیخ کنی ہو جانے کے بعد پتّے وغیرہ سُوکھ کر جھڑ جاتے ہیں) لیکن درخت کی شاخیں وغیرہ چھانٹ کر اُسے ہلکا کردینے میں اتنا ضرور ہوگا کہ اُس کی جڑ پر آرہ آسانی سے پھر سکے گا بیخ کنی میں ایک گُونہ مدد مل جائے گی ÷ ویسے ہی یہ لازمی نہیں ہے کہ کام۔ لوبھ۔ رنج و غصّہ پر قادر ہوتے ہی اگیان کی جڑ کٹ جائے (البتہ جہل کی بُنیاد اُکھڑ جانے کا پھل یہ ضرور ہوتا ہے کہ موہ اور غم کالعدم ہو جاتے ہیں)

तत्र को मोहः कः शोकः एकत्वमनुपश्यतः ॥ (ایشا واسیہ اُپنشد)

مطلب: جانو اپنا آپ جب۔ شوک موہ ہٹے ناش

دُھند اندھیرا نس گئے۔ کینو رُوی پرکاش

لیکن جو شخص رجوگُن اور تموگُن (شہوت اور غضب) رُوپی پتّوں ٹہنیوں کو کاٹ چھانٹ کر شجرِ جہل کو ہلکا کردے گا۔ اُس کے لئے اگیان کی جڑ پر کلامِ عظیم (اقترب ویدہ ماہاواک) । सर्वं ह्येतद् ब्रह्म । (یقیناً یہ سب کچھ برہم ہے) کا آرہ چلانا آسان ہو جائے گا ÷

नाविरतो दुश्चरितान्नाशान्तो नासमाहितः ।

नाशान्तमानसो वापि प्रज्ञानेनैनमाप्नुयात्॥ (کٹھ اپنشد)

"None compasseth [1]
Its joy who is not wholly ceased from sin,
Who dwells not self-controlled, self-centred calm,
Lord of himself! It is not gotten else" (Sir Edwin Arnold)

ترجمہ:- جیسے میلے کپڑے پر رنگ نہیں چڑھتا۔ یا جیسے گیلی لکڑی کو لاکھ جتن کرنے سے بھی آگ نہیں لگتی۔ ویسے ہی جو شخص بیبک۔ بیراگ۔ شم دم وغیرہ سادھن سمپن نہ ہو اس کو آتم گیان کا رنگ چڑھنا مشکل ہے مغرورِ ذات کی آگ لگنی کٹھن ہے"

[2] رفتم بہ طبیب و گفتم از دردِ نہاں | گفتا کہ ز غیرِ دوست بر بند زباں
گفتم کہ غذا؟ گفت ہمیں خونِ جگر | گفتم پرہیز؟ گفت از ہر دو جہاں

[1] اس شانت چت (مست) مہاتما کی خوشی کا اندازہ کوئی ایسا آدمی ہرگز نہیں لگا سکتا جو خود پاپ رہت (بے اوث) نہ ہو۔ یا جو اپنے آپ بے قابو پائے ہوئے نہ ہو۔ اپنے آپ میں مقیم نہ ہو۔ اور نہ اپنے آپ کا مالک ہو (یعنی جو شخص اشانت چت ٹیڑھے راستے سے نہ ہٹنے والے بد معاش۔ مضطرب دل والے۔ اور چنچل من والے ہیں، وہ ہرگز اس لا انتہا آنند کو (جو مست و آزاد عارفِ کامل کو نصیب ہوتا ہے) باطنی دیدہ سے نہیں پا سکتے۔

[2] میں ایک حکیم کے پاس گیا اور باطنی (دلی) درد کا علاج پوچھا۔ حکیم نے جواب دیا کہ اپنے دوست کے علاوہ زبان بند رکھ (یعنی اپنے یارِ غار آتم دیو کی چرچا کے سوائے اور کسی طرح کی گفتگو بند رکھ) (۲) پھر میں نے پوچھا کہ اس علاج میں غذا کیا چاہیئے؟ حکیم نے جواب دیا کہ یہی اپنے جگر کا خون۔ پھر میں نے پوچھا اس علاج میں پرہیز کس کا ہونا چاہیئے۔ تو اُس نے جواب دیا کہ ہر دو جہان (لوک پرلوک) سے (یعنی ہر دو دُنیا کی خواہشات و تمنا سے)۔

ـلـه خونِ خالص خود خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
دنداں بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست (۱)
در کنز و ہدایا نہ تواں یافت خدا را
در مصحفِ دِل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست (۲)
ـلـه اے بوالہوس مسوز کہ آں عشق آتش است
ما آں سمندریم کہ آتش حیاتِ ماست

ذیل کے اقتباس میں شاپن ہاور نے دکھایا ہے کہ ستوگُن کی عدم موجودگی میں گیان کا پرکاش ہونا محال ہے ٭

When the individual is distraught by cares or pleasantry, or tortured by the violence of

---

ـلـه اپنا خالص خون پی کیونکہ اِس سے بہتر شراب نہیں ہے۔ اور اپنے ہی کلیجہ (جگر) کو دانتوں سے کاٹ کیونکہ اِس سے بہتر کباب نہیں ہے ٭

ـلـه مقدس کتب و نصائح میں خُدا نہیں پایا جا سکتا ہے۔ اپنے صاف (شُدھ) دِل کے قُرآن میں اُسے دیکھ۔ کیونکہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے ۔

ـلـه اے لالچی تُو مت جل۔ کیونکہ عشق آگ ہے۔ لیکن ہم وُہ آگ کا کیڑا ہیں کہ جن کی زندگی ہی آگ پر مبنی ہے ٭

ـلـه جب کسی پُرش (انساں) کا من فکروں یا ہنسی مخول (یا طعنوں) سے منتشر ہو جاتا ہے یا اپنی خواہشات اور آرزوؤں کی زبردستی سے ستایا ہُوا ہوتا ہے۔ تب اُس کے اندر کا خُدا داد ملکہ (قُدرت۔ ادراک۔ یا شُدھ آتما) مقیّد ہو جاتا ہے۔ اور آگے حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ صرف اُسی وقت جبکہ فکر اور خواہشیں شانت ہوتی ہیں (یا دُور ہو جاتی یا دبی ہُوئی ہوتی ہیں) کُرتہ ہُوا (زندگی کی ہَوا) اتنا صاف و کُشادہ (دکبُرت) ہوتا ہے کہ وُہ خُداداد ذہن (قُدرت ضمیر) اُس میں زندہ رہ سکتی ہے (کام کر سکتی ہے) اُسی وقت مادہ (دیہ کرتی مایا) کے مد حسن کُل کٹ جاتے ہیں۔ اور خاص شُدھ آتما گیاتا (ساکشی وگیان سروپ ہُوا) محض رہ جاتا ہے ٭

his wishes and desires, the genius in him is enchained and can not move It is only when cares and desires are silent that the air is free enough for genius to live in it. It is then that the bonds of matter are cast aside & pure sprit, the pure, knowing subject – remains.

ؔ چو حسنِ تربیت گردد قریں با پاکیٔ گوہر
ز رشحۂ آب خیزد دُر ز مُشتِ خاک زاید زر (۱)

سرشتِ خاکِ کاں با آبِ نیساں گرچہ پاک آمد
ولے از فیضِ خورشید است کاں زرگردد ایں گوہر (۲)

بسے زحمت برد دہقاں کہ در زیرِ زمیں تُخمے
بریزد بیخ و یابد شاخ و گیرد برگ و آرد بر (۳)

ؔ (۱) جب تربیت کا حسن موتی کی صفائی کے نزدیک ہوتا ہے۔ تو پانی کے ٹپکنے سے موتی پیدا ہوتا ہے۔ اور خاک کی مُٹھی سے سونا پیدا ہوتا ہے (یعنی پاک طینت عارف کی صحبت سے جب طالبِ حق تربیت پاتا ہے تو عارف کامل کا ایک کلام بھی طالب کے قلب میں موتی بن جاتا ہے اور محض جسمانی ورزش سے اس کا قلب سونے کی طرح شُستہ و پاک ہو جاتا ہے +

(۲) کان کی خاک کی سرشت یا کتّیا والی بادل (یا ماہ بھادوں یا کاتک میں برسنے والے بادل) کا پانی اگرچہ صاف ہوتا ہے۔ لیکن سُورج کے فیض سے وہ (کان) سونا ہو جاتی ہے اور یہ موتی۔ یعنی اگرچہ بادل کا پانی اور کان کی مٹی (طالبِ حق کی طرح) صاف و پاک ہوتے ہیں۔ مگر جیسے عارف کامل کی صحبت کے بغیر طالبِ حق ذاتِ اصلی کو نہیں پاتا ویسے ہی یہ ہر دو پاک اشیاء بھی بغیر سورج کی برکت کے سونا و موتی نہیں ہو سکتے +

(۳) کسان زمین کے اندر تخم گرانے میں اگرچہ بہت تکلیف اُٹھاتا ہے تاکہ بیج۔ جڑ۔ شاخ اور پتے اور پھل کو حاصل کرے مگر بغیر سُورج کی برکت کے یہ تمام محنت نشپھل یعنی بے سُود ہو جاتی ہے ایسے ہی طالبِ حق کی کوشش بنا مرشد کامل کی مدد کے بے سُود ولا حاصل ہوتی ہے +

ؔ صفا صاف شو تا رُو بروئے یار جا یابی
کہ پیش خوب رُویاں آئینہ منظوُر می گردد

ستوگُن کی ضد کیا ہے؟ غصّہ و رنج ۔ غصّہ و رنج کی اصل حقیقت (سروپ) کیا ہے؟ خواہش ۔ کیونکر؟ جیسے جب کوئی ندی یا نالہ نہایت تُند و تیز چل رہا ہو اور رستے میں کسی بہت بڑے پتھّر کے ساتھ ٹکّر کھالے تو ندی یا نالے کا پانی نہایت شور کے ساتھ جھٹ جھاگ ہو جاتا ہے۔ وَیسے ہی جب کسی دل میں خواہش کی رَو جوش و خروش کے ساتھ بہ رہی ہو اور یک دم کوئی رُکاوٹ پیش آ جاوے تو وُہ خواہشیں رنج و غصّہ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ غور سے دیکھو! مرضی کے مُطابق کسی کام کا نہ ہونا ہی غم یا غصّہ لاتا ہے۔ خواہش ہی غم یا غصّہ کی اصل ہے ۔ جس پُرش کی خواہشیں سب دُور ہوگئی ہیں۔ جس کے سنکلپ سب مِٹ گئے ہیں (یعنی گیان وان) اُس نے غم و غصّہ کی بنیاد اُکھاڑ دی ہے ۔

आप्नोति हवै सर्वान्कामानादिश्च भवति य एवं वेद

(اتھرب وید ماںڈوک اُپنشد)

ؔ سر سے پاؤں تک صاف بن تاکہ تُو یار غار کے سامنے جگہ حاصل کرے (یعنی ذاتِ اصلی کا دِیدار کر سکے) کیونکہ خُوبصُورتوں کے سامنے شیشہ قبوُلِ خاطر ہوتا ہے (یعنی شُدھ سروپ کے نزدیک شُدھ و پاک دِل ہی ٹھہر سکتا ہے۔ یا ذاتِ حق کا دِیدار شفّاف آئینہ دِل ہی کرا سکتا ہے) ۔

ترجمہ:- جو پُرش اِس (رمزِ حقیقت) کو سمجھتا ہے وہ بلا شُبہ سب مُرادوں کو پا لیتا ہے اور سب سے اوّل ہو جاتا ہے ؎

ज्ञात्वा देवं सर्वपाशापहानिः क्षीणैः क्लेशैर्जन्ममृत्यु प्रहाणिः ।

(کرشن یجروید-شویتا شوتر اُپنشد)

ترجمہ:- جب نُوراعلےٰ نُور کو جان لیا۔ تو زنجیر سب ٹُوٹ گئے۔ دُکھ دُور ہو گئے۔ اور مرنے جینے سے خلاصی ملی" ؎

आपूर्यमाणमचलप्रतिष्ठं समुद्रमापः प्रविशन्ति यद्वत् ।
तद्वत्कामा यं प्रविशन्ति सर्वे स शान्तिमाप्नोति न कामकामी ॥७०॥

(بھگوت گیتا ادھیائے دوسرا منتر ۷۰)

ترجمہ:- جس سجّن نے اپنی خواہشوں کو یوں سمیٹ لیا ہے جیسے سمندر اپنی ندیوں کو اپنے بیچ میں داخل کر لیتا ہے۔ وُہی شانتی (آنند) کو حاصل کرتا ہے دُوسرا نہیں" ؎

غصّہ و غم کو مغلوب کرنا اُنہی کا کام ہے جس کی یہ نگاہ ہے ؎

سلہ چیست دُنیا تا بہ آن آلودہ کردن دستِ خویش
بر سرِ خوانِ سلیماں کاسہ لیسیدن چراست

وُہ عارف جو تمام دُنیا کو اپنا آپ دیکھتا ہے۔ ہر فردِ بشر کو اپنا سُروپ سمجھتا ہے۔ وُہ کس سے ناراض ہو؟ اُس کے لئے وکشیپ (اضطراب) کہاں؟ جب اپنی جیبھ اپنے دانتوں میں دب جاتی ہے تو دانتوں کو نکال ڈالنے کا کس کو خیال آتا ہے ؎

यस्तु सर्वाणि भूतान्यात्मन्येवानुपश्यति । सर्वभूतेषु

سلہ یہ دُنیا کیا ہے جس سے اپنا ہاتھ آلودہ کیا جائے؟ سلیمان کے دسترخوان پر پیالہ چاٹنا (دُنیاوی خواہشات کا پُورا کرنا بھلا) کس کام کا؟

चात्मानं ततो न विजुगुप्सते ॥६॥ (یجروید۔ایشا واسیہ اُپنشد۔منتر ۶)

ترجمہ۔"جو (سالک) تمام موجودات کو آتما میں دیکھتا ہے اور سب میں (سب کچھ میں) آتما کو جانتا ہے۔ وہ پھر کس سے نفرت کرے" ؟

لہ عزمہا ہمی کردم کہ شیطاں بر طرف گردد

زیک بینی و یک دانی حصارے کردہ ام پیدا

ٹہ بابجتِ زندہ کسے کہ گشت یار ٭ مُردہ را کے در کشد اندر کنار

پر ہاں۔وہ نیک مرد جس کو گیان کی نعمتِ لازوال ابھی نصیب نہیں ہوئی مگر غم و غصہ کے دور کرنے میں ساعی ہے۔اس کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے ٭ اس کی کوششیں غم و غصہ کو جیتنے میں تو ہمیشہ ناقابل ہی رہیں گی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر کوششیں سچی ہیں۔ تو اس شخص کو گیان کا ادھکاری بنا دیں گی ٭ کوششوں کی (Phenomena) طاقت منافع لو ہو نہیں سکتی۔بہیاں میں تبدیل ہونی جائیگی اور پھر گیان کے اُنے پر رنج و غصہ کہاں ٹھیر سکتا ہے ؟ اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ غم اور غصہ کے باعث مزاج جادۂ اعتدال سے ویسے ہی پھر جاتا ہے۔ جیسے عارضۂ تپ، چیچک یا اور کسی مرض کے سبب سے ٭

پیارے جگیاسو! جب تپ بخار یا کوئی مرض متعدی لاحق ہوتا ہے تو

لہ میں بہت سے ارادے (سنکلپ) کرتا تھا کہ جن سے شیطان الگ ہوجائے لیکن دیدارِ وحدت اور دانش یکتائی سے میں نے ایک قلعہ بنا کر لیا ہے (جس کے اندر اب شیطان داخل ہی نہیں ہوسکتا) ۲۔ جو شخص کہ زندہ معشوق کے ساتھ دوست (عاشق) ہو گیا۔ وہ مُردہ (معشوق) کو بھلا کب بغل میں لیگا ٭

تم لحاف میں منہ سر لپیٹ کر کمرے کے اندر پڑے رہا کرتے ہو۔ ویسے
ہی جب غم و غصہ (جو اوّل درجے کے امراض متعدی ہیں) لاحق ہوں۔
تو آپ کو لازم ہے کہ فی الفور چہرہ کو ڈھانک لو۔ اور کسی کو منہ مت
دکھاؤ جبتک کہ طبیعت درست نہ ہولے۔ اور قدرتی بشاشت (جس کے
بغیر انسان انسان کہلانے کا مستحق نہیں) آنکھوں میں نمودار نہ ہولے
طاعون زدہ مریض کو ایسے مقام پر رہنے کا کوئی حق نہیں کہ جہاں
سے اس کا مرض اوروں کو لگ سکے۔ ویسے ہی تمہیں ذرا حق نہیں کہ
کो वा ज्वरः प्राणभृतां हि चिन्ता ۔ تمہارا رُوحانی مرض اوروں کو لگے
"جانداروں کے لئے تپ کیا ہے؟ فکر و غم" ؞
(۱) روئے کہ زو دِلے نکشاید ندیدنی است
حرفے کہ نیست مغز درو ناشنیدنی است
Do any hearts beat faster (۲)

---

(۱) وہ چہرہ کہ جس کے دیکھنے سے کسی کا دل نہ خوش ہو (دِل نہ محظوظ ہو) وہ قابل دیکھنے
کے نہیں ہے۔ وہ حرف (بات) کہ جس میں مطلب کچھ نہیں ہے (یعنی جس کے معنی و مُراد
کچھ نہ ہوں) وہ قابل سننے کے نہیں ؞
(۲) رستے میں تمہارے قدموں کی آواز سُن کر (یعنی تمہارے آنے کی آہٹ سُن کر)
یا کسی جگہ تُم کو ملنے اور سلام کرنے سے کسی کا دِل آپکے عشق میں مشتاق ہُوا یا کسی
آدمی کا چہرہ (آپ کو ملکر) بشاش ہُوا؟ تمہارے (مُکھ) سے نکلے ہُوئے لفظوں کو سُن کر
یا کوئی شخص آج پہلے کی نسبت زیادہ خوش ہُوا؟ جبتک یہ زندگی قابل جینے کے
ہرگز نہیں۔ اگر کوئی شخص راستہ میں تمکو ملکر یا تمہارے قیام کی برکت جان کر بہتر نہ ہو
(یعنی اگر کسیکو تُمسے کچھ لابھ نہ پہنچ سکے تو تمہارا دُنیا میں جینا فضول و بے سُود ہے) ؞

Do any faces brighten,
To hear your footsteps on the stair,
To meet you, greet you anywhere?
Are any happier today
Through words they have heard you say?
Life were not worth the living
If no one were the better
For having met you on the way,
And known the sun-shine of your stay

⟵ (؛) ⟶
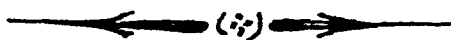
He needs no other rosary
Whose thread of life is strung
With the beads of love and thought.

جمنا ندی کے کنارے پر سایہ دار درختوں کے بیچ میں کمال درجہ کی صاف اور ستھری ایک سادھو کی کٹیا تھی۔ جس میں کہیں شیر اور ہرن کے خوبصورت چرم (مرگچھالا) بچھے تھے۔ کہیں درختوں اور کھونٹیوں پر جوگیا رنگ کے کپڑے لٹکے ہوئے مکان کو زیبایش دے رہے تھے ؛

اتفاقاً ایک مسافر قوم کا شودر اُس طرف آنکلا۔ کٹیا کے ساتھ ندی پر ایک عمدہ پکا گھاٹ دیکھ کر اُس کے جی میں آئی کہ یہاں سنان

لہ اس شخص کے لئے کوئی اور مالا یا تسبیح کی ضرورت نہیں جس کی زندگی کا تاگا دھاگا پریم اور پیار کے منکوں (دانوں) کو پروتا ہوا گزرتا ہے ؛

کریں ۔ سنان کرنے کے بعد شامت کے مارے کو یہ سُوجھی کہ اپنے
کپڑے بھی یہیں دھولوں۔ گھاٹ کے پتھر پہ کپڑوں کو مار مار کر دھونے
لگا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سادھو جی کُٹیا کے اندر آرام کر رہے تھے ۔
چھپاچھپ کی آواز سے چونک پڑے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مَیلے کچیلے
کپڑوں کی چھینٹوں سے اُن کے پوِتر آسن اور گیروے کپڑے خراب
ہو رہے ہیں۔ اور ناپاک بُوندوں سے چُوکا بگڑ رہا ہے۔ جھٹ پٹ
باہر نکلے۔ تو شُودر کپڑا دھوتا نظر پڑا۔ پھر جو کچھ اُس غریب پر بیتی
کیا بتائیں۔ سادھو جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ مارے غُصّے کے سُرخ
ہو کر ڈھاک کی ایک مضبوط موٹی لاٹھی اُٹھائی۔ اور چپکے سے اُس
بیچارے کے پیچھے آن کھڑے ہوئے۔ اِدھر وہ بے خبر پتھر پہ کپڑا مارنے
وقت جُھکا۔ اُدھر اُس کی پیٹھ پر بجلی کی طرح ڈنڈا کڑکا۔ بے اختیار
چیخنے لگا۔ سوٹے کی ایک چوٹ اور پڑی۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔
سادھو جی نے لاتوں سے گت بنانی شروع کی۔ پھر گالیوں کی
بوچھاڑ سے خُوب خبر لی۔ جب سب طرح سے تھک چُکے تو آخر ہار کر
بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر سستا کر ندی میں سنان کرنے لگے ۔ اتنے
میں اُس شُودر نے بھی ہوش سنبھالا۔ کُٹیا سے کچھ دُور نیچے ہٹ کر
وہ بھی نہانے کے لئے جمنا میں کُود پڑا ۔ اب تک سادھو جی کا غُصّہ
کسی قدر فرو ہو چُکا تھا۔ بولے "ارے چنڈال! گرم گرم جسم کو پانی
میں کیوں ڈال دیا؟ کیا تجھ کو بیماری کا ڈر نہیں؟ ایسے موقع پر
نہانے کی کیا پڑی تھی؟ ہم سمجھتے ہیں تم تو پہلے کبھی ایک مرتبہ
نہا چُکے ہو۔ دوبارہ نہانے کی ضرورت کیا تھی"؟

شودر:- تم بھی تو سویرے اشنان ضرور ہی کر چکے ہو گے۔ دو بارہ کیوں نہانے لگے ہو؟

سادھوجی:- ارے! تو ہماری ریس (نقل) کرنے لگا ہے؟ ہم تو تجھ چنڈال سے سپرش کر چکے۔ اِس لئے سنان کرتے ہیں ؛

شودر:- بس! میں بھی اِس لئے نہاتا ہوں کہ چنڈالوں کے چنڈال کے ساتھ چھوت ہو چکا۔ نہاکر اپنے تئیں شُدھ کرونگا ؛

سادھوجی (آنکھیں دکھاکر) ایں! ہمیں گالی بکتا ہے؟ چنڈالوں کا چنڈال کسکو کہا؟

شودر (ہاتھ جوڑ کر):- نہیں مہاراج! کرودھ چنڈالوں کا چنڈال ہے۔ آپ کے پوِتر شریر پر اُس کا آویش ہو گیا تھا۔ اور پھر آپ کے ہاتھوں اور لاتوں کی راہ مجھ کو۔ یہ چنڈال چھُوا۔ غصہ چنڈال ہے۔ میں نے آپکو کچھ نہیں کہا۔ چھما کیجئے ؛

یہ سُن کر سادھوجی دل میں شرمندہ ہوئے۔ اور بچار کرنے لگے کہ کہنا تو سچ ہے۔ اِس موقع پر گیتا کا وہ شلوک یاد آگیا۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص کسی ذی رُوح سے بھی عداوت نہیں رکھتا۔ ہر ایک سے محبت ہی رکھتا ہے۔ اور عاجزوں پر رحم کرتا ہے جس میں "میں میرا" نفی ہو چکا ہے۔ جس کو سُکھ دُکھ مساوی ہیں۔ جس کو نقصان بھی پہنچایا جائے تو معاف کر دیتا ہے۔ ایسا شخص میرا پیارا ہے۔"

अद्वेष्टा सर्वभूतानां मैत्रः करुण एव च।

निर्ममो निरहंकारः सम दुःख सुखः क्षमी॥

(بھگوت گیتا۔ ادھیائے ۱۲۔ منتر ۱۳)

Who hateth naught
Of all which lives, living himself benign,
Compassionate, for arrogance except,
Exempt from love of self, unchangeable
By good or ill, patient, contented, firm

ل کرشن بھگوان کہتے ہیں۔ میں اُس پُرش سے پریم کرتا ہُوں (یا وہ شخص مجھے پیارا ہے) جو تمام زندہ مخلوقات میں کسی سے نفرت نہیں کرتا۔ جو خود مجسّم مہربان (شفیق) ہے۔ رحیم (دَیاوان) ہے۔ ابھمان (نخوت و تکبّر) سے بَری ہے۔ اپنی جسمانی محبّت (خود غرضی) سے رہت ہے۔ جس میں بُرائی بھلائی سے تبدیلی واقع نہیں ہوتی (جو ہر حالت میں غیر متبدّل مزاج کا ہے)۔ جو صابر یا بُرد بار ہے۔ سنتوشی یا قانع ہے۔ درِڑھ وشواس والا (اپنے اعتقاد میں پکّا) ہے۔ جسکو اپنے اُوپر قابو ہے۔ جو اپنے قول و اقرار کا پکّا ہے۔ جو دِل و جان سے میرا بھگت ہے۔ اور جو اپنی زندگی کو مجھ پر آرپن (نثار) کئے ہُوئے ہے (منتر ۱۴) ایسا منش (انسان) مجھے بے شک بہت پیارا ہے۔ جو منش ماتر (اپنے ہم جنسوں) کو دُکھ کلیش نہیں دیتا اور نہ جسے وہ دُکھ دیتے ہیں۔ جو کرودھ سے رہت ہے۔ اور جو خوشی۔غم یا ڈر کے اثر کی رسائی سے بعید ہے ٭

منتر ۱۵ (ترجمہ بھگوت گیتا)

(ادھیائے ۱۲۔ منتر ۱۳ تا ۱۵)

In faith, mastering himself true to his word,
Seeking Me heart and soul, vowed unto Me,—
That man I love! who troubleth not his kind,
And is not troubled by them; clear of wrath,
Living too high for gladness, grief or fear,
That man I love

چنڈال کو چھونا تو بیرونی بدن کو بگاڑتا ہے۔ لیکن غصہ سے چھو جانا رُوح (باطن کو) پلید کر دیتا ہے۔اور سُوکشم شریر (جسم لطیف) پر مستقل داغ لگا دیتا ہے۔مگر حیرانی اِس بات پر ہے کہ جسقدر پرہیز ہم لوگ ظاہری چنڈال سے کرتے ہیں۔اُس سے بہت زیادہ تپاک کے ساتھ غصہ کو اپنا تن من ارپن کرتے ہیں و اُسے اپنی گردن پہ سوار کر لیتے ہیں۔ گیتا میں لکھا ہے۔

मया ततमिदं सर्वं जगदव्यक्त मूर्तिना ।[1] (بھگوت گیتا ادھیائے ۹ منتر ۴)

इदं ब्रह्मेदं क्षत्रमिमे लोका इमे देवा इमे वेदा इमानि
भूतानीदं सर्वं यदयमात्मा ॥ (برہدارنیک اُپنشد)

ترجمہ:"برہمن کشتری۔ عالمہائے گوناگوں۔ وید۔ ملائک۔ عناصر اور سبھی کچھ ایک آتما ہی آتما ہے"۔ ٭

महद्देवानामसुरत्वमेकं (رگوید منڈل ۳)

ترجمہ:"دیوتاؤں کی شکتی کا ماخذ ایک ہی ہے" ٭

---

[1] مجھ اویکت مورتی سے (یعنی مجھ نر آکار سروپ سے) یہ سب جگت ویاپت پھیلا ہُوا ہے۔ (یعنی میں نے یہ کل جگت گھیرا ہُوا ہے) ٭

یعنی سب دُنیا کے کار و بار مجھ (دانشور) ہی سے ظہور میں آ رہے ہیں
سلہ ازیں مصائب دوراں مناں و شاداں باش
کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید
نیز پُرانوں میں جا بجا اس قسم کی روایتیں اور کہانیاں درج ہیں کہ فلاں راجہ کو پرندے کے روپ میں بھگوان نے درشن دیئے۔ فلاں شخص کو نارائن کُتّے کی شکل میں نظر آیا۔ فلاں برہمن کو بھکاری (گداء) کی صورت میں ملا۔ وغیرہ +
اِن حکایتوں سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر کہ و مہ میں پرماتما ہی کو دیکھنا چاہیئے +
سلہ آرام و خواب خلقِ جہاں را سبب توئی
زاں شُد کنارِ دیدہ و دِل تکیہ گاہِ تو
سلہ ہر جا بنگرم بالا و گر پست + نہ بینم در دو عالم جُز یکے ہست
سلہ من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم + کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد
اگر وُہی وُہ ہے یا ویدانت کے محاورے کے مُطابق "میں ہی میں ہوں" تو غصّہ کس پہ؟ خفگی کیسی؟

سلہ اِس زمانے کی مُصیبتوں سے مت رو اور خوش رہ کیونکہ دوست کا تیر دوست کے پہلو سے آتا ہے (یعنی زمانہ کا دُکھ خُدا کی طرف سے بھلائی کے لئے نازل ہوتا ہے)
سلہ جہان کی خلقت کی نیند و آرام کا سبب فقط تُو ہی ہے۔ اِس وجہ سے دِل و آنکھ تُجھ پہ بھروسا کرنے والے ہو گئے ہیں +
سلہ نیچے اُوپر جس جگہ کہ میں دیکھتا ہُوں دونوں دُنیا (لوک و پرلوک) کے اندر میں سوائے ایک ہستی کے اور کچھ نہیں دیکھتا ہُوں +
سلہ میں غیروں سے ہرگز نہیں روتا ہُوں کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ کیا اُس دوست دیارِ غار نے کیا +

؎ فریدا خالق خلق میں۔ خلق بسے رب مانہ ❊
مندا کس نوں آکھئے جاں تجھ بن کوئی ناہِ ❊
؎ گفتم کہ غمزہ تو بخونم نشاند۔ گفت ❊ اورا گناہ نیست کہ فرمودہ ایم ما
کرشن کرشانا بھگوت کے اِس کلامِ پاک کی عملی تردید کرنا ہے اور کفر کا دم بھرنا
؎ ع ہرچہ از دوست میرسد نیکوست
؎ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقتِ ما کافری ست رنجیدن
اِندر پرستھ میں جب راجسوئیگیہ ہو چکا۔ اور سب مہمان وداع ہو رہے تھے۔ پانڈووں نے بڑی محبت سے دریودھن کو کچھ دن اور اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ اور اُس کی خوب خاطر تواضع کی۔ ایک دن مَے داناؤ کا بنایا ہؤا عجیب و غریب محل اُسے دِکھانے لگے ❊ اِس محل کے فرش میں ایک جگہ بیش بہا شفاف پتھر اور شیشے اِس خوش اسلوبی سے جوڑے تھے کہ آب رواں معلوم دیتا تھا۔ جھکولے کھاتا ہؤا دریا نظر آتا تھا۔ اِس جھوٹ موٹ کی لہریں مارتے ہوئے پانی کو دیکھ دریودھن دھوکا کھا گیا۔ اُسے موجزن آب سمجھ تیر کر پار جانے کی خاطر کپڑے اتارنے لگا۔ یہ دیکھ بھیم سین اور دروپدی وغیرہ حاضرین نے زور سے قہقہہ لگایا ❊

؎ مَیں نے کہا کہ تیرے غمزے نے مجھ کو خون میں بٹھایا (خون آلودہ کیا) اُسنے جواب دیا کہ اُس (غمزہ) کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے اُسکو ایسا حکم دیا ہے ❊
؎ جو کچھ کہ پیارے سے آتا ہے وُہ ہمیشہ مفید و بہتر ہی ہے ❊
؎ ہم وفاداری کرتے ہیں اور ملامت سہتے ہیں اور آنند رہتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مت (مذہب) میں رنجیدہ ہونا کفر ہے ❊

پیارے طالب! یہ عالم مایا کا رچا ہُوا (تعمیر کردہ شُدہ) مکان ہے۔ تیری خوشنودیٔ مزاج کی خاطر الوانِ گوناگوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ اِس میں سَراب آپیسے دھوکے والے خاص موقع بھی ہیں جن کو دیکھ تُو گھبرا اُٹھتا ہے کہ "ہائے میں ڈوبا! میں ڈوبا" اور ارے اضطراب کے ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے۔ صبر و قرار کی عنان ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے وسوسہ اور تذبذب کے بس میں آ جاتا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں چھوٹنے لگتی ہیں۔ جانو سچ مچ گردابِ بلا میں پھنسا ہے ؛

لیکن سے بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دِل کا

جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نہ نِکلا ؛

جب پردۂ لاعلمی دُور ہوتا ہے تو پتہ لگتا ہے کہ کچھ بات ہی نہ تھی۔ پانی تو تھا ہی نہیں۔ کپڑے خواہ مخواہ اُتارے۔ ناحق فضیحت سہیڑی۔

میرے پیارے! خُوب یاد رکھو کہ دُنیا میں جتنی چیزیں بظاہر گھبرانے والی معلُوم ہوتی ہیں فی الحقیقت تیری فرحت اور خُرمی کی خاطر دستِ قُدرت نے تیار کی ہیں۔ اُلٹا ڈرنے سے کیا حاصل؟ تیری ہی نادانی تجھے چکر میں ڈالتی ہے۔ ورنہ تجھے کوئی نیچا دکھانے والا نہیں ؛

یہ کامل یقین رکھ کہ دُنیا تیرے کسی دُشمن کی بنائی ہُوئی نہیں۔ بلکہ تیرے عزیزوں کے عزیز۔ تیرے ہی آتم دیو کا سارا ظہور ہے۔ دُنیا کا کوئی بھی سامان تجھے در اصل دُکھ نہیں دے سکتا۔ بلکہ ہر سامان تیری تفریحِ طبع کا باعث ہے۔ دِل کو پریم سے بھرو۔ من کو شُدّھ کرو۔ اور دیکھو! سلہ دلبرِ دِل رُبائے من مے کُند از برائے من ؛

سلہ میرا دِلرُبا معشوق میرے لئے نقش و نگار اور بناؤ سنگار تئے نئے طریق سے روز پیدا کرتا ہے

نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

سلہ خنداں رُو بُودن بہ از گنج و گہر بخشیدن است

تا توانی برق بُودن ابر نیسانی مباش

اعتراض:۔ مثل مشہور ہے "سیدھی لکڑی سب کوئی کاٹ لیتا ہے"
بس آپ تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ ہم درجۂ اتم کے صاف سیدھے ہو
جائیں۔ اگر ایسا کردیں اور پالیسی (پیچ) کو بالکل چھوڑ دیں۔ تو ہمیں
دُنیا میں رہنے ہی کون دیگا؟ ہمارا گذارہ ہی کیونکر ہوگا؟ زبردست
لوگ ہمیں کھا نہ جائیں گے؟

ے ات سیدھے نہ ہووئے کچھوک ونگ من مانہ
سیدھی لکڑی کاٹ لیں ٹیڑھی کاٹیں نانہ

جواب:۔ ہم یہ پُوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے "ٹیڑھی کاٹیں نانہ"؟
ٹیڑھی لکڑی جُوں کی تُوں رہنے دیجاتی ہے؟ اُس کا کوئی استعمال
نہیں کیا جاتا؟

بالکل غلط ہے۔ وقت پر سب کٹ جاتی ہیں۔ کیا سیدھی اور کیا ٹیڑھی
صرف آگے پیچھے کا بھید ہے۔ کٹنے میں سب برابر ہیں۔
ہاں اگر سچ مچ فرق ہے تو یہ ہے کہ ٹیڑھی لکڑی کاٹی جا کر عمُوماً جلائی
جاتی ہے۔ ایندھن کے کام آتی ہے۔ اور سیدھی لکڑی کاٹی جا کر جلائی
نہیں جاتی بلکہ رنگ و روغن میں سج کر امیروں۔ بزرگوں۔ صاحبدلوں
شوقینوں۔ نازنینوں کے مُبارک ہاتھوں کا عصا بنتی ہے۔ یا اگر موٹی

سلہ ہنس مکھ رہنا موتیوں کا خزانہ بخشنے سے بہتر ہے۔ جب تک کہ تُو بجلی (یعنی خندہ
رُو) بن سکتا ہے تو کنیا وانی (اسوج وبھادوں کا) بادل مت بن۔

اور مجاری بھی ہو تو مندروں۔ مکانوں میں شہتیر کا کام دیتی ہے۔
رُکن دستون) کا مرتبہ پاتی ہے وغیرہ۔ ہر صورت اپنی پہلی (درخت والی)
حالت کی نسبت عروج اور ترقی پذیر ہوتی ہے۔ حالانکہ ٹیڑھی کو تنزل
اور تباہی نصیب ہوتی ہے۔ یہی حال صاف دِل پُرشوں کا ہے۔ اگر
اُن کو بظاہر کوئی شخص کلہاڑے کی طرح کاٹنے اور نقصان
پہنچانے بھی آئے گا۔ تو خوب یاد رہے کہ مسبب الاسباب چیتین دیو
انتریامی اُن کو پہلی حالت سے کٹوا کر بھی کسی نہایت اعلیٰ اور بلند
مرتبے تک پہنچائے گا۔ وہ کلہاڑا روپ زبردست دشمن منہ تکتا ہی
رہ جائے گا۔ اور یہ پاکیزہ طینت صاف باطن مہاشے ظاہر میں کٹ کر
معراجِ عالی پر چڑھ جائیگا۔

اے اہلِ دُنیا! سنسار کے جھمیلوں۔ اور جگت کے دھندوں میں
پھنس کر اس اصولِ کلی کو بھول مت جاؤ کہ حقیقی طاقت اگر ہے تو
صرف راستی۔ پاکبازی۔ اور ایمانداری میں ہے۔

[1] با صاف دِل مجادلہ با خویش دشمنی ست
سنگے زنی بر آئینہ بر خود ہمی زنی

شانتی اور صفائی میں صرف وہ لوگ ڈر اور خطرہ تصور کرتے ہیں۔
جنھوں نے کبھی اِس بارے میں تجربہ نہیں کیا

عزیزو! اہلِ باطن سے دریافت کرو۔ صاحب دِلوں سے پوچھو تو واضح ہوگا کہ
اُنکے عجیب وغریب تجربے نے امرِ ذیل کما حقّہٗ پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے۔

---

[1] صاف دِل آدمی کے ساتھ لڑنا اپنے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ شیشے پر پتھر مارنا
اپنے اوپر پتھر مارنا ہے۔

اگر ہمارا دِل کینہ کدُورت سے بالکُل پاک و صاف ہو تو دُنیا کی کوئی شئے ہمیں ضرر نہیں پہنچا سکتی ❖

شانتی اور آنند سے بھرے ہوئے سچے مہاتماؤں کے قریب غضب مجسّم اصحاب بھی پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ جنگل کے بھیڑیئے شیر وغیرہ اُنہیں دیکھ اُلفت زدہ ہو جاتے ہیں۔ سانپ بچھُو وغیرہ اپنے موذی پن کو بھُول جاتے ہیں ❖

لہ بر من از روشن دِلی وضع جہاں ہموار شُد
خار در پیراہن آتش گُلستاں می شوَد

اگر کوئی شخص در اصل نیکی سے بھرپُور نہ ہو اور گمان کر بیٹھا ہو کہ مَیں سراپا خیر ہُوں۔ بالفاظِ دیگر زرِ خالِص (سچا) نہ ہو بلکہ مُلمّع ہو۔ تو اُس کو آتِش اِمتحان سے ضرور نقصان پہنچے گا۔ مگر خالِص سونا تو آگ میں اَور بھی چمکے گا ❖

شیر جب شکار کو نکلتا ہے تو جنگل میں کھڑے ہوکر زور سے نعرہ مارتا ہے۔ نعرہ سُنتے ہی اِردگرد کے گیدڑ۔ ہرن وغیرہ چونک پڑتے ہیں اور مارے دہشت کے گھبرا کر خود بخود اپنے محفُوظ مقاموں کو چھوڑ اِدھر اُدھر دَوڑنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں شیر کی نظر بہت آسانی سے اُن پر پڑ جاتی ہے۔ اور وُہ شکار ہو جاتے ہیں۔ غریب جانوروں کے اپنی اپنی جھاڑیوں یا غاروں کو چھوڑنے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ نعرہ سُنتے ہی اُن کو گمان ہو جاتا

لہ صاف دِلی کی وجہ سے دُنیا کا رنگ ڈھنگ میرے آگے ایسے یکساں ہو گیا جیسے آگ کے لباس (یعنی آگ کے شُعلے) میں کانٹا گلستاں ہو جاتا ہے ❖

ہے کہ "آہ! ہم شیر سے پکڑے گئے! شیر ہمارے غار میں آ پہنچا۔
اور اپنی طرف سے بچاؤ کی خاطر وہ باہر دوڑ جاتے ہیں۔ لیکن
سلہ ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ؛
وہ بچاؤ کی صورت ہی ہلاک ہو جانے کا باعث بنتی ہے ؛ ٹھیک
یہی حال گھبرانے والے انسانوں کا ہوتا ہے۔ موہومہ چنگالِ بلا
سے بچنے کی خاطر طرح طرح کی تجویزوں میں وقت پڑے کھوتے ہیں
اور اپنی اپنی رائے پر فریفتہ ہوتے ہیں۔ لیکن
ے اجل کو جو طبیب اور مرگ کو اپنی دوا سمجھے
پڑیں پتھر سمجھ پر ایسی تم سمجھے تو کیا سمجھے
یہ تجویزیں ہی تباہی کے منہ میں ڈالتی ہیں ؛
سلہ ترک کوشش دامنِ منزل بدست آوردن است
راہِ خود را دور میسازی بہ کوشیدن چرا
سلہ دور بینی کور دارد مرد را ؛ ہمچو خفتہ در سراء کور از سراء

سلہ جو کچھ کہ ہم نے سوچا تھا وہ خود غلط تھا ؛
سلہ کوشش کا ترک کرنا منزل کا دامن حاصل کرنا ہے (یعنی طلبِ یار ہی بے چینی رکھتی ہے۔ جب یہ طلب یا خواہشِ وصل دور ہوتی ہے تب ہی انکشاف یعنی وصل نصیب ہوتا ہے) تو اس کوشش (یا ڈھونڈنے کی خواہش) سے اپنے راستے کو تُو کیوں دور کرتا ہے ؛
سلہ دور اندیشی آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے۔ جیسے کہ مکان میں سویا ہوا مکان سے اندھا بے خبر ہوتا ہے ؛

The worldling seeks pleasure fattening[1]
himself like a caged fowl
But the real saint flies upto the sun like
the wild crane.
The fowl in the coop has food but will soon
be boiled in the pot
No provisions are given to the wild crane,
but the heavens & earth are his

[2] ہرچہ در دنیاست بر آزادگاں آمد حرام ٭ خاطر جمع است در زیرِ فلک سامانِ ما

ایک رنگیلے مہاتما کو گنگا کنارے بیٹھا ہُوا دیکھا۔ ساتھ پانچ چھ آدمی اور بھی تھے۔ اچانک گنگا کی لہروں نے ٹھنڈے ٹھنڈے جل سے سب کے کپڑے تر بتر کر دیئے۔ اور پانی کے تھپیڑوں نے باقی سب کو وہاں سے اُٹھا دیا۔ وہ لوگ کپڑوں کے بھیگ جانے اور جاڑا لگنے کے باعث بڑبڑانے لگے۔ آہ اوہ شروع کیا۔ لیکن وہ مہاتما ویسے کا ویسا اپنے پتھر پر ڈٹا رہا۔ مزے سے مُسکرا رہا

[1] دُنیا دار (یعنی دُنیا میں دِل لگانے والا پُرش) دُنیوی مزے اور خوشیاں ڈھونڈتا ہے۔ اور قفس میں بند مُرغ کی طرح اپنے آپ کو موٹا تازہ کرتا رہتا ہے۔ لیکن سچا سنت مہاتما جنگلی سارس یا کُلنگ کی طرح سورج کی روشنی اور بلندی تک پرواز کرتا ہے۔ اُس پنجرے (ڈاپے یا کھانچے میں بند) کے مُرغ کو اگرچہ خوراک تو خوب ملتی رہتی ہے لیکن وہ جلد تر ہانڈی میں اُبالا جائے گا (برعکس اِس کے) جنگلی سارس کو خوراک وغیرہ تو (بے شک لوگوں سے) نہیں ملتی۔ لیکن آسمان و زمین ہر دو کا وہ مالک ہے۔ جہاں چاہتا ہے آزادی سے گھومتا پھرتا ہے ٭

[2] جو کچھ کہ دُنیا میں ہے وہ آزاد آدمیوں پر حرام ہے۔ آسمان کے نیچے ہمارا سامان دِل جمعی (دِل کی شانتی) ہے ٭

اور گا رہا تھا۔ "میری پیاری گنگا میری جان گنگا!" وغیرہ ٭

پیارے ناظرین! ذرا غور تو کرو۔ جن کو آپ ہولناک حادثے اور خوفناک صدمے تصور کیے بیٹھے ہو وہ فی الواقع "پیاری گنگا تمہاری جان گنگا" ہی کی رس بھری لہریں ہیں۔ اگر ہیں تو تمہارے عزیز ترین آتم دیو ہی کی کرتوتیں ہیں۔ پرماتما ہی کا مظہر ہیں۔ شکوہ کیسا؟ سب کے سب ڈراؤ نے امور اور جانکاہ واقعات صورت و شکل تو خنظل کی رکھتے ہیں۔ مگر بنے ہوئے مصری کے ہیں ٭

ے مصری کی تونبی رچی رنگ روپتا مانْہ
کھان لگیو جب بھرم تج۔ سو تب کڑوی نانہ

عالم خواب میں پرش فی الحقیقت آپ ہی آپ تو ہوتا ہے۔ لیکن تماشا یہ ہے کہ ادھر تو اپنی شانِ جزوی سے اپنے تئیں ایک فقیر یا امیر طالب علم یا وزیر دیکھتا ہے۔ ادھر اپنی ہی شانِ کُلی سے۔ شیر۔ بھیڑیا۔ شہر۔ دریا وغیرہ پیدا کر لیتا ہے۔ جن کو اُس وقت کے فرضی اپنے آپ سے جُدا تصور کرتا ہے ٭ جاگی ہوئی نگاہ سے دیکھیں تو خواب میں جس کو یہ اپنا آپ تسلیم کرتا ہے وہ بھی اس کا خیال ہے۔ اور جن کو اپنے سے جُدا مان کر اُن سے ڈرتا ہے۔ ہیبت زدہ ہو جاتا ہے وہ بھی اُسی کی مخلوق ہیں۔ آپ ہی بھیڑ ہے۔ اور آپ ہی بھیڑیا۔ آپ ہی پیر ہے اور آپ ہی کانٹا۔ ٹھیک یہی حال عالم بیداری میں ہے ٭

میرے ہی اپنا آپ طالب! جس کو تو عالم بیداری سمجھے بیٹھا ہے ہے در اصل یہ بھی خواب۔ گو ذرا بڑے پیمانے (سکیل) کا

خواب ہے۔ حقیقت کی رُو سے شخصیت (جیو) تیری مایا کی شانِ جزوی ہے۔ اور "وہ سارا جہان" تیری ہی مایا کی شانِ کُلّی ہے۔ تیرے حسبِ حال اشعارِ ذیل ہیں:۔

؎ باغِ جہاں کے گُل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں۔ اغیار ہیں تو ہم ہیں
دریائے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
گر وار ہیں تو ہم ہیں۔ وَر پار ہیں تو ہم ہیں
وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے وگر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں۔ مُختار ہیں تو ہم ہیں
میرا ہی حُسن جگ میں ہر چند موجزن ہے
تس پر بھی تیرے تشنۂ دیدار ہیں تو ہم ہیں

اور جب یہی معاملہ ہے کہ جن سے سابقہ پڑے وہ تیرے ہی مُرُوپ ہیں۔ تیرا ہی ظہور ہیں۔ تو

؎ پھیلا کے دامِ اُلفت گھِرتے گھِراتے ہم ہیں
گر صید ہیں تو ہم ہیں۔ صیّاد ہیں تو ہم ہیں
اپنا ہی دیکھتے ہیں ہم بند و بست یارو
گر داد ہیں تو ہم ہیں۔ فریاد ہیں تو ہم ہیں

پھر تُرش رُوئی اور تند خُوئی سے واسطہ؟

؎ کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم | تنہا آپ ہی ایک سو گئے ہم
جُوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی | ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

راقم کے پاس اِس وقت ایک تصویر پڑی ہے۔ اس میں ایک شکاری

تیر کمان ہاتھ میں لئے مشست باندھے کھڑا ہے۔ سایہ دار درخت کے نیچے ہرے ہرے لمبے گھاس میں سبز سبز پتّیوں اور زرد رنگ کے نرم نرم جنگلی پھولوں کے درمیان ہرن کی چمکتی ہوئی آنکھ دیکھ کر اس کا نشانہ کر رہا ہے۔ ہائے ظالم! آن کی آن میں بیچارے ہرن کو مار لیگا۔ اے آہوئے رمیدہ زندگانی! مت گھبرا۔ مت ڈر۔ پرواہ نہ کر۔ اے وحشئ خوابیدہ بخت! جاگ تو سہی۔ تُو ہے کون؟ کیا تُو ہرن ہے؟ نہیں۔ ہرن تُو "تجھے ہرن کہنے والے" کے ذہن میں ہوگا۔ تُو تو کاغذ ہے کاغذ۔ اور بہ حیثیت اپنی ذاتِ کاغذ کے تُو ہی صیاد ہے تُو ہی تیر ہے۔ تو ہی مہلک شوفار ہے۔ تجھے کس کا ڈر؟ کیا خطرہ؟ کہاں کا اندوہ؟ کاہے کا غم؟

ے بگڑے تب جب ہوئے کچھ بگڑن والی شئے

اکال اچھید ابھنگ کو کون شخص کا بھئے

کون شخص کا بیھے۔ یتدھی یہ جس نے پائی

بس کے ڈھنگ ولگیری نہیں کداچت آئی

اے حضرتِ انسان! حیران ہونا تیری شان سے بعید ہے۔ تُو اپنے جسم و اسم کی تہ پر نظر ڈال۔ اپنے حقیقی اپنے آپ کو تُو جان۔ جس سے تو ڈرتا ہے وہ تُو ہی ہے۔ جس سے تُو خوف کھاتا ہے تُو ہی ہے اگر نظر ظاہر بین سے تُو مظلوم اور حقیر ہے تو از رُوئے باطن با ہمہ رُعب و صَولت شاہنشاہِ عالیجاہ بھی تُو ہی ہے۔ اپنے ہی رُعب و صَولت سے سراسیمہ مت ہو۔ آگ اپنی گرمی سے خود نہیں گھبرایا کرتی۔ سب تیرے ہی تجلّیات ہیں۔ اُن سے مت ڈر۔ لا دھڑک ہو جا ۔:

हन्ता चेन्मन्यते हन्तुं हतश्चेन्मन्यते हतम्। [1]

उभौ तौ न विजानीतो नायं हन्ति न हन्यते॥ (کٹھ اُپنشد ۱-۲-۱۹)

If he that slayeth thinks I slay; if he [1]
Whom he doth slay, thinks 'I am slain', then both
Know not aright! That which was life in each
Cannot be slain nor slay! [2]

नैनं छिन्दन्ति शस्त्राणि नैनं दहति पावकः।

न चैनं क्लेदयन्त्यापो न शोषयति मारुतः॥ (بھگوت گیتا ۲-۲۳)

I say to thee, weapons reach not the Life; [2]
Flame burns it not, waters cannot o'erwhelm,
Nor dry winds wither it.

اِس تصویر میں صیّاد نے جسے ہرن سمجھا ہے وہ تو خود ترلوکی ناتھ شیام سُندر بھگوان کرشن چندر ہے ÷ یہ چمکنے والی ہرن کی آنکھ نہیں یہ تو کرشن پرماتما کے چرن کا پدم ہے ÷ یہ صید نہیں۔ یہ تو ہر ایک کے مُرغِ دِل کو صید کرنے والا صیّاد۔ اَجل کی خبر لینے والا بہ نفسِ نفیس پیتامبر اوڑھے آرام میں ہے ÷ پیارے! لوگ تجھے صید سمجھتے ہیں تو

[1] اگر قاتل خیال کرتا ہے کہ "میں مارتا ہوں" یا اگر مقتول یہ وہم کرتا ہے کہ "میں مارا گیا ہوں" وہ ہر دو ٹھیک نہیں جانتے۔ کیونکہ ان ہر دو میں جو اصل زندگی (ذاتِ حق) ہے۔ وُہ نہ کسی کو مارتی ہے اور نہ کبھی ماری جا سکتی ہے ÷

[2] میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اِس آتم دیو (ذاتِ حق) کو نہ یہ ہتھیار کاٹ سکتے ہیں۔ نہ اُسے آگ جلا سکتی ہے۔ نہ پانی بھگا (گلا) سکتا ہے۔ اور نہ اُسے ہوا ہی سُکھا سکتی ہے ÷

کیا؟ کوئی تجھے ہرن کہتا ہے تو کیا؟ تجھے برہمن۔کھتری۔امیر یا فقیر تصور کرتے ہیں تو کیا؟ تُو تو اپنی ذات بابرکات میں خود کرشن پرماتما معبودِ ہر دو جہاں ہر رنگ میں جلوہ فشاں ہے ؎

यतश्चोदेति सूर्योऽस्तं यत्र च गच्छति। (کٹھ اُپنشد۔ ۲۔۱۔۹)
तं देवाःसर्वेऽर्पितास्तदु नात्येति कश्चन। एतद्वैतत्॥९॥

ترجمہ: ”جس میں سے آفتاب طلوع ہوتا ہے اور جس میں غروب ہوتا ہے۔جس میں تمام ملائک داخل ہوئے۔جس سے کوئی جُدا نہیں۔یہ آتما وہی ہے“ ؎

He is the unseen Spirit which informs[1]
All subtle essences! He flames in fire,
He shines in Sun and Moon, Planets & stars!
He bloweth with the winds, rolls with the waves,
He is Prajâpati, that fills the worlds.

سہ رام تُو ہیں۔تو ہی کرشن ہیں۔تُو ہی دیون کو دیو
تو ہی برہما شو شکتی تو‌ں تُو ہی سیوک تُو ہی سیو
تُو ہی سیوک تُو ہی سیو تُو ہی اِندر تو ہی شیش
تُو ہی ہوئے سب رُوپ۔کیو سب میں پرویش

---

[1] وہ (ذات) نہ نظر آنے والی آتما ہے (یعنی وہ دیدِ جسمانی سے مُبرّا ہے) جو تمام سوکھشم (لطیف) تتوں میں پرویش کرتی ہے (یا رم رہی) ہے۔وہ آگ کے اندر شعلہ زن ہے۔سورج چاند سیاروں اور ستاروں میں وہ چمکتی ہے۔ہواؤں کے ساتھ وہ چلتی (بہتی) ہے۔لہروں کے ساتھ موجزن ہوتی ہے۔وُہ ہی ذات پرجاپتی ہے جس سے یہ تمام سنسار بھرا ہُوا (ویاپت) ہے ؎

کے گردھر گوی راسے پُرش تُوہی تُو ہی رام
تُو ہی لچھمن تُو ہی بھرت سترگھن سیتا رام

ے خدا ہی کہتا ہے جسکو عالم سو وہ بھی ہے اِک خیال میرا
بدلنا صورت ہزار ڈھب سے ہر ایک دم میں ہے حال میرا

کہیں ہُوں سورج۔ کہیں ہُوں ذرہ۔ کہیں ہُوں دریا کہیں ہُوں قطرہ
وُہ کثرت سے اپنی مجھ کو ہُوا ہے رلنا محال میرا

طلسم اسرارِ گنج مخفی۔ کہوں نہ سینے کو اپنے کیونکر
عیاں ہُوا حالِ ہردو عالم ہُوا جو ظاہر کمال میرا

حجابِ خورشید ذاتِ معنی ہُوا ظہورِ نمودِ صورت
مٹا جو دُنیا سے نام آدم ہُوا ہے مجھکو وصال میرا

لہ شنیده ام بصنم خانه از زبانِ صنم ÷ صنم پرست و صنم ہم صنم شکن ہمہ اوست
ٹہ ایمانِ عالم از رخِ نورانیٔ ویست ÷ کفرِ جہاں ز طرۂ زلفِ دوتائے اوست

معترض۔ (۱) تم کہتے ہو کہ آدمی مُردے کی طرح ہو جائے۔ بالکل جڑ ہوکر آلسی ہو۔ کوئی کچھ کہہ دے۔ آگے سر ہی نہ ہلائے ÷ ایسا علم اخلاق سیکھنے سے تو سنکھیا کھا لینا ہی بہتر ہے ÷

(۲) اکثر اوقات ہمیں ہتھیلہ (ڈیوٹی) مجبور کرتی ہے کہ ہم ضرور خفگی ظاہر کریں۔ اگر تمہاری نصیحت مان جائے تو ڈیوٹی (ہتھیلہ) کے خیال (سمت) کو بھی برطاق رکھنا چاہیئے۔ اور بے عزت ہو کر دن کاٹنے چاہئیں ÷

لہ میں نے بُت خانہ میں بُت کی زبان سے یہ سُنا ہے کہ بُت پرست اور بُت اور بُت شکن سب وُہی ہے
ٹہ اُس کے نورانی چہرہ (پرکاش سروپ) کی وجہ سے جہان کا ایمان ہے اور اُس کی زلفِ دوتا کے طرہ سے جہان کا کفر ہے ÷

(۴) ڈاروِن (Darwin) وغیرہ ایسے سائنس کے مشہور نکتہ رسوں کی تحقیقات نے یہ امر حیطۂ اعتراض سے باہر پہنچا دیا ہے کہ ترقیٔ دُنیا struggle for existence (جد برائے زندگی) اور Survival of the fittest (بقائے لائق ترین) پر مبنی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ نہ صرف جدّ و جہد بلکہ جنگ و جدل لازمی ہے Evolution (صعُودِ عالم) کے لئے ٭ لیکن تمہارا معقولہ سائنس کے اِس تیز رَو کے بھی مخالف چلنا چاہتا ہے۔ اُلٹی گنگا بہاتا ہے (اِس سوال کا جواب صفحہ ۲۸۷ پر دیکھیں)

راقم:۔ (ا) ہم تو کہتے ہیں کہ ویدانت سنکھیا ہی کھلاتا ہے۔ لیکن یہ وُہ سنکھیا ہے جو پاپ رُوپی جذام (leprosy of sin) کو دُور کر دے۔ یہ وُہ زہر ہے جس کو کھانے والا شُو (مُردہ) نہیں بلکہ شِو شنکر (نیل کنٹھ) بن جاتا ہے ٭ یہ وُہ سُستی ہے جس پر دُنیا بھر کی چُستی قُربان کردی جائے۔ اگر کسی کو ویدانت جڑتا اور آلس لانے والا (کاہل آور) معلُوم ہوتا ہے تو اِس کے یہ معنی ہیں کہ چیتن گھن (وُفورِ نُور و سُرُور) رُوپی ویدانت کو اُس کی آنکھ کے ساتھ وُہی نسبت ہے جو آفتابِ جہاں تاب کو چلنے والے نشاچروں کی آنکھ کے ساتھ ہُوا کرتی ہے یعنی اُن جانوروں کی بینائی کے ساتھ جو اندھیرے کے عادی ہیں ٭

لہ وفورِ جلوہ ہم یکسر حجابِ جلوہ ہست اینجا
نقابے نیست دریا را مگر طُوفانِ عُریانی

لہ سراسر جلوۂ نُور کی زیادتی ہی یہاں نُور کا حجاب ہے۔ سوائے عُریانی کے طُوفان کے دریا کو کوئی پردہ نہیں (دریا کی لہروں کا اظہار ہی اُس کو ڈھک دیتا ہے جیسے سُورج کا تیج دوپہر کے وقت سُورج کو چُھپا دیتا ہے) ٭

مانا کہ ویدانت کے گرنتھوں میں اِس قسم کے شلوک ہیں۔ جیسے

व्यापारे खिद्यते यस्तु निमेषोन्मेषयोरपि।

तस्यालस्य धुरीणस्य सुखं नान्यस्य कस्यचित् (اشٹاوکر گیتا-۱۶-۴)

ترجمہ:- جس کا دِل کاروبار سے اس قدر اُٹھا ہُوا ہے کہ اُس کے لئے آنکھ میچنے اور کھولنے کا فعل بھی ناگوار گزرتا ہے اُس (ظاہراً سست) عارف کو حقیقی سرور حاصل ہے اور کسی کو بھی نہیں ؛

"کاروبار سے دِل اُٹھنے" سے مُراد شعرِ ذیل کی طرح موت نہیں ہے

سے بقدر ہر سکوں راحت بود بنگر تفاوت را

دویدن ۔ رفتن ۔ استادن نشستن ۔ خفتن و مُردن

جس کتاب میں یہ شلوک بالا دیا ہے اُس پُستک میں ایک اور شلوک کاروبار سے دِل اُٹھنے کا مطلب واضح کر دیتا ہے ؛

निर्ममो निरहंकारो न किंचिदिति निश्चितः।

अन्तर्गलित सर्वाशः कुर्वन्नपि करोति न ॥१९॥

اشٹاوکر گیتا ۱۷-۱۹

ترجمہ:- "جس پُرش نے ماؤ منی کو رفع کر دیا ہے (یعنی اِس پندار کو کہ "یہ میں ہُوں۔ یہ میرا ہے" دفع کر دیا ہے) جس کے دِل میں یہ یقین جم گیا ہے کہ جو کچھ دیکھنے سُننے میں آتا ہے صرف خیال ہی خیال ہے۔ جس کے اندر تمام خواہشات دُور و کافور ہو چُکی ہیں۔ وُہ مَرد ہے جو

سے ہر سکون (ٹھہراؤ) کے موافق آرام ہوتا ہے۔ تُو اُس فرق کو دیکھ۔ دوڑنا۔ چلنا کھڑا ہونا۔ بیٹھنا۔ سونا اور مرنا (اِن تمام حالتوں کے درمیان جو عالمِ سکون واقع ہوتا ہے اُس کے فرق کا ملاحظہ کر)۔

حقیقتاً کچھ بھی نہیں کرتا دگو بظاہر فعل کرتا بھی نظر آوے)+

مزدور قلی بیچارہ دن بھر بازاروں میں پتھر کوٹتا ہے یا اور کسی قسم کی محنتِ شاقہ جھیلتا ہے۔ اور مارے مشقت کے جسم کو پسینہ پسینہ کر کے اپنا گذارہ کرتا ہے۔ بڑا کام کرنے والا ہے + حاکم اعلیٰ نہ سڑک پر روڑی کوٹتا ہے۔ نہ مسافروں کا اسباب اٹھاتا ہے۔ نہ کھیت میں جا کر ہل چلاتا ہے۔ نہ کوئی اور جسمانی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ صرف زبان ہلا چھوڑتا ہے۔ یہ بالکل نکما اور سست ہے +

ناظرین! جیسے یہ دلیل پوچ ہے۔ ویسے ہی ویدانت نِشٹھ گیان وان کو اوروں کی طرح بات بات پر ہراساں اور پریشان ہوتے نہ دیکھ کر یا اُس کا جسم خموش و بیکار رہتے دیکھ کر یہ کہنا کہ ویدانت نکما اور سست کر دیتا ہے سراسر بے معنی ہے۔ جوں جوں رتبہ بلند ہوتا جاتا ہے بعضاءِ کثیف سے کام لینا کم ہوتا جاتا ہے۔ حاکم اعلیٰ مزدوروں کی طرح ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا۔ صرف زبان (عضوِ لطیف) ہلاتا ہے۔ لیکن اُس کے احکام ہزاروں مزدوروں کو تگ و تاز میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح سچا مہاتما ست سنکلپ (مسمریزم کی جان۔ اور میگ نے ٹزم کے پران۔ لارڈوں کا لارڈ) جس کے "خیال ہی" میں دنیا قائم ہے۔ تفکراتِ دنیوی کی باربرداری کرنا تو کجا خواہ زبان بھی نہ ہلائے۔ اُپدیش بھی نہ کرے۔ لیکن اُس کا ست سنکلپ (حکمِ باطنی) ہی سینکڑوں ہزاروں اعلیٰ حاکموں کے دلوں زبانوں اور جسموں کو دوڑ دھوپ میں ڈال دیتا ہے۔ اب خواہ اُسے "جڑ موک آلسی" کہو۔ خواہ "چیتن گھن اِنرجی (Energy) کا منبع و طاقت کا جوہر" کہو۔ پیارے معترض!

جا کر ایک دفعہ ادویت نِشٹھ مہاتما کے درشن تو کرو۔ پھر دیکھتے ہیں تمہارے اعتراض کہاں جاتے ہیں؟ یہ وہ شخص ہے جس کی نورانی پیشانی پر ماہتاب کی طرح روشن حروف میں لکھا ہے "یہاں اس کا پوجن کرو!" ﴿ وہی ~~برہم~~ (معبودِ جہاں) ہے۔ (کین اُپنشد)

سلہ منعم کنی ز عشق وَے اے مفتیِ زماں

معذور دارمت کہ تو اورا ندیدۂ ﴿

سلہ دل ڈھیر بنجاروں کے لگاتا ہے تھا ہیں

اُڑ جاتے ہیں خورشید ساجب رُو نظر آیا

(۲) کیا سچ مچ ڈیوٹی اس بات کی مقتضی ہوا کرتی ہے کہ ہماری طبیعت درہم برہم ہو؟

جہاں تک راقم کا خیال ہے ہرگز نہیں! البتہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب عورتیں یا مرد لڑ جھگڑ رہے ہوں۔ اور چاہے کسی فریق سے باعثِ غضب دریافت کیا جائے تو یہی جواب ملیگا کہ "مخالف فریق نے ایسا کیوں کیا؟ یا ویسا کیوں نہ کیا؟" جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ رنج و غصّہ کا سبب "اپنے نفس سے عیب کا سرزد ہو جانا" تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ہاں اگر دوسروں کی طرف سے ادائے فرائض میں کوتاہی واقع ہو تو جھٹ پٹ شعلۂ غضب بھڑک اٹھتا ہے۔ پس کیسی ہنسی کی بات ہے کہ اپنی ڈیوٹی تو نہیں اوروں کی ڈیوٹی صاحبان تنگ مزاج کو چارہ رنج و محن میں ڈالے۔

لہ اے زمانہ کے قاضی! مجھی کے (پرمیشور کے) عشق سے تو مجھ کو منع کرتا ہے جا! میں تجھ کو معاف کرتا ہوں۔ کیونکہ تو نے اس (پرماتما) کو نہیں دیکھا ہے ﴿

بروِ بکارِ خود اے واعظ ایں چہ فریاد است
مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتاد است

گر ہم نے دل صنم کو دیا پھر کسی کو کیا؟
اسلام چھوڑ کفر لیا پھر کسی کو کیا؟
ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک
آپ ہی سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا؟

"نہیں صاحب بعض موقعوں پر اپنی ڈیوٹی بھی مجبور کرتی ہے کہ ہم بھنویں چڑھائیں۔ آنکھیں دکھائیں۔ اور دھمکی سے ڈرائیں" ؎ راقم کا اِس میں یہ کہنا ہے کہ "شانتی سے کام لینا اور طبیعت پر قادر رہنا" کیا یہ خود تمہاری اعلیٰ ڈیوٹی (فرض اولے) نہیں ہے؟ اگر لڑائی (امتحان) کے موقع پر ہتھیار سے کام نہ لیا تو اُس کا فائدہ ہی کیا؟ اگر برآشفتہ اور برانگیختہ کرنے والے وقتوں پر شانتی کو نہ برتا۔ تو اِس سریشٹھ دھرم (شانتی) کو برتنا ہی کس موقعہ پر ہے؟ ؎ آگے پیچھے تو ہر ایک آدمی شانت رہتا ہے۔ لیکن دھراتما وہی ہے جو دل کو ہلا دینے والے موقعوں پر طبیعت کو قابو میں رکھے۔ رنج وغصّہ کو دخل نہ پانے دے ؎

ظفر آدمی اُس کو نہ جانئیے گا۔ گو ہو کیا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی۔ جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

جب کوئی سوشیل (ساماجک) خانگی پولیٹکل یا ریلیجس (مذہبی) ڈیوٹی

سلہ جا اے واعظ اپنا کام کر یہ کیا شور ہے؟ میرا دل (اپنے پیارے کے عشق میں) ہاتھ سے نکل گیا ہے بھلا تیرا اس میں کیا گیا ہے؟ ؎

اِس قسم کی پیش آجائے جو آپ کو تنگ و ترش ہونے پر مجبور کرتی ہو۔ تو یقیناً جان لو کہ اُسے ڈیوٹی (فرض) سمجھنا تمہاری غلطی ہے۔ اور تمہارے سماج (سوسائیٹی) خاندان، ریاست یا مذہب کا وہ جزو جو ایسی ڈیوٹی سے تعلق رکھتا ہے ضرور اصلاح طلب ہے۔ {وہ رسُوات جو تمہارے کڑھنے اور پُر ملال ہونے کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ رسُومات تمہارے لئے ناجائز ہیں۔ اُنکی پیروی کرنا تمہارا فرض نہیں ہے۔ شیر بنو! اور ایسے جُوئے کو بے دریغ سر سے اُتار دو۔ اِس بات کی ذرا پروا نہ کرو کہ سالہا سال سے یہ رواج چلا آتا ہے۔}

معلّم لوگوں کا یورپ میں اور ایشیا میں کئی صدیوں تک یہ خیال رہا کہ از روئے ڈیوٹی (فرض) تعلیم بچوں کے اندر گھسیڑنے کے لئے بلا تحاشا اُنکا چمڑا اُدھیڑنا مناسب ہے۔ "بید کو بچاکر رکھنا بچے کو بگاڑنا ہے"

"If you spare the rod, you spoil the child"

لیکن آج پورے طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا خیال بالکل خام تھا۔ بچوں کو خواہ بوڑھوں کو اگر ہم فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو غصے سے نہیں۔ محبت ہی سے پہنچا سکتے ہیں۔ تعلیم و تعلّم کی قلمرو میں Sacrament of the rod (عہدِ تازیانہ) کی جگہ sacrament of love (عہدِ محبت) لانے کی تجاویز ہو رہی ہیں۔ بچوں کے واسطے Kindergarten (گلستانِ اطفال) کئی جگہ جاری ہو گیا۔ اور باقی مقاموں پر آہستہ آہستہ چل جائیگا۔

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ طرح طرح کی رسُومات اور رواج رُوئے

زمین پر باد بگولے کی طرح آتے رہتے ہیں۔ اور پھر دفع ہو جاتے ہیں۔
ایک دن غلاموں کا رکھنا سب جگہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اب اُسے
اوّل درجے کی رسم قبیحہ ہی نہیں بلکہ گناہ مان کر بند کیا گیا ہے۔
اسی طرح ستی ہونا۔ ٹھگی وغیرہ ایک وقت جائز تھے۔ اب ناجائز ہیں۔
پس:- [1] "Our little systems have their day
Have their day and pass away
All are broken lights of Thee
And Thou, O Lord, art more than they
(Tennyson)

تغیّر پذیر اور ناپائدار دُنیوی رسومات کے ماتحت ہو کر حقیقی ترقی کو روک دینا اور رُوح کو دھبّہ لگانا اپنی energies (طاقت) کو ضائع کرنا ہے۔ اصلی برہم چریہ کو کھونا ہے۔ اور چنتامنی رُوپی رتن سے کوّے اُڑانے کا کام لینا ہے۔

مویشیوں کے اکثر سوداگروں کے ہاں یہ دستور ہے کہ ایک بہت موٹا اور لمبا رسّا پھیلا کر اُسکے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی رسّیاں پھندوں کی صُورت میں گانٹھ دیتے ہیں۔ اور چھوٹی رسّی کا ایک پھندا ایک چوپائے کے گلے میں۔ دُوسرا دوسرے چوپائے کے گلے میں ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذاالقیاس۔ اسی طرح کئی مویشی ایک ہی لمبے

[1] ہمارے چھوٹے چھوٹے ناچیز نظام (مثل نظامِ فلکی) اپنے اپنے دن گذار کر (یا اپنا دورہ و زمانہ ختم کرکے) گذر جاتے ہیں۔ یہ سب (اے ذاتِ حق) تیری ہی شکستہ تجلّیات ہیں۔ اور اے الیشور! تو اُن سب سے زیادہ (اعلیٰ) ہے۔

رسّے کے ساتھ قابُو میں رکھے جاتے ہیں۔ رگ وید کی ایتریہ ارنیکا میں لکھا ہے:

तस्य वाक्तन्तिर्नामानि दामानि तदस्येदं वाचा तन्त्या।
नामभिर्दामभिः सर्वं सितं सर्वं हीदं नामनीति॥ (دوسرا ادھیائے۔۱۔۶۔۱)

مطلب "اُس (پران کے ہاتھ میں) کلام کا ایک لمبا رسّا ہے۔ اور اسماء پھندے ہیں پس کلام کے رسّے اور اسماء کے پھندوں کے ساتھ یہ سب کچھ باندھا ہُوا ہے۔ کیونکہ کُل اشیاء نام ہی نام تو ہیں" ؛

جب کوئی شخص اپنا نام پکارا جاتا سُنتا ہے۔ تو جھٹ پٹ اُدھر کو کھینچا جاتا ہے۔ گویا گلے کے پھندے کے ذریعے گھسیٹا جا رہا ہے۔

سلہ رشتہ در گردنم افگندہ دوست ؛ میکشد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

ایک اور مقام پر اُپنشد میں آیا ہے ؛

अन्योऽसावन्योऽहमस्मीति न स वेद। यथा पशुरेवं[2] स देवानाम्॥ (برہدارنیک اُپنشد۔ ادھیائے پہلا برہمن ۴۔ منتر ۱۰)

اُسی کے موافق بھگوان شنکر نے لکھا ہے ؛

अन्योऽसावहमन्योऽस्मीत्युपास्ते योऽन्यां देवताम् —
न स वेद नरो ब्रह्म स देवानां यथा पशुः।

سلہ میری گردن میں دوست نے تعلق (سمبندھ) کی رسّی ڈالدی ہے۔ اب جو جگہ اُس کے دل پسند ہے مجھے وہاں لیجاتا ہے ؛

(۲) اب جو دیوتاؤں کی اِس سمجھ سے اُپاسنا کرتا ہے کہ وُہ دیوتا (اُپاسیہ) اَور ہے۔ اور میں (اُپاسک) دُوسرا (علیحدہ) ہُوں۔ وُہ مطلقاً کچھ نہیں جانتا۔ بلکہ وُہ (اُپاسک) دیوتاؤں (اُپاسیہ) کے پشُو کی طرح ہے ؛

ترجمہ:۔ "میں اَور ہُوں اور یہ اَور ہے"۔ یہ خیال کر کے جو اَور (اپنے سے جُدا) دیوتا کی اُپاسنا (دھیان) کرتا ہے وہ شخص برہم کو نہیں جانتا ہے۔ وُہ دیوتاؤں کے لئے بالکل پشو (چوپائے) کی مانند ہے"۔

جب تک آدم زاد بہت چھوٹا ہوتا ہے آزاد رہتا ہے۔ مست پھرتا ہے۔ دُودھ کی دو ندیاں اُس کی خاطر جاری ہیں۔ بہشت میں بُود و باش کرتا ہے۔ اِدھر گندم کا دانہ کھانا شروع کیا۔ بدن کو ڈھانکنا سیکھا۔ تمیز کے درخت کا پھل چکھا۔ "یہ اور ہے میں اور ہُوں" کی پٹی پڑھی۔ اُدھر حجٹ نام قوم وغیرہ کا پھندا گلے میں پڑا۔ طوقِ غلامی میں گرفتار ہُوا۔ چو پایوں کی طرح قید میں پھنسا۔ بندھن پڑ گئے۔ اور ڈیوٹی گردن پر سوار ہُوئی۔ جو ذرا دم نہیں لینے دیگی۔ دے چابک پر چابک جڑتی جائیگی۔

سندھیا پُوجا کے لئے وقت نہیں بچا۔ کیا کریں۔ دھندے نہیں چھوڑتے۔ ڈیوٹی بڑی زبردست ہے! آج نہانے کے لئے ٹائم (وقت) نہیں ملا۔ ڈیوٹی (فرض)!

دفتروں میں پنہاری کی طرح چکّی رگڑتے رہے۔ گھر میں وُہی دفتر کا کام موجود ہے۔ ست سنگ کی فرصت کہاں؟ ڈیوٹی (فرض)! لڑکی یا لڑکے کا بیاہ ہے۔ اخراجات پُورے کرنے کو مکان گرو رکھنے کی فکر رات دِن دامنگیر ہے۔ ڈیوٹی!

اے خوشامد۔ فریب۔ دھوکا۔ رشوت! تم ہی مجھے اپنی پناہ میں لو اور بے زری کی بے آبرُوئی سے بچاؤ! ڈیوٹی! تمنائے دولت و عزت کی چوٹیں سہتا رات دِن گیند کی طرح لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کا نام

ڈیوٹی (فرض) رکھا ہُوا ہے ؛

ہائے حقیقی ڈیوٹی (فرض)! آہ۔ تیرا نام لیکر طرح طرح کی
بُرائیاں میرے پیاروں کا خُون پی رہی ہیں۔

سے گنگا! اُٹھو کہ نیند میں صدیاں گُذر گئیں
بچّوں کے سر پہ تیز سی ندّیاں گُذر گئیں
کیا خوفناک خواب ہے پُر درد حال ہے
نیکی کی رُوح و جان پہ بدیاں گُذر گئیں

میرے عزیزو! یہ دُنیوی ڈیوٹی (فرض) تُم پر ایسے پڑی ہے جیسے
صبح کے وقت بچّوں پر گرم لحاف۔ اوّل تو گرم لحاف بچّوں کی آنکھ
کُھلنے نہیں دیتا۔ اگر وہ جاگ بھی پڑیں تو بوجھل ہونے کے باعث اُنکو
اُٹھنے نہیں دیتا۔ اور اُنکی آواز کو بھی بند muffled کر رکھتا ہے۔
ماں کے کان تک پہنچنے سے روکتا ہے ؛ پیارے! یہ میٹھی نیند کڑوے
خواب لا رہی ہے۔ لحاف کو اگر اپنے آپ اُٹھا نہیں سکتے تو زور سے چلّاؤ۔
کسی نہ کسی طرح سے اپنا نالہ جگدمبا (ماں) برہم (ودیا) تک پہنچاؤ۔ تمہاری
پیاری ماں (دھرتی بھگوتی) اُٹھا کر تمہیں چھاتی سے لگائے گی۔ اور امرت
روپی (تقویت بخش) دُودھ (گیان) پلائے گی ؛

اُس دیش کے باشندے جہاں کی لڑکیاں (ساوتری) اپنی
پاکبازی کے زور سے ملک الموت کے چنگال سے پُرش کو چُھڑا کر لاتی
تھیں اور جہاں کے لڑکے (نچکیتا) خاص موت کے مُنہ سے خالص
آبِ حیات نکال کر لاتے تھے۔ پیارے بھارت واسی! ذرا غور کر کے
بتا کہ تُو اپنے تئیں امر (موت پر فتح مند) پاتا ہے کہ مر جانے والا؟

تیرے اندر وفورِ سُرور (آنند ہی آنند) ہر وقت جلوہ افزا رہتا ہے کہ غم و غصہ کی تاریکی چھائی رہتی ہے؟ تیرے اندر لا انتہا طاقت دِکھتی نظر آتی ہے کہ سڑتی ہوئی کمزوری کی بُو آتی ہے؟ اگر تُو محتاج دُکھیا اور کمزور ہے تو یہ پاپ کا نتیجہ ہے کہ تُو برہم ہتّیا کر رہا ہے۔ بُدّھی (عقل و فکر) رُوپی گئو کو دُنیوی خواہشوں (قصائیوں) کے ہاتھ بیچ رہا ہے۔ ناپائدار تمنّاؤں کی غلامی کو ڈیوٹی (فرض اولے) مان کر لٹّو مالش کے قید خانے میں نوکری ڈھو رہا ہے۔

ڈیوٹی کے لفظی معنے کیا ہیں؟ "جو ہمیں کرنا چاہیئے۔ فرض" کیا فلاں شخص جو کہتا ہے وہ بجانا چاہیئے؟ یا فلاں دستور یا رسم جو حکم دے وہ بجالانا چاہیئے؟ آخر کیا کرنا چاہیئے؟ اگر دولت کی چاہ ہے تو نوکری کرنی چاہیئے۔ اگر لوگوں کی ہوائی واہ واہ کی چاہ ہے تو شادی کرنے پر قرض اُٹھانا چاہیئے۔ اگر تن آسانی کی چاہ ہے تو اِستری پُتر کی محتاجی چاہیئے۔ جانِ من! "چاہیئے" کا پالان پیٹھ پر تب تک پڑ سکتا ہے جب تک ٹٹّو بنانے والی چاہ (ہوس) اندر رہتی ہے۔ اِس چاہ کو مٹانا چاہیئے۔

؎ سبکو دُنیا کی ہوس خوار لئے پھرتی ہے۔ کون پھرتا ہے یہ مُردار لئے پھرتی ہے

؎ چاہ چُہاری چُوہڑی اَت نیچن کی نیچ۔ تُو تاں پُورن برہم ہیں جے چاہ نہووے بیچ

تمام بیرونی فرائض تیری ہی 'چاہ' پر قائم ہیں۔ یہ چاہ تو وہ زنِ فاحشہ ہے کہ بدنِ انسان کو اپنا اندام بناکر کبھی کہیں بد فعل کراتی ہے کبھی کہیں۔ یہ 'چاہ' ہی چاہِ ادبار میں گراتی ہے۔

اے عزیز! اگر تیری کوئی ڈیوٹی ہے۔ اگر تجھ کو کچھ کرنا چاہیئے تو وہ یہ ہے کہ اس "چاہیئے" سے پلّہ چھڑا۔ اس چاہ کے دھبّہ کو مٹا۔ تجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ تیری قسم! تُو تو نشچیہ ترپت (سیر کام) ہے۔ وہم میں پڑکر گدیہ گر اور مفلس کیوں بن رہا ہے؟ اگر تیرا کوئی فرض ہے تو یہ ہے کہ اپنے دبے ہوئے خزانے کو نکال۔ اور اپنی شاہنشاہی کو سنبھال۔ باقی تمام فرض صرف تیرے فرض کئے ہوئے فرض ہیں۔

سہ چاہ گھٹی چنتا گئی۔ منوا بے پرواہ
جن کو کچھو نہ چاہیئے سو شاہن پتی شاہ

دنیا کی آنکھ میں خواہ راجہ یا ستارۂ ہند بھی کہلالو۔ لیکن جب تک خواہشوں کے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے تمہارے نہیں اترتے اور چنتا (تفکرات) کے سوکھے ٹکڑے تمہارے پیٹ میں پیچش ڈال رہے ہیں۔ جب تک تم نے سوراجیہ (سلطنتِ ذات) کو نہیں سنبھالا اور غلام نفس بنے ہوئے ہو۔ تب تک تم عزّت دار کاہے کے؟ خواہش کو چھوڑنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ مُردے کی طرح بے حس وحرکت ہو جاؤ۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ باغِ عالم میں بجائے اوسنے فردہ بن کر زندگی بد مزا کرنے کے اپنی حقیقی شوکت و عظمت کے ساتھ سیر کرو۔ اس طرح جو کام تمہارے جسم سے وقوع میں آئے گا لطافت سے بھرا ہُوا (graceful) ہوگا۔ سلطان ابرُو کے اشارے سے کچھ کا کچھ کر سکتا ہے۔ پر سہمے ہوئے غلام غریب سے تو کیا بن پڑتا ہے؟

دُنیا کے اور سب مضمون تمہارے اختیاری (optional) ہیں اگر کوئی لازمی (compulsary) مضمون ہے تو سب خواہشوں کو مٹانے والی برہم وِدیا کا حاصل کرنا ہے۔ اے سہ چند مبارک (thrice blessed)! تیری ہی شان میں وید نے لکھا ہے

पादोऽस्य विश्वा भूतानि त्रिपादस्यामृतं दिवि ॥ (رگ وید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰)

"تین حصے اِس کے بہشت (لازوال سرور) میں ہیں۔ اور صرف ایک حصہ دُنیا میں" تو دُنیا کے فکر میں کیوں کھپ رہا ہے؟

I searched through strange pathways & winding
For truths that should lead me to God;
But further away seemed the finding
With every new by-road I trod.
I searched after wisdom and knowledge -
They fled me, the fiercer I sought;
For teachers, text-books and College.

لے میں نے عجیب اور پیچیدہ راستوں سے اُن سچائیوں (صداقتوں یا حقیقی امور) کی تلاش کی جو مجھے خدا تک پہنچا سکیں۔ لیکن ہر نئی سڑک سے جس پر کہ میں چلا سچائی دُور ہی پائی۔ پھر میں نے دانائی اور عِلم کی جستجو کی۔ مگر جتنی زیادہ تلاش کی اُتنے ہی وُہ مجھ سے دُور بھاگے۔ اور اُستادوں، کتابوں اور درسگاہوں نے خیالات کو اُلٹا خلط ملط کر دیا۔ میں (تھک کر) بیٹھ گیا۔ اِس طرح سے جب خاموشی کا عالم طاری تھا اور اتفاقیہ اپنے اندر توجہ کی (اپنی ذات کی طرف مراجعت کی) تو اِس باطنی نگاہ سے مجھے وہ سب کچھ مِل گیا جس کی کہ میں تلاش میں تھا۔ اور میری ذات خاص (آتما) نے سب کو محیط کر کے گھیر لیا

Gave only confusion of the thought.

I sat while the silence was speaking,
And chanced to look into my soul,
I found there all things I was seeking—
My spirit encompassed the whole.

यल्लाभान्नापरो लाभः यत्सुखान्ना परं सुखं।
यज्ज्ञानान्नापरं ज्ञानं तद्ब्रह्मेत्यवधारयेत॥ (اُپنشد)

مطلب:۔ ایک برہم سے بڑھکر کوئی چیز حاصل کرنے کے لائق نہیں ہے۔ اور ماسوا اِس کے کوئی چیز آنند دینے کے لائق نہیں۔ کوئی چیز جاننے لائق نہیں۔ کیونکہ جو برہم کو جانتا ہے وہ برہم ہی ہوتا ہے ؂

مُنڈک اُپنشد کے آغاز میں ہے

ॐ ब्रह्मा देवानां प्रथमः संबभूव विश्वस्य कर्त्ता भुवनस्य गोप्ता।
स ब्रह्मविद्यां सर्व विद्याप्रतिष्ठामथर्वाय ज्येष्ठपुत्राय प्राह ॥१॥

ترجمہ:۔ "برہما دیوتاؤں میں سب سے اوّل تھا۔ دُنیا کو پیدا کرنے والا اور عالم کو بچانے والا؂ اِس نے اپنے سب سے بڑے بیٹے اتھرب کو برہم ودیا دی۔ جس وِدیا پر تمام علوم قائم ہیں" ؂

راجاؤں کے ہاں دستور چلا آتا ہے کہ سب سے بڑے بیٹے کو راج ملک دیتے ہیں۔ زمین دیتے ہیں۔ زر و جواہرات دیتے ہیں۔ برہما کو اتھرب رِشی کے تئیں ورثہ میں کیا دینے کی سوجھی ؟ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ برہما غریب ہوگا؂ ہائے برہما کو تو ساری زمین کا خالق و مالک لکھا ہے اِندر وغیرہ تمام ملائک سے بزرگترین بتلایا ہے۔ وُہ غریب کیونکر تھا ؟

نہ تو برہما مُفلس ہی تھا۔ اور نہ برہما کو کسی کا ڈر ہی تھا۔ اور نہ بابا برہما
ناوان ہی تھا۔ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا وہ ہر شے کی قدر و قیمت
سے ضرور آگاہ تھا۔ ہر ایک چیز کی حقیقت سے ضرور واقف تھا۔ اُس نے
سمجھ بوجھ کر تمام موجودات میں سب سے زیادہ گراں بہا رتن اپنے لختِ جگر کو دیا۔
نہیں نہیں۔ اُس نے اپنی ساری جائداد (منقولہ و غیر منقولہ) کی کنجی یا کاغذات
(بہیم و دیا) اپنے وارثِ حقیقی کے حوالے کر کے اُسے اپنا تاج و تخت سونپا۔
اُسے اپنی پدوی (جگہ) دیکر اِندر آدی ماتحت سُلطانوں کا حکمراں بنایا۔
(کرشن یجروید) तं यो वेद। स वेद ब्रह्म। सर्वेऽस्मै देवा बलिमावहन्ति॥
ترجمہ:۔ "جو کوئی اُن کو جانتا ہے۔ سب دیوتا اُس شخص کو بلی دیتے
ہیں (باج ادا کرتے ہیں)"۔
اَے بسِشٹھ۔ اترِیہ۔ بھردواج جیسے رشیوں کو اپنا نسب (گوتر) ملانے
والو! اَے رام۔ کرشن۔ بُدھ اور شنکر کے مُلک میں رہنے والو! تم کل کے
ناتجربہ کار بچوں کی نقل کرتے ہو۔ جنہوں نے آنک اُٹھا کر (روحانی ترقی) کا
ابھی مُنہ نہ دیکھا! اُتارو پیروں سے بُوٹ اور سر سے ٹوپی! اور سرِ بازار
ایندھن کا گٹھا اُٹھا کر آنسوؤں کی شبنم سے بھرے ہُوئے آنکھوں کے دو
پھُول تحفہ لو۔ اور کسی وید دان عارفِ کامل کے چرنوں میں ڈنڈ کی طرح
جا گرو۔ صرف اِسی میں تمہارا کلیان ہے۔ صرف اِسی طرح تمہارا جاڑا (پالا)
اُتر گیا۔ صرف اِسی طرح تمہارے دُکھوں کی رات کٹے گی۔ صرف اِسی طرح
تمہاری کُہر (دُھند) دُور ہو گی۔ صرف اِسی طرح تمہارے پاپ جلیں گے
صرف اِسی میں تمہاری عزّت و شان ہے۔

---

[1] آفتاب از اَوجِ عزت رُخ نہد بر خاکِ پاش

ہر کہ بر رُو یش نشیند گردد از درگاہِ ما

[2] چولے جنہاں دے رتڑے کنت تنہاں دے پاس

ڈھول تنہاں دی سچے ملے نانک دی ارداس

یہ بھی سچ ہے کہ بعض وقت ویدانت جب کسی جگر میں گھر کر بیٹھتا ہے تو دنیا کے
کام کاج نہیں چھوڑتا۔ فرائضِ منصبی کو پھیکا بنا دیتا ہے۔ تعلقاتِ دنیوی کو ڈھیلا
کر دیتا ہے۔ لذاتِ نفسانی کا مزا اڑا دیتا ہے۔[3] میرا تیرا کی قید مٹا دیتا ہے۔ گھر کا چھوڑنا
ہے نہ گھاٹ کا دگو مالک خلکہ لاٹ کا

[3] ڈھول جیسا دھن جا کو شوبی سا سنسار سکھ

بھومی جیسو بھاگ دیکھے۔ انتک سی یاری ہے

پاپ جیسی پربھو تائی۔ شاپ جیسو سنمان

بڑائی بچھوان جیسی۔ ناگنی سی ناری ہے

اگنی جیسا اِندر لوک۔ بگھن جیسا بدھی لوک

کیرتی کلنک جیسی۔ سدھی سی ٹھگاری ہے

باسنا نہ کوئی واکی۔ ایسی متی سدا جا کی

سندر کہت تا کو بندنا ہماری ہے

واہ ہوا رے موج فقیراں دی

کبھی چباویں چنا چبینا۔ کبھی لپٹ لیں کھیرا ماہی۔

---

[1] سورج باوجود عزت کی بلندی کے اُس (عارفِ کامل) کے پاؤں پر اپنا رُخ (پیشانی) رکھتا ہے۔
(یعنی باوجود سب کا سرتاج ہونے کے سورج اُس عارفِ کامل کے قدم چومتا ہے) اور جو اونچے ہوتے
ہوئے اُس عارف کے مقابل بیٹھتا ہے اُس سے کہو کہ ہماری درگاہ سے واپس لوٹ جائے (یعنی جو
عارفِ کامل کے سامنے ادنیٰ ہو کر عاجزی سے نہیں جھکتا وہ مقبولِ درگاہِ الٰہی نہیں ہو سکتا)

کبھی تو اوڑھیں شال دوشالا کبھی گدڑیا لیراندی
کبھی تو سوویں رنگ محل میں کبھی گلی آہیراندی
منگ تنگ کے ٹکڑے کھاندے چال چلن امیراندی

तमात्मानं विदित्वा ब्राह्मणाः पुत्रैषणायाश्च वित्तैषणायाश्च
लोकैषणायाश्च व्युत्थायाऽथ भिक्षाचर्यं चरन्ति (روحنی براہمن اُپنشد)

ترجمہ۔ "جب براہمن لوگ اُس آتما کو جانتے ہیں تو اولاد کی آرزو۔ دولت کی آرزو سے بلند پرواز کرکے گدا لئے لاپرواہ کی زندگی بسر کرتے ہیں" ؛

۱ آنانکہ زیر سایۂ مہرت مقام شاںشت	در دل چرا تخیلِ بالِ ہما کنند (۱)
شوریدگانِ حسنِ جمال و جلالِ یار	تسکینِ دل بملکِ دو عالم کجا کنند (۲)
دیوانگانِ بادیہ پیمائے عشقِ او	ہفت آسمان چشم زدن زیر پا کنند (۳)

۲ بہ گدائیِ درت شاہیِ عالم چہ کنم ؛ تاج بخشانِ جہانند گدایانِ چند

۳ بر درِ میکدہ رندانِ قلندر باشند ؛ کہ ستانند و دہند افسرِ شاہنشاہی

۱ (۱) جن لوگوں کا مقام تیری محبت کے تلے ہے (یعنی جو تیرے زیرِ سایہ ہیں) وہ اپنے دل میں ہما کے بازو کا (یعنی نیک بخت جانور کے سایہ کا) خیال کب کرتے ہیں ؟ ؛

(۲) یار (معشوق۔ دوستِ حقیقی) کے جلال و جمال کی خوبصورتی کے شیدا لوگ دونوں جہان کی ملکیت سے بھی کب دل کو تسکین دے سکتے ہیں ؟ ؛

(۳) اُسکی محبت (بھگتی) میں جنگل کے ناپنے والے دیوانے (یعنی جنگل میں پھرنے والے عاشق لوگ) ساتوں آسمانوں کو آنکھ کی ایک جھپک سے پامال کر دیتے ہیں ؛

۲ تیرے دروازے کی فقیری پر جہان کی بادشاہت کو میں کیا کروں۔ کیونکہ جہان کو تاج بخشنے والے (تیرے دروازے کے) ایسے فقیر ہیں ؛

۳ شرابخانہ کے دروازہ پر قلندر رند ہوتے ہیں (یعنی حقیقی عشق کا آنند لینے والے مست فقیر ہوتے ہیں) جو کہ بادشاہی (تاج و تخت) کا لین دین کرتے ہیں ؛

यस्त्वात्मरतिरेव स्यादात्म तृप्तश्च मानवः।

आत्मन्येव च सन्तुष्टस्तस्य कार्यं न विद्यते॥ (بھگوت گیتا-۳-۱۷)

ترجمہ: "جن کا آتما ہی سے عشق ہے۔ آتما ہی سے جن کی تشنگی دُور ہوتی ہے۔ آتما ہی میں جن کو صبر و قرار ہے۔ اُن کے لئے کہاں کا کام اور کیسے دھندے"؟ ع جس نیتی عشق نماز۔ اوہ رکیہ پڑھے پڑھاویگا *

۱؎ ہر کہ صائب شود از بادۂ عرفاں سرمست

ہمچو خورشید دریں دائرہ تنہا گردد *

۲؎ ایک من تھا سنگ گیا شیام کے۔ کون بھجے جگدیش

اُودھو جی من نہ بھئے دس بیس

۳؎ بحریست بحرِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست * اینجا جُز این کہ سر بسپارند چارہ نیست

۴؎ گر طبیبے را رسد زیں ساں جنوں * دفترِ طب را فرو شوید بہ خوں

۵؎ رہ رہ وے عشقا ماریائی * کہڑہ کِس تُوں پار اُتار پائی

بیدانت نوجوانوں کے سفید کپڑے اُتار کر لال کفنی پہناتا ہے۔ اُن کی عورتوں کی آنکھوں کے سُرمے کو گرم گرم آنسوؤں میں بہاتا ہے۔ اُنکے بچّے والدین کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتا ہے *

۱؎ اے صائب جو کوئی عرفان کی شراب سے مست ہو جاتا ہے وہ سورج کی طرح اس دائرے میں اکیلا مست ہُوا پھرتا ہے *

۳؎ عشق کا سمندر ایسا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ (حد) نہیں۔ یہاں (عشق کے مقام پر) سوائے اِس کے کہ سر دیدیں اور کوئی علاج نہیں ہے *

۴؎ اگر حکیم کو اِس حقیقی پاگل پن تک رسائی ہو جائے تو وہ حکمت کے دفتر کو خون سے دھو دیوے *

پنی میتو یں کندی کندی لُٹی

پڑی پچھی پچھواڑے رہ گئی۔ ہتھ میریوں تند ٹٹی

سیاں ورھیاں پچھوں چھلڑی لاہی۔ کاگ مرنیدا جھٹی

سالو سلاری سڑ گئے سارے۔ باقی رہی نہ جٹی

بھلا ہویا میرا چرخہ ٹٹڑا۔ جند عذابوں چھٹی

گہنے گوائے ہوئی بے فکری۔ نکوں کنوں چھٹی

مگرا و چوگانِ ناپائدار لذات کے گیند! کششِ آفتابِ حقیقت کی کیفیت تجھے کیا معلوم! یہاں بُرے بھلے کا فتوے مت لگا۔

سلہ اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست؟
حالِ شیرانے کہ شمشیرِ بلا بر سر خورند

سلہ ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازپرس ٭ نانِ حلالِ شیخ ز آبِ حرام ما

اُن کو کون جدا کہہ سکتا ہے جن کے لئے

سہ سُو جھے نہیں دن رات ترے دھیان میں پیارے
اپنی تو سحر ہے یہی اور شام یہی ہے

سلہ اے پیارے! جب تیرے پاؤں میں ایک کانٹا نہیں ٹوٹا ہے (نہیں چبھا ہے) تو تو اُن شیر مردوں کا حال جو کہ مُصیبت کی تلوار اپنے سر پہ کھاتے ہیں کب جان سکتا ہے کہ کیا ہے؟ ٭

سلہ میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی ہمارے حرام پانی (شراب) سے سبقت نہ لے جائے ٭ (شاعر حافظ کی اِس شعر سے مُراد یہ ہے کہ اہلِ طریقت یعنی شرعی لوگ۔ اہلِ حقیقت یعنی عاشقانِ صادق پر سبقت نہ لے جائیں) ٭

त्वमेव माता च पिता त्वमेव [1]
त्वमेव बन्धुश्च सखा त्वमेव
त्वमेव विद्या द्रविणं त्वमेव
त्वमेव सर्व्वं मम देव देव

[2] کشورِ دل بتو دادم کہ توئی حاکمِ او * حاکمِ جز تو دریں کشور اگر ہست بگو؟
کیا اُن پر ادائے فرائض میں کوتاہی کا الزام لگ سکتا ہے۔ جو دُنیا کی طرف سے ایک گونہ ع "وعلیکم! مرگ جوانی! واہ وا!" کہتے ہوئے شربت جوانا مرگ پی گئے۔ وہ عورت اور والدین اپنے "بخت و روزگار" سے اور کیا چاہتے ہیں۔ جن کا عزیز گیان اگنی میں سواہا ہو گیا *

यो वा एतामेवं वेदापहत्या पाप्मानमनन्ते स्वर्गे लोके ज्येये प्रतितिष्ठति प्रतितिष्ठति ॥ (اُپنشد)

ترجمہ۔ جس نے برہم کو پورا پورا جان لیا اُس کے تمام الزام اور گناہ جھڑ گئے۔ وہ لاانتہا عین سرور اور بزرگترین ذات میں جم کر بیٹھتا ہے۔ جم کر بیٹھتا ہے" *

[3] موحد چو در پائے ریزی زرش * چہ شمشیرِ ہندی نہی بر سرش

---

[1] اے الیشور! آپ میری ماتا پتا۔ رشتہ دار۔ دوست ہو۔ اور اے دیووں کے دیو! آپ ودیا دھن اور میرے سب کچھ ہو *

[2] دل کی ولایت میں نے تجھ کو سونپ دی۔ کیونکہ تو ہی اُس کا حاکم ہے۔ اِس ولایت (دل) میں تیرے سوائے اگر کوئی اور حاکم ہے تو بتلا *

[3] عارف کامل کے پاؤں میں خواہ تو سونا گرا دے اور خواہ ہندی تلوار تو اُسکے سر پہ رکھے۔ اُسکے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ اُسکو کسی سے اُمید و خوف نہیں ہے۔ توحید کی بنیاد صرف اِس پر موقوف ہے

ے اُمید و ہراسش نباشد ز کس ٭ برین است بُنیادِ توحید۔ وبس

ویدانت اگر کسی کو ڈیوٹی کی طرف سے لاپرواہ کرتا ہے تو زہے قسمت۔
اور چاہیئے کیا؟ خاوند خود آن کر مارے محبت کے اگر عورت کے کپڑے
اُتارتا ہے تو جاگے نصیب۔ خوابیدہ طالع بیدار ہوئے۔ جنم لیا ہی اور
کس خاطر تھا؟ وُہ آنکھیں جو شمع رُوئے یار پر پروانہ نہیں بنیں۔ کوّے
اُڑانے والی گُھمّانی کا گولہ کیوں نہ ہُوئیں۔ وُہ کان جو ذکرِ یار سے
نہیں لگے ہُوئے۔ ڈھاک کا پَتّا کیوں نہ بنے ٭

ے سو سنگت جَل جائے کتھا نہیں رام کی
بِن لاڑے کے برات بھلا کس کام کی؟

ے وُہ آنکھ کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر
وُہ دِل کہ ہے بے درد وہ جل جائے تو اچھا

ے جس عشق پر سر نہ دیا جُگ جُگ جیا تو کیا ہُوا
جس پریم رس چاکھیا نہیں امرت پیا تو کیا ہُوا

ہنر کی رفاقت کا دم بھرنے والو! دلیش کا بھار نہیں اُترے گا جبتک اپنے
نُورِ چشم لختِ جگر نوجوان کا گیان (آتشِ معرفت) کُنڈ میں ہومید
(قربانئ انسان) نہ دیکھو گے ٭

ते त्वा भग प्रविशानि स्वाहा। स मा भग प्रविश स्वाहा।
तस्मिन सहस्र शाखे। निभगाऽहं त्वयि मृजे स्वाहा॥

ترجمہ۔ ہے اوم! مجھے اپنی ذات میں محویت دے۔ سواہا!
میرے اندر گھر کر لے۔ سواہا!
تیری مایا میں ہزاروں اُلجھن ہیں۔ مَیں تیری ذات میں غسل

کرتا ہوں - سواہا !!!

ویدانت کے ہاں تو یہ بات ہے نہیں کہ دنیا میری سجی رہے - میں گھچھڑے برابر اڑاتا جاؤں - اور جب کبھی خلل واقع ہو تو پرارتھنا دعاء (prayers) مانگ کر خدا سے جھاڑنے بہارنے یا کرے سجانے کا کام لے لوں ۔ ویدانت کا خدا تو بڑا عالی دماغ خدا ہے - غلام یا خدمتگار کا کام بھی نہیں کرنے کا - تمہاری خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے دلال نہیں بننے کا ۔ یہاں تو جب تک تمام خواہشیں اٹھ نہ جائیں مہاراج درشن نہیں دینے کے - یا یوں کہو کہ جب خدا کی شناخت ہوئی - خواہشوں واہشوں کی ایک دم صفائی ہو گئی ۔

مطرع[1] ہر جا کہ سلطاں خیمہ زد غوغا نماند عام را ۔

آفتاب حقیقت کے سامنے دنیا تو ذرہ کے برابر بھی نہیں رہ سکتی - ویدانت کی وسعت ذرا سی زمین نہیں ہے - ادویت کا حدود اربعہ آرزوہائے جسمانی نہیں ۔

[2] ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

एवात्मैवाऽधस्तादात्मोपरिष्टादात्मा पश्चादात्मा पुरस्तादात्मा दक्षिणत आत्मोत्तरत आत्मैवेदꣳ सर्वमिति। स वा एष एवं पश्यन्नेवं मन्वान एवं विजानन्नात्मरतिरात्मक्रीड आत्म-मिथुन आत्मानन्दः। स स्वराट् भवति॥ (سام وید چھاندوگ اپنشد)

---

[1] جس جگہ کہ بادشاہ خیمہ لگاتا ہے وہاں عوام کا شور و غل نہیں رہتا ۔

[2] اگر تو خدا اور کمینی دنیا دونوں کو اکٹھا چاہتا ہے تو یہ تیرا وہم ہے - ناممکن اور پاگل پن ہے ۔

ترجمہ۔ یقیناً آتما ہی نیچے ہے۔ آتما ہی اوپر ہے۔ آتما ہی پیچھے ہے۔ آتما ہی آگے ہے۔ آتما ہی جنوب ہے۔ آتما ہی شمال ہے۔ آتما ہی یہ سب کچھ ہے۔ وہ جو یہی دیکھتا ہے۔ یہی جانتا ہے۔ یہی سوچتا ہے اس کا پیار ہے تو آتما سے اس کا کھیل ہے تو آتما سے۔ اس کا ہم کنار ہے تو آتما اس کا آرام جان ہے تو آتما۔ وہ ہی جلال ذات کو پاتا ہے ٭

سے بیٹھت رام ہی۔ اوٹھت رام ہی۔ بولت رام ہی۔ رام رہیو ہے
کھاوت رام ہی۔ پیوت رام ہی۔ دھام ہی رام ہی رام گہیو ہے
جاگت رام ہی سووت رام ہی۔ جودت رام ہی۔ رام لہیو ہے
دیت ہو رام ہی۔ لیت ہو رام ہی۔ سُندر رام ہی رام رہیو ہے

سے کریں ہم کس کی پوجا اور لگائیں کس کو چندن ہم
صنم ہم۔ دیر ہم بتخانہ ہم۔ بت ہم۔ برہمن ہم

سلہ گہہ از زلفت پریشانم۔ گہہ از روئے تو حیرانم
ہمیں کفر است ایمانم۔ ہمیں لیل و نہار من

نیترا جن رام رساین اتا
سے پریم رساین جاکو اپجیو چھوڑ نہ کتنا ہوں جاتا
اوٹھت ہر ہر بیٹھت ہر ہر ہر ہر بھوجن کھاتا
اٹھ سٹھ تیرتھ مجن کینے۔ سادھو دھوریں نہاتا
سپھل جنم ہر جن کا اپجیو۔ جن کینو سوت بدھاتا

سلہ کبھی میں تیری زلف (مایا) سے پریشان ہوتا ہوں۔ کبھی تیرا چہرہ (سروپ) دیکھ کر حیران ہوتا ہوں۔ یہی میرا کفر و ایمان ہے۔ اور یہی میری رات اور دن ہے ٭

ع [۱] تُرا گویم تُرا جویم تُرا دانم تُرا خوانم

[۲] پُرسند دوستاں کہ کجا میروی بگو ✤ مُشتاق را چہ پُرسی بر یار میروم

[۳] یار گفتا کیستی؟ گفتم ثنا گوئے شما ✤ عزم کجا داری بگو گفتم در کوئے شما

[۴] صباحِ عید کہ مُردم بکار و بار روند ✤ بلاکشانِ محبت بہ کُوئے یار روند

ع ابھی تو سحر ہے یہی اور شام یہی ہے ✤

مہادیو نے بام دیو کو کہا ہے

अन्तर्योगं बहिर्योगं यो विजानाति तत्वतः।
त्वया मया प्यसौ वन्द्यः शेषैर्वन्द्यस्तु किं पुनः॥

ترجمہ:۔ "جس نے اندر باہر ایک آتم دیو کو جانا۔ وہ تو اِس قابل ہے کہ مَیں (شِو) اور تُو (بامدیو) بھی اُس کو بندنا (کورنشات) کریں۔ اَوروں کا جائے پرستش ہونے میں تو شک ہی کیا رہا" ✤

اوتاروں کے بارے میں پُرانوں میں مذکور ہے کہ جنہوں نے بھگواں سے دشمنی ظاہر کی۔ فساد عناد کو برتا۔ اُن کا نہایت جلدی کلیان ہُوا۔ اُن کو

[۱] تجھ کو کہتا ہوں۔ تجھ کو ڈھونڈتا ہوں۔ تجھ کو جانتا ہوں۔ اور تجھ کو ہی پڑھتا ہوں ✤

[۲] دوست پُوچھتے ہیں کہ تُو کہاں جاتا ہے۔ کو مَیں جواب دیتا ہوں کہ مُشتاق سے کیا پُوچھتے ہو۔ ہم دوست (یارِ غار۔ آتم سروپ) کے پاس جاتے ہیں ✤

[۳] یار نے پُوچھا تُو کون ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ آپ کا ثناء گو (تعریف کرنے والا)۔ پھر پُوچھا کہ تُو کہاں کا اِرادہ رکھتا ہے؟ مَیں نے جواب دیا کہ آپکے کُوچے کے دروازے کا ✤

[۴] عید کی صبح کو جبکہ اور آدمی کاروبار میں لگتے ہیں تو محبت کی مصیبت کے اُٹھانے والے یار کی گلی میں جاتے ہیں ✤

مہاراج نے سب سے پہلے مُکتی پرودان کی ٭

اَے عزیزو! وہ نارائن سروپ مہاتما بھگوان کا اَوتار ہی ہے جو اپنے وُجود سے عداوت۔کینہ۔حسد۔بغض رکھنے والوں کا دل وجان سے بھلا چاہتا ہے۔اُن کی خدمت میں اپنا پیارے سے پیارا دھن حاضر کرنے کو تیار ہے۔جس کے ہر ہر مُو سے پریم ٹپک رہا ہے۔جسکی آنکھوں سے آنند برس رہا ہے۔جسکے مستک پر شانتی کا چاند چمک رہا ہے۔ایسے مہا پُرش کی طرف سے ویدانت پہاڑ جلنے غصّے اور آندھی کی سی دُشمنی کو چیلنج (challange)کرتا ہے ٭ اِس کے درشنوں ہی سے کرودھ کا پہاڑ اور رنج کی اندھیری کا نام باقی رہ جائے تو سہی۔پتہ مل جائے تو کہنا ٭

سلہ عاشقانِ آفتاب از دلبرِ ما غافلند

اَے نصیحت گو! خدا را رَو بیاں و رو ببیں

برہم وِدیا وہ جادُو منتر ہے کہ کالی رنگت۔چھکنے ق۔اور ٹیڑھی ٹانگ میں اِس کمال کا حُسن و جمال بھر دیتی ہے۔جس سے دُنیا بھر کے خُوبانِ مہ پارہ شمشاد بالا ہزارہا ہزار سال تک بانسری پر سانپوں کی طرح کھچے ہوئے جان دے دینے کو ایک گڈریئے (Divine Shepherd) کے دیش میں دوڑے جاتے ہیں ٭

ہائے گڈریا! سلہ تا دیدہ بخواب دیدہ رُویت

پیوستہ در آرزوئے خواب است

سلہ سورج پرست ہمارے دلبر(حقیقی یار) سے غافل ہیں۔اے نصیحت کرنے والے خُدا کے واسطے جا اور دیکھ۔جا اور دیکھ ٭

سلہ جب سے کہ آنکھ نے تیرا چہرہ خواب میں دیکھا ہے وہ ہمیشہ اُس خواب کی آرزو میں ہے

सुरत वर्धनं शोक नाशनं स्वरित वेणुना सुष्ठु चुम्बितम्।
इतर राग विस्मारणं नृणं वितर वीरण: ते धरामृतम् ॥

ہائے گول چنا! میرے لال! تُو گوبر مٹی (خواہشاتِ نفسانی) میں
کیوں ہاتھ رگڑ رہا ہے۔ یہ کھیل (لیلا) خوب نہیں۔ مکھن جیسا بدن تم نے
میلا کیوں کر لیا؟ گوبر مٹی میں تو بچھو (دُکھ) ہوتے ہیں۔ کہیں
کاٹ کھائیں گے۔ پھر ہونٹ بسور کر رونا شروع کرو گے۔ تمہارا رونا
تمہارا رام نہیں سہہ سکتا۔ میرے ننھے! آؤ تمہیں نہلاؤں۔ دُھلاؤں
دُودھ پلاؤں۔ تم گڈریئے تو نہیں۔ تم تو دُوارکا دِھیش (مالکِ بحر و بر)
ہو۔ وارثِ تخت و تاج ہو۔ چھوڑو گنوار پن ؎

۱؎ سرور و مسرت کے بڑھانے والا۔ شوک (فکر و غم) کے دُور کرنے والا (ناش کرنے
والا) وینی (مُرلی) سُر والی بانسری سے متصف (سُو سُو بجت) اور دیگر لذاتِ دُنیا کو
بُھلا دینے والا (پیارے کرشن کا گیان اُپدیش رُوپی امرت طالبانِ حق (لوگوں) کو
مُکتی رُوپی دان دینے کی طاقت رکھتا ہے ؎

(الف جلد اوّل نمبر ۱ تا ۱۲)

(۲۷) اب ہم اپنے پیارے کے تیسرے اعتراض کی طرف (جو صفحہ ۲۶۰ جلد ہذا میں آیا ہے) آتے ہیں کہ "ڈارونی مسئلہ ایوولیوشن (صعودِ عالم) کے رُو سے شانتی اور صُلح ناجائز ہے۔ اور ترقی کی خاطر لاٹھی کے زور سے بھینس لے جانا لازمی ہے۔ تمام حیوانات اور نباتات وغیرہ میں بھی یہی قانون جاری ہے۔ جو اصول کہ نیچر (موجودات) کے دیگر محکمہ جات میں مُروّج ہو اُس سے انسان کا گریز کرنا ناروا ہے" ۔

راقم :۔ ایوولیوشن (ارتقاء) کے اسباب جو ڈارون اور اُس کے پیروکار سائینس دانوں نے بتائے ہیں۔ اگر وہ حیوانات وغیرہ کے لئے سچ ہوں تو بھی اے اشرف المخلوقات! تجھے ہرگز ہرگز زیبا نہیں ہے۔ وحشی حیوانوں کی خدمت میں زانوئے سبق خوانی تہ کرنا۔ اور اُن سے یہ اُپدیش سیکھنا کہ خود غرضی سے برانگیختہ ہوکر کمزوروں کا لہو پینا ہی پابندیٔ قانون ہے۔ تیس مارخاں بن کر مُردار دُنیا کو ناشتا کرنا ہی نیکی ہے۔ اور مُردار کھاتے کھاتے آنکھیں میچنا ہی عبادت ہے ۔

پیارے تُم منتخب ہو چکے ہو (You have been selected)
تمہارے لئے لنگور اور چیتے کا زمانہ (Epoch) گزر چکا ہے خونخوار ناخنوں۔ دانتوں اور سینگوں کا عہد بیت چکا ہے۔ پھاڑ کھانے یا دُم ہلانے کا وقت نہیں رہا۔ تُم اب **دقیانوس** کی طرح آفتاب۔ ماہتاب اور سب ستاروں کو چھوٹی سی دُنیائے جسم کے گرد مت گھماؤ۔ خود غرضی سے باز آؤ۔ بلکہ اِس زمین جسم کو آفتاب حقیقت پر نثار کردو۔ وار کے پھینکدو ؛

اگر ترقی خونخواری ہی پر موقوف ہے تو انسانیت ایسی ترقی سے باز آئی۔ ہربرٹ سنسپر ایسے شہرۂ آفاق ایوولیوشن (ارتقاء) کے ایڈوکیٹ (حامی) نے بھی اپنے Data of Ethics میں اقرار کیا ہے کہ گو غیر ذی عقل موجودات کے لئے خود غرضی اور جنگ وجدل ہی ترقئے مدارج کا باعث رہیں گے۔ لیکن انسان کے واسطے ہمدردی خیرخواہی اور قربانئے نفس (Self-denial) ہی پایۂ بلند دلانے والے ہیں ؛ پروفیسر ہکسلی (ذیتر ساٗئینس) نے کس خوش بیانی کے ساتھ اپنے Evolution & Ethics کے صفحۂ ۸۱۔۸۲ میں روشن کیا ہے کہ اخلاقی خوبیاں اُن اُصولوں کے مخالف ہیں جو دُنیا کے "جدّ و جہد برائے حیات" میں کامیابی کا آلہ ہیں ؛ بجائے بے رحمانہ نفس پروری اور خود نمائی کے علم اخلاق نفس کشی سکھاتا ہے۔ سب رقیبوں اور ہم سفروں کو دھکیل دینے یا پاؤں تلے روندنے کے بجائے علم اخلاق سب کی خدمت کرنے کا حکم دیتا ہے ؛ نیکی اِس بات کی مقتضی نہیں کہ جو لائق ترین ہو صرف اُسی کا ٹھیکا رہنے پایا جائے

(Survival of the fittest) بلکہ اس بات کی مقتضی ہے کہ
حتی الامکان لائقوں کی تعداد بڑھانے میں کوشش کی جائے
ئ The fitting of as many as possible to survive.
اخلاق کے یہاں (gladiatorial) کشتی باز مسئلۂ حیات کی تردید
ہے ...... قانون اور اخلاقی تعلیم اس غرض پر مبنی ہیں کہ کُلّی
یا جبلی میلان جنگ و جدل کو روکیں۔ وغیرہ
نوٹ۔ اگر قانون اور علم اخلاق کُلّی میلان (Cosmical or
Competitive Process) کو روکنے کے لئے ہیں۔ تو ویدانت اس
میلان کی جڑ کاٹنے کے لئے ہے ٭ اخلاق کا تو اتنا ہی فتویٰ ہے کہ
"Love your neighbour as yourself" اپنے ہمسائے کو اپنے
برابر محبت کرو۔ ویدانت کا یہ ڈھنڈورا ہے He is your Self
"اپنے برابر تو کیا۔ وہ تم ہی ہو"

ئ من ہانم من ہانم من ہماں ٭ ہر کجا چشمت فتد جز من مداں ٭
بھگوان بدھ دیو (۱ اوتار) نے ایک راجہ کو ہرن پکڑے ہوئے دیکھا۔
اِدھر معصوم مرگ کی سہمی ہوئی صورت۔ اُدھر چمکتا ہوا تیر بے پناہ
نظر آنے کی دیر تھی کہ بھگوان بدھ مارے دردِ حقیقی کے راجہ کے سامنے
چت گر پڑے اور پُر اثر روحانی گداز کے ساتھ راجہ سے عرض کی کہ "آپ
بیشک میرا جسم حوالۂ تبر کر لیجئے۔ لیکن اس متوالی آنکھوں والے ہو
کو ایذا رسانی سے درگذر کیجئے ٭ مجھے اپنے جسم سے محبت نہیں۔ لیکن اس

ئ جتنوں کو باقی رکھنا یا بچانا ممکن ہو اُن کو اس کے لائق کیا جائے ٭

ئ میں وہی ہوں میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ جس جگہ تیری آنکھ پڑے میرے سوا مت جان۔

غزال بیچارے کو زندگی بڑی پیاری ہے"۔

ناظرین! آپ خیال کر سکتے ہیں ایسے موقعہ پر راجہ صاحب کا پتھر دِل ایلیا بن کر کہاں اُڑ گیا ہوگا۔ اِن سوزِ باطنی والے کلمات نے راجہ کے وحشت بھرے قصد پر کس قیامت کا کلہاڑا چلایا ہوگا۔ بُدھ کی قربانئے نفس (جاں نثاری) نے راجہ کے شکاری دِل کو کس قدر صید کیا ہوگا! ہزار ہا سال منقضی ہوگئے کہ وہ بُدھ جو ہرن کی خاطر جان دینے کو تیار تھا۔ آج تک کروڑ ہا آدمیوں پر راج کر رہا ہے۔ وہ عیسیٰ جس کا مقولہ ہے کہ "ایک گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا گال اُس کے آگے کردو"۔ وہ عیسیٰ ملکوں کے ملک قبضے میں لے آیا۔

کیا ہندوؤں کو ایوولیوشن (परिणाम) سے لاعلمی تھی؟

پروفیسر ہکسلے اقرار کرتا ہے

"To say nothing of Indian sages, to whom Evolution was a familiar notion ages before Paul of Tarsus was born."

شری رامانج آچاریہ نے کمال لیاقت کے ساتھ اِس اصُول کو ثابت کیا ہے۔ سانکھیہ کے کرتا نے بھی دُنیوی ایوولیوشن (ارتقاء) کو مفصّل دِکھایا ہے

निमित्त अप्रयोजकं प्रकृतीनां वरन भेदस्तु ततः क्षेत्रिक वत् ॥ (یوگ درشن)

لہ ہندوستان کے رشیوں کا تو کیا ذکر ہے۔ جو طارسس کے باشندے پال کے پیدا ہونے سے مُدتوں پہلے مسئلہ صعُود و نزُول سے بخوبی واقف تھے۔

ترجمہ:۔"جیو آتما میں ہر ایک شکتی پہلے ہی سے موجود ہے۔ایک چیونٹی میں وہ تمام طاقتیں مخفی ہیں جو برہما میں عیاں ہیں۔ ندی زور سے سب جگہ ایک ہی جیسی بہتی جا رہی ہے۔جو کسان اپنے کھیت والا تختہ (بند) ہٹائے گا اس کے کھیت میں پانی فوراً بھر آئے گا"۔ ہندوؤں کے ہاں یہ اندرونی قوت (ندی) ایوولیوشن کا باعث تسلیم کی گئی ہے۔ اہلِ ہنود ایوولیوشن سے خوب واقف چلے آئے ہیں۔لیکن انہوں نے جنگ و جدل کو ایوولیوشن کا باعث کہیں نہیں قرار دیا۔

بموجب شری رامانج آچاریہ ادنیٰ مدارج میں آتما ایک (contracted spring) نہایت گھٹے ہوئے تار کی مانند ہے اور پھیلنا چاہتا ہے۔کشادگی کے لئے جمع شدہ زور کی بدولت ایوولیوشن کا ہونا ضروری ہے۔ جو اسباب اس کے سنکوچ یعنی انقباض (contraction) کا باعث ہیں وہ گناہ (شر) ہیں۔اور جو اس کے وکاش (توسیع و انبساط) میں معاون ہیں وہ نیکی (خیر) ہیں۔ اب یہ اندرونی قوتِ انبساط ایوولیوشن کا باعث ہے۔اودیا (جہل) کی بدولت اس قوت کی جہاں مخالفت ہوئی جد و جہد (struggle) اور رکاوٹ (resistance) ظاہر ہوئے۔جیسے گنگا کی تیز دھارا کو چٹان یا پتھر جہاں مزاحم ہوئے۔شور مچا۔اور طوفان بپا ہوا۔(گوہانہ جھیل والا حادثہ شاید ابھی یاد ہوگا)۔

جمادات۔نباتات اور حیوانات میں باعتبارِ انسان جہل فطری ہے۔ اس واسطے جمادات۔نباتات اور حیوانات کے اندر والی قوتِ انبساط کو مزاحمت کا پیش آنا لازمی ہے۔اور جنگ و جدل یا جد و جہد کا ہونا بھی ضرور ہے۔لیکن یہ جنگ و جدل ان کے مقصود کا اصلی سبب نہیں

ہے۔ بلکہ ایک گونہ مانع ہے ÷ جیسے جہاں کہیں گاڑی کی حرکت شروع ہوگی۔ تحکیک درگڑد کا عمل ضرور ہوگا۔ لیکن یہ رگڑ حرکت کی معاون نہیں ہے ÷

آریہ لوگوں کے مطابق موجودات کے دیگر انواع کے مقابلہ میں انسان فطری جہل سے بہت کچھ آزاد ہے۔ اور اسی لئے اپنے افعال و اعمال کا ذمہ دار اور جوابدہ گردانا جاتا ہے ÷ جامعہ الثانی میں اندرونی قوتِ انبساط کی مزاحمت اسی حد تک ہوگی جہانتک اندر حیوانی جہل کی بو باقی ہے۔ اور جنگ و جدل کا باعث تو ہوگی اودیا۔ لیکن ترقی اور صعود کا باعث قوتِ باطنی ÷ پس یہ نتیجہ نکالنا کہ "ترقی و صعود کا ذریعہ مقابلہ اور لڑائی ہے"۔ محض غلط ہے ÷

تاریخ اِس بات کی شہادت دیتی ہے کہ "بھیڑوں اور بھیڑیوں کی لڑائی (The sheep among the wolves) میں جو صدیوں تک ختم نہیں ہُوا کرتی۔ آخرش فتح جب ہوگی صلح پسند اور جان نثار بھیڑوں کی ہوگی۔ دیکھ لو بھیڑیوں کی نسل گم ہوتی جا رہی ہے۔ اور بھیڑوں کی کسقدر کثرت ہے۔ ایک وہ دن تھا کہ یونانیوں کے دل بادل۔ لشکروں کے تگ و تاز سے زمین کانپتی تھی۔ آج فیلقوس اور سکندر کے مُلک کی کہانی باقی رہ گئی ہے ÷ ایک وہ دن تھا کہ سلطنتِ روما کا شاہین رُوئے زمین کے تقریباً ہر مقام پہ لہراتا تھا۔ آج قیصروں (Caesars) کے تخت گاہوں پہ مکڑیاں جالے تن رہی ہیں ÷ ایک وہ دن تھا کہ افراسیاب۔ فریدوں اور کیکاؤس کی بے شمار فوجوں اور سُم ستوران

سے پہن وقت میں "زمین شش شُد و آسماں گشت ہشت" کا معاملہ ہو رہا تھا۔ آج وُہی مُٹھی بھر رستم جی۔ سُہراب جی۔ وغیرہ فارس سے جُدا ہو کر ہندوستان میں گزارہ کر رہے ہیں ٭ مغلوں کا چمکتا چاند بھی دو دن کی آب و تاب دکھا کر بالکل ماند ہو گیا۔ اور کئی شاہ زور سلطنتیں سمندر کی لہروں کی طرح پیدا ہو کر مٹ گئیں ٭

لہ پردہ داری میکُند بر قصر قیصر عنکبوت

بُوم نوبت میزند بر گنبدِ افراسیاب

لیکن وُہ قوم جو یونانیوں کی روشنی کا منبع تھی۔ وہ قوم جو اُس وقت موجود تھی جب سلطنتِ روما کا بُنیادی پتھر (foundation stone) بھی نہیں قائم ہُوا تھا۔ اور جبکہ زمانۂ حال کی یوروپین طاقتوں کے آبا و اجداد جرمنی کے جنگلوں میں برہنہ تن پھرتے تھے۔ وُہ قوم جس کے آغاز کا پتہ لگانے میں تاریخ کی آنکھیں جھپکتی ہیں۔ وُہ قوم اپنے مُلک میں آج تک بیس کروڑ موجود ہے اور بڑھتی پھیلتی رہے گی ٭ کیوں؟ کیونکہ اُن کا ہر ایک کلام "اوم آنند" سے شروع ہوتا ہے۔ اور "شانتی! شانتی!! شانتی!!!" پر ختم ہوتا ہے۔ کیونکہ بجائے جنگ و جدل کے وَیراگ اور تیاگ اُن کا ہتھیار ہے۔ کیونکہ بجائے اَور مُلکوں کو فتح کرنے کے اپنے آپ کو فتح کرنا اُن کا (ideal) معراج ہے ٭ رحمتِ الٰہی اِس قوم کے سر پر ہے اور رہے گی ٭ یہی قوم ہے جو اہلِ اسلام کو مسجدیں بنانے کے لئے چندہ دیتی ہے۔ اور عیسائیوں کو گرجے تیار

لہ بادشاہِ روم کے محل پر مکڑی پردہ داری کرتی ہے (یعنی جالا تن کر اُسے ڈھانپ رہی ہے) اور اُلّو افراسیاب کے گنبد پر اب نوبت بجا رہا ہے (یعنی اب وہاں بجائے انسان کے اُلّو بول رہا ہے)

کرنے میں مدد دیتی ہے۔

دُنیا میں ہر سلک اپنی ایک خاص ڈیوٹی (فرض) کو لئے ہُوئے ہے۔ ہند کو برہمن پن (Priests of nature) کی ڈیوٹی ملی ہُوئی ہے۔ کسی کو دُنیا کی ہَوس نے پریشان کیا ہے۔ کسی کو نفس نے حیران کیا ہے۔ ہندو تو وُہی ہے جو صرف رام پر جان باختہ ہے ٭ برہمن وُہی ہے جو زبانِ حال سے یہ گا رہا ہے کہ

ہم ننگے عُمر بتائیں گے	بھارت پر وارے جائیں گے
سُوکھے چنے چبائیں گے	بھائیوں کو پار لنگھائیں گے
رُوکھی روٹی کھائیں گے	مست پڑے رہ جائیں گے
گالی طعنہ کھائیں گے	آنند کی جھلک دکھائیں گے
سُولوں پر ننگے جائیں گے	پر ایکو برہم لکھائیں گے

(۴۰)

ذلت خوردن از تمنّاء دولت برائے چہ	خواری کشیدن از پئے عزت برائے چہ؟ (۱)
گرچہ بدست بخل زمرداں وَلے بخیل؟	گر مالِ خود نداد عداوت برائے چہ؟ (۲)

(۱) دولت کی ہَوس میں دُنیا کی لاتیں کھانا کس لئے۔ اور عزّت کے لئے ذلّت اُٹھانا کس لئے

(۲) اگرچہ آدمیوں کے لئے کنجوسی بڑی ہے۔ لیکن کنجوس نے اگر اپنا مال نہیں دیا تو اُس سے دُشمنی کس لئے ہو ٭

(۳) تُو اہلِ دُنیا کی بے مُرَوّتی کی شکایت کرتا ہے۔ لیکن بتا کہ مُرَوّت کی اُمید تجھے اُن سے کس لئے ہے (۴) اگر تیرا مطلب خوشی میں عُمر گزار نے کا ہے تو اس مطلب سے پرے ہٹ (دور گزر کر)۔ یہ تمام تکلیف تُو کس لئے اُٹھاتا ہے ٭ (۵) اس دُکان سے بھی الگ ہٹ جس کا کہ تُو خریدار نہیں ہے۔ قیمت کے روپیہ بیہودہ لڑائی جھگڑا سے کیا فائدہ ٭

نالی زبے فروتنئے اہلِ روزگار | آں بگو امید فروّت برائے چہ؟(۳)
مطلب اگر گذشتن عمر است در خوشی | بگذر ز مطلب ایں ہمہ زحمت برائے چہ؟(۴)
بگذر ازاں دکاں کہ خریدار نیستی | بیہودہ جنگ بر سر قیمت برائے چہ؟(۵)

یورپ والوں کو پہاڑوں کے طبقے اور پتھروں کی بناوٹ جانچنے دو۔ اہلِ ہند تو شِو شنکر اور شکتی ہی دیکھیں گے۔ کوئی دریاؤں کا طول عرض اور دہانہ پڑا ڈھونڈے۔ اہلِ ہند تو دریا کی رُوح و جان دگنگا) ہی سے باتیں کرینگے۔ کسی کے لئے ہَوا دبایو) اور اگنی (آگ) عنصر ہوں۔ کسی کے لئے مُرکب سہی۔ ہندوؤں کو تو پرم دیو ہی سُوجھتا ہے۔ جسکا جی چاہے پھولوں کو کاٹ کاٹ کر پنکھڑیاں پڑا گنے (Botany)۔ جس کا جی چاہے اُن سے عورت کی سیج سجائے۔ ہندو تو اُنہیں پُوجا کی خاطر عزیز رکھتے ہیں۔ اُنکو تو پیپل۔ تُلسی۔ گائے اور سانپ میں بھی دیوتا ہی درشن دیتا ہے۔ مچھلی اور کچھوا بھی اوتار دپیشوں ہیں۔ کُشا دُوب) اور بھوج پتر بھی پوتر ہے۔ کون چیز ہے جو آنند کند کی جلوہ گاہ دمظہر) نہیں۔ سچّا ہندو تو نارائن ہی میں رہتا سہتا اور بُود و باش کرتا ہے۔ ہیئت دانِ یورپ! آپ کو ستاروں کا زمینی نظر ۲ نا مبارک ہو اہلِ ہند تو وہاں نورُ الاعلے نور (The Light of lights) کو دیکھیں گے

ے جِت چڑھیا کُل عالم دیکھے * میں دیکھاں ابرو ماہی دا (دلدار)
ہُن کس کھنوں آپ چھپائی دا؟

فطرت دنیچر۔ مایا) دُوجی دوپٹّے پہ وارے نیارے (والہ و مفتون) جانے دو۔ اسی پر بس مت کرو۔ یہ مایا کا دوپٹّہ اُٹھا کر یارِ گُلرخسار پہ دِل

اور آنکھوں کو مجبُورا بنادو *

لہ مرا در دِل بغیر از دوست چیزے در نمی گنجد
بخلوت خانۂ سُلطاں کسے دیگر نمی گنجد (۱)

دُرونِ قصرِ دِل دارم یکے شا ہے کہ گر گا ہے
ز دِل بیرُوں زند خیمہ بہ بحر و بر نمی گنجد (۲)

اہلِ مغرب! انسانی جسم کے لہُو اور ہڈیوں سے ہاتھ ہُبت آلودہ کرلئے (اناٹومی- Anatomy)- آؤ اب اِس جسم میں جمال و جلالِ ذات کا مُشاہدہ کرنا سیکھو! *

हंसः शुचिषद्वसुरन्तरिक्षसद्धोता वेदिषदतिथिर्दुरोणसत्।
नृषद्वरसदृतसद्व्योमसदब्जा गोजा ऋतजा अद्रिजा
ऋतम्बृहत्॥

مطلب: آسمان کی طرف نگہ ڈالو۔ دِلبر ہنس (سُورج) بنکر جلوہ فگن ہے۔ آسمان اور زمین کے درمیان دیکھو پیارا واسُو (ہوا) بنکر مستانہ چال چل رہا ہے۔ زمین پر ہوتر (اگنی) کے بھیس میں ٹہلا رہا ہے۔ وُہی مہمان بنکر گھر میں آتا ہے۔ وُہی صُورتِ آدم میں جمال دِکھاتا ہے۔ روشنی میں وُہی چمکتا ہے۔ ویوم (ایتھر Ether) میں وُہ ہے۔ پانی میں وُہی (آبی جانوروں کے نام سے) پیدا ہوتا ہے۔ زمین پر وُہی (نباتات کی شکل میں) پیدا ہوتا ہے۔ قربانی میں وُہی

لہ میرے دِل میں دوست کے سِوا اور کوئی چیز نہیں سماتی ہے۔ بادشاہ کے خلوتخانہ میں کوئی دُوسرا آدمی نہیں جا سکتا * (۲) دِل کے مندر میں مَیں ایک ایسا بادشاہ رکھتا ہُوں (یعنی میرے دِل کے مندر میں ایک ایسا بادشاہ ہے) کہ اگر وُہ کبھی دِل سے باہر خیمہ گاڑے (یعنی اگر وہ کبھی دِل سے باہر آجاوے) تو سمندر و خشکی میں نہ سماوے (نہ سما سکے گا)

ظاہر ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر وُہی (ندی نالوں کے لباس میں) نکلتا ہے۔ وُہ حق ہے۔ وُہ اکبر ہے"

ے چنپہ میں چتر بھج۔ موتیئے موہن لعل
کیشوان میں کیشو۔ ارگنئے گردھاری ہے
گلاب میں گوپال لال۔ سوسنی میں سیام بجال
سیوتی میں سیتاپت۔ مروے مراری ہے
نرگس میں نارائن۔ دامودر داؤدی میں
کیوڑے میں کرشن روپ۔ سیام تن دھاری ہے
انت پھول پھولن میں۔ بھجو لیو انت رام
پھول پھول پات پات باسنا تمہاری ہے

اندریوں (حواس) سے برتر بھگتی شکتی بھرے سچے آنند۔ اور پوتر جیون کی بلندی (کیدیش) پر بکرنے والا (متقاضے ذاتِ قدس) ہندو شبد شاستر (دیاکرن۔ گرام) کیوں ہاتھ میں لیتا ہے؟ کیونکہ "پانینی" نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُس کا مضمون (شبد) نجات (مکتی) کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ مہاتما پنڈت جوتش شاستر (نجوم) کو کس لئے مطالعہ کرتا ہے؟ صرف اِس لئے کہ وید (یعنی روحانی ودیا) کا ایک انگ (جزو) ہے۔ دھرماتما برہمن کو اوشدھی (جڑی بوٹی رس وغیرہ) کے بنانے کرنے میں کیوں اُنس پیدا ہو جاتی ہے؟ کیونکہ اُس نے سُنا ہے کہ بعض دوائیاں شُدھ ستوگن کو بڑھاتی ہیں۔ اور بدیں وجہ پرمیشور سے ملنے کا سامان ہیں۔ اہلِ منطق اپنے نیائے شاستر کو ہنود کے مرغوبِ طبع کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ اگر اپنے گیان (علم حقیقت) کو

سنسار سے نجات دینے والا نہ بیان کرتے۔ ساہتیہ علم فصاحت و بلاغت، میں دل چسپی ہونے کا صرف یہی سبب تھا کہ اُس کے آچاریوں نے ساہتیہ کو صرف دھرم۔ ارتھ اور کام ہی کا سادھن نہیں ثابت کیا۔ بلکہ موکش دلانے والا بھی کہا ہے۔

ہندوؤں کی تقریباً تمام نظم دنیوی بکھیڑوں اور عشقِ مجازی کا تو نام ہی نہیں جانتی۔ اگر عشقِ مجازی کو کہیں دخل دے بھی دیا ہے تو پرمیشور کی بھگتی اور گیان اپنی جھلک دکھائے بنا نہیں رہی۔ ہندی بھاشا کا ایک شاعر تعریف تو اپنی معشوقہ کی آنکھوں کی کر رہا ہے لیکن بھگوان کے سارے اوتاروں کے نام بول گیا ہے۔

مچھ سم ہتھر تھرات	اُگرت در کچھ بھات
باون سے چھلیں کو	نشچے کر ہیرے ہیں
سانت نہ نہاریں پیا	پہاڑیں باراہ سم
اُڑ ہیں کو پرشرام	پھرت نہ پھیرے ہیں
تیکش نرسنگھ کدہوں	بودھ ابادو کو
تاد وے کو راگھنو	یہ گوال جیت ہیرے ہیں
موہو یکو موہن	کلنک رہن نہ کلنک
دسوں اوتار کدہوں	پیاری! نین تیرے ہیں

ہندو بلاغت تو بھگتی اور گیان کے سمرپن ہو چکی ہے عشقِ الٰہی اپنے سارے چمتکار دکھاتا ہے۔

لہ (Religion present in all its phases)

لہ مذہب اپنے ہر پیرایہ میں موجود ہے۔

راگ ودیا کیوں پیاری لگنے لگی ؟ کیونکہ نارد۔ یاگیہ ولک۔ گورنگ وغیرہ
مُنی لوگوں نے یہ شہادت دیدی کہ سام وید کے گائن ہیں کار آمد
ہونے کے علاوہ دیسے بھی بھجن۔ سنکیرتن۔ من (دنس) کو قابو میں لانے
کا آسان علاج ہو سکتا ہے ۔ ہندوؤں کے ہاں ناچنے کی کچھ قدر نہیں۔
لیکن پریم کے زور سے رام کے آگے ناچنے والا بھی رام کی طرح
پُوجا جاتا ہے ۔

ست ناچنا جو چاہے تو ناچ رگھو ناتھ آگے
گایا جو چاہے تو گوبند گن گاؤ ری
بھاگنا جو چاہے تو بھاگ مند کاموں سے
آیا جو چاہے تو رام شرن آؤ ری

بدن کو موڑنا توڑنا۔ قویوں کو حشت کرنا۔ جسم کو تپانا۔ ماس کو سکھانا
(یعنی ہٹھ یوگ کے آسن پرانایام وغیرہ) بھی منظور ہیں۔ کیونکہ یہ سُن
لیا ہے کہ اصلی دھام (حقیقی گھر) تک پہنچانے والی سیڑھی کا ہٹھ یوگ
بھی ایک ڈنڈا ہے ۔ مگر دیکھئے! چاندی سونا جس کا نام سُن کر سادہ
لوح لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ جس کے واسطے گھروں میں گٹ
پٹ اور ملکوں میں گڑبڑ مچتا ہے۔ وہ چاندی سونا ہندوؤں کے ہاں
حقیقی خوشی کو روکنے والا ثابت ہیں ہُوا۔ ودوان برہمنوں نے ثابت
کر دیا کہ تیاگ۔ ہیا ستاب وشے تیاگ۔ آنند اور مکتی کا ساوھن
(ذریعہ) ہے۔ سونا آدمے کی دوچیہ دھوکا کھانے پھرتے جاہلوں کو گو
سونا ٹیکت بھگوان سے بھی زیادہ تعظیم لائق ہو۔ لیکن دُنیا کا یہ
تمام پیسہ حقیقی سلطنت میں بیکار ہے۔ بلکہ خیر قروج اور کھوٹے

اُس مسند پر جگہ دے رہے ہیں۔ جس کو برہم ودیا زینت بخشتی تھی۔ کوہِ نور کو تاج سے اُتار کر اُس کی جگہ کوئلا رکھ رہے ہیں۔ کاش! تم اپنے سر کو آئینہ میں دیکھتے! ٭

اے یوروپین علوم و فنون کی بو سے حواس باختہ ہو جانے والے میرے عزیزو! تمہیں رام کہاں تک بتائے۔ تم خود ذرا ہوش میں آکر غور کرو تو پتہ لگے۔ کہ یہ سب ریلیں۔ تاریں۔ توپیں۔ بندوقیں۔ دُخانی انجن۔ کار خانے وغیرہ جن کی حمد و ثنا میں تر زبان ہو رہے ہو۔ ایک انچ بھر بھی پچھلے لوگوں کی نسبت آجکل کے لوگوں کو زیادہ خوشی نہیں دے رہے۔ سب ظاہری ہُو ہا۔ ہُو (vanity) ہی ہے ٭

رام یہ نہیں کہتا کہ پچھلے زمانہ کی بہلیوں اور یکّوں کو از سر نو رواج دو اور دُخانی اور برقی کلوں کو ہندوستان میں قدم نہ رکھنے دو۔ اُس کا یہ منشا ہے کہ اِن نو وارد مہمانوں کو مناسب قدر و قیمت پر لو۔ وہ بات نہ ہو کہ گھوڑا خریدا تھا اپنی سواری کے لئے اُلٹا ہم کو گرا کر پامال کرنے لگ پڑے۔ ردّی کے عوض پوتّر ماتا (برہم ودیا) کو نہ بیچ دو ٭ ایک دھیر ضروری) دِل لگی کی کھیل میں اپنی رُوح و جان کو مت بازی ہار دو ٭ سُکھ کی کھوج میں سُکھ کے پیچھے مت اُڑا دو ! موسم برسات میں پپیہا پانی کی بوند کے لئے بیقرار ہو کر اوپر کو اُڑتا ہے۔ لیکن برستے مینہ میں پیاسا رہتا ہے۔ پانی کی تلاش ہی پانی سے محروم رکھتی ہے۔ اِس برساتی جانور والا حال مت ہونے دو۔ ریچھ کی طرح یار کے منہ سے مکھی اُڑاتے اُڑاتے

یار کو تھپیڑ سے ہیجان مت کرو ÷

حساب میں ایک کسرِ عام کے شمار کنندہ کو بڑھا دینے سے رقم کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اگر ساتھ ہی نسب نما بھی اُس نسبت سے بڑھ جائے تو قیمت۔ ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے۔ مثلاً $\frac{3}{4}$ $\frac{12}{16}$ $\frac{15}{20}$ $\frac{75}{100}$ $\frac{45}{60}$ یہی حال مغربی فنون اور ایجادوں کا ہے۔ وہ شمار کنندہ (آرام وعیش کے سامان) کو بڑھانے کی فکر میں ہیں اور اس وسیلے سے "خوشی" کی رقم کو زیادہ کیا چاہتے ہیں

$$\text{خوشی} = \frac{\text{سامانِ آرام}}{\text{مجموعۂ خواہشات (یا ترشنا)}}$$

اہلِ ہند! اُن کی تقلید تو کرنے لگے ہو مگر دیکھنا کہ شمار کنندہ کو بڑھاتے وقت نسب نما (مجموعۂ خواہشات) اُسی نسبت سے نہیں بلکہ اُس سے بھی زیادہ نسبت سے بڑھتا جاتا ہے۔ جیسے آنند کی خاطر نشہ باز اُدھر افیون یا شراب کے استعمال کو روز بروز بڑھاتا جاتا ہے۔ اُدھر نشہ کی ہوس (اشتہا ضرورت) بھی ویسی ہی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جو لطف شروع میں بہت تھوڑی مقدار سے حاصل ہوتا ہے وہ مزا اب مقدارِ کثیر سے نہیں ملتا۔ عمر مفت بس برباد ہو جاتی ہے۔ افیون یا شراب کا محتاج خواہ مخواہ بننا پڑتا ہے ÷ یوں بھی تو دیکھو شمار کنندہ کو کہاں تک بڑھاؤ گے۔ عیش کے سامان کہاں تک جمع کرو گے۔ ظاہری سامان لامحدود کبھی نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ کسر کمی میں ہی رہے گی ÷ اس رقمِ خوشی کو بڑھانے کے لئے ہندوؤں کا طریق یہ ہے کہ ترشنا کو جو بمنزلۂ نسب نما کے ہے۔ کم کرنا

شروع کر دو۔ ترشنا (ہوس)، جُوں جُوں سمٹتی جائیگی۔ آنند بڑھتا جائے گا جب بالکل صفر ہو جائے گی۔ تو شمار کُشادہ خواہ کچھ ہو۔ خواہ نہ ہو کُل رقم لا انتہا ہو جائے گی۔ اور یہ ترشنا دسب غم، صرف گیان ہی کی بدولت مِٹ سکتی ہے اور کسی اُپائے سے نہیں ✤

ایک آدمی نے لیلیٰ مجنُوں کا قصّہ پڑھا۔ پڑھتے ہی مجنوں بننے کا شوق چرّایا۔ اپنی بیوی کو جواب دیکر لیلیٰ کی ایک تصویر بنالی۔ اور چھاتی سے لگائے پھرنا شروع کیا ✤ اَب مجنُوں والا عشق تو دِل میں تھا نہیں۔ البتہ مجنُوں کا معشوق فوراً لے لیا۔ تُف ہے ایسے مجنُوں بننے پر ✤ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ آجکل کے اہلِ ہند! اگر تم کو انگریزوں کی نقل کرنا ہی منظور ہے تو میرے پیارو! اُنکا عشق دہمت۔ استقلال۔ یکدلی) لے لو۔ اُنکا جنُون اختیار کر لو۔ لیکن اُنکا معشوق سیاہ لیلیٰ دُنیائے ناپائدار۔ لذّاتِ دُوں) مت لو ✤ مجنُوں اور فریفتہ بننا ہو لو اپنے گھر کی سراپا نُور برہم وِدیا (علمِ الٰہی) پر بنو۔ پہلو سے مہ پارہ کو اُٹھا کر زالِ جہان کی تصویر پر دیوانہ وشیدا ہونا تمہیں کلنک (داغ) لگائے گا ✤ ہاں اِس زالِ دُنیا کو اپنی ماہِ تمام (برہم وِدیا) کے ایک ادنیٰ خادمہ بنا لینے میں چنداں ہرج نہیں ✤

دِین گنوایا دُنی سے دُنی نہ چلی ساتھ
پیر کُلہاڑا مارِیا مُورکھ اپنے ہاتھ

स्वगृहे पायसं त्यक्त्वा भिक्षामटति दुर्मतिः

اپنے گھر کی ملائی کو چھوڑ کر بھیک مانگنے احمق کے سوا اور کوئی نہیں جاتا

تاریخ شہادت دیتی ہے کہ شکتی (طاقت) سے بھر دینے والی

برہم ودیا کی ہندوؤں نے جب کبھی ناقدردانی کی۔ اک پائی۔ بزرگئے ذات کو
بھول کر ہندو لوگ جب کبھی خود غرضی اور رخشت کے بس میں پڑے مرے
ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ! جسم کے کیچڑ سے نکل آؤ۔ اپنی ذاتِ
پاک میں طیرے لگاؤ - (शिवोऽहं शिवोऽहं شو وہنگ شو وہنگ) کے نعرے
بلند ہونے دو اور آنند کے کیلاش پر پوتر ॐ (اوم) کا پھریرا
لہرانے دو ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ
ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ ॐ

ہری سنگ بیاہ رچو رنگ رنگنا

آؤرے بمنا بیٹھو مورے انگنا	کھولو رے پوتھی بچارو مورے لگنا
گاؤرے سوہلے دیکھو شبھ شگنا	ہری سنگ مگن ہری سنگ سپنگ نہ

بموجب ادویت سدھانت بھگوان شنکر آتما میں ایوولیوشن یا انوولیوشن
(صعود و نزول) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ صرف مایا میں ہوتا ہے ؂
جیسے مکان کی چار دیواری سے پیدا شدہ تاریکی اُسی مکان کو چھپا
دیتی ہے۔ جیسے سورج ہی کی تیز روشنی سورج کو دیکھنے نہیں دیتی۔ جیسے
دریا سے پیدا شدہ پھین (کف) دریا کو محجوب کرلیتی ہے۔ جیسے رسن ہی
میں موہوم صورتِ مار رسن کو کھپا لیتی ہے۔ ویسے ہی برہم میں (اظہار
الماہیت یا سروپ ادھیاس سے) موہوم مایا (اسما و اشکال) برہم کو
غائب کر دیتی ہے ؂

لہ ہجومِ جلوہ ہم یکسر حجاب جلوہ ہست ایں جا
نقابے نیست دریا را مگر طوفان عریانی

لہ یہاں نور کی کثرت ہی نور کا حجاب ہے۔ دریا کو کوئی پردہ نہیں۔ بلکہ اُس کے
ننگے پن کا طوفان ؂

پھر جیسے آبِ دریا جھاگ کے بُرقع میں سے اپنی صدا بلند کرتا ہے۔ جیسے سورج حجابِ ابر کو منوّر کرکے پردے کے بیچ میں سے اپنے حُسن کی روشنی چھلکاتا ہے۔ جیسے چاند (اپنے گرہن) کے گھونگٹ میں سے مُنہ پرچھنیا دکھاتا ہے۔ جیسے رسّن مارِ موہوم میں اپنا طول اور موٹائی داخل کرتا ہے۔ جیسے شمع (دیپ) پردۂ فانوس (چمنی) کے اندر سے آنکھیں لڑاتا ہے

(سنسرگ اوتھیاس اظہارِ بالنسبت)

ویسے ہی برہم مایا کے حجاب میں اپنا نُور داخل کرتا ہے۔ یعنی نام رُوپ سنسار (اسماء و اشکالِ دُنیا) میں بحیثیت ست چت آنند (ہستی۔ علم۔ سرور) موجود ہوتا ہے ٭ جو چیز دُنیا میں نظر آتی ہے۔ اُس کے اسم و شکل کی تہ میں اصل حقیقت ست چت آنند کی ہی ہے ٭ ادویت سدھانت کے مطابق ایوولیوشن اس مایا (تعینات) ہی میں ہے۔ آتما میں ترقی تنزل چہ معنی ؟

مایا ظلمتِ شب کی کالی چادر چھا رہی ہے۔ ستارے جگمگا رہے ہیں۔ کسی کی مجال کیا؟ کہ اِن کی تعداد کا اندازہ لگا سکے۔ بل بے کثرت! ایک ہی پلنگ پہ ایک دُوسرے کی گردن میں باہیں ڈالے دُولہا دُلہن آرام میں پڑے ہیں۔ لیکن دُولہا تو ٹاؤن ہال لاہور میں امتحان کے پرچے لکھ رہا ہے۔ اور دُلہن اپنی دیورانی یا جٹھانی سے گِلہ اُلاہنا کی لین دین میں مصروف ہے۔ اَرے لو جنگ و جدل شروع ہو گیا!

چُپ رہ بی بی! چُپ رہ۔ تیرا شوہر امتحان کا پرچہ لکھ رہا ہے۔ غُل بند کر۔ اُس کو disturb ڈسٹرب مت کر (یعنی اُس کا حرج مت کر) اَرے لو! وہ چونک پڑا۔ نیند اُچاٹ ہو گئی۔ کیسا اِمتحان؟ کس کا

شاؤن ہال ؟ یہاں تو نازنین ہے اور آپ ہے۔ کمرے کے باہر آکر دیکھا تو کھر ہی کھر کے توڑے لگ رہے ہیں۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ صبح کا پیش خیمہ ابھی نہیں نظر آتا۔ ارے زُہرہ! تیرا سرود و رقص کیا ہوا؟ تمہارے ہمدم و ہمساز دستارگان) شادی کو بھول بیٹھے!

دُولہا میاں نے نوکر کو آواز دی۔ جواب ندارد۔ پاس جا کر دیکھا تو خواب خرگوش کے خراٹے بھر رہا ہے۔ ہمارے نوجوان کی چھوٹی سی چھاتی میں طُوفان بپا ہو گیا۔ طبیعت میں ایک فوری جوش پیدا ہو گیا۔ چہرہ ڈراؤنی رات سے بھی زیادہ مہیب بن گیا۔ نوکر کو بُری طرح جگایا۔ اور کان کھینچ کر تاکید کی کہ اب آنکھ نہ جھپکے۔ ہُشیار رہے۔ رات بڑی ہولناک اور بھیانک ہے۔ سب طرح کا ڈر ہے وغیرہ * اِدھر نوکر بیدار و بیزار ہُوا۔ اُدھر آقا صاحب پڑھنے کے کمرے (study) میں گھُسے۔ لیمپ روشن کر کے Bain's moral Science۔ (بین کا علمِ اخلاق) پڑھنے لگے۔ کوئی آدھا صفحہ پڑھا ہو گا کہ آنکھ لگ گئی۔ پَیر فرش پر کمر کُرسی پر۔ اور سر کتاب کے اُوپر میز پہ دھرے بیہوش پڑے ہیں * اِن کو تو نیند کی گرم گود میں چھوڑو۔ اب باہر ٹھٹھرتے ہوئے ملازم کی خبر لو۔ وُہ بچارا سخت جد و جہد میں پڑا ہے۔ بلکہ جنگ و جدل میں لگا ہے * کس سے لڑ رہا ہے؟ کیا چور گھر میں آ گھُسے؟ نہیں خواب کے مقابلہ پر اڑا ہے۔ نیند سے زور آزمائی کر رہا ہے۔ آنکھیں مَلتا ہے۔ جمائیاں آتی ہیں۔ انگڑائیاں لیتا ہے۔ ہائے کب توپ چھُٹے گی۔ تڑکا ہو گا۔ صبح مُنہ دِکھائے گی؟ بار بار آسمان کو تکتا ہے۔ رات کٹتی ہی نہیں۔ کبھی ٹہلنا شروع کرتا ہے۔

پھر مارے ٹھنڈ کے چارپائی کی پناہ لیتا ہے۔ "ہاں خوب سُوجھی۔ گانا شروع کرو۔ وقت معلوم نہ دیگا" ساتوں سُر ملے ہوئے آواز سے گانے لگا

نیند تو ہے بیچونگی آلی | جے کوئی گاہک ہووے
آئے سنتے موہنا پھر گئے انگنا | میں بیرن رہی سوئے
نیند تو ہے بیچونگی آلی
شور داس پہ بھو اب جو ملو گے | راکھونگی نین سموئے
نیند تو ہے بیچونگی آلی

گانے کی آواز سن کر کمرے کے اندر بابو بھی جاگ پڑا اور پڑھنے لگا نوکر لہرا لہرا کر گا رہا ہے۔ اپنی دُھن میں مست ہو رہا ہے۔ صبح اور شب کو بالکل بھول بیٹھا ہے ٭

خیر اُسے بھولنے دو۔ لیکن پیارے ناظرین! ہم تو (हंस) سورج بھگوان کی آمد آمد نہیں بسارینگے ٭ فرحت بخش روشنی چپ چاپ اِس نفاست کے ساتھ سورج سے زمین پر گرتی جاتی ہے جیسے ایک بلند پرواز عقاب (ہنس) کا سفید پر جھڑا ہُوا رہ رہ کر آہستہ آہستہ زمین سے آلگتا ہے۔ برخلاف اِس خیال کے جو Long fellow نے ذیل کے اشعار میں ظاہر کیا ہے ٭

The day is done and the darkness
Falls from the wings of night,

۱؎ دن ختم ہو گیا اور تاریکی رات کے بازوؤں سے اِس طرح برسنے دھم سے یا گرنے لگی۔ جیسے کہ اُڑتے ہوئے عقاب پرندے کا پر نیچے گرتا ہے ٭

As a feather is wafted downward
From an eagle in his flight

مرغانِ سحر خیز سے اپنے نورِ دِل و دیدہ کے آنے کی خبر سُن کر فرطِ شادی کے باعث زمین کے آنسو (اوس) نکل پڑے ہیں۔ یا یُوں کہو کہ ہنس (سورج) کے علوفہ کی خاطر موتیوں کے تھال بھر کر عروسِ فطرت پیش کر رہی ہے ۔ یہ کہر اور بخاراتِ آبی ہیں کہ انتظارِ وصل میں زمین اپنے دِل کے بخار نکال رہی ہے۔ لیکن یہ شکوے شکایتوں کے ڈھیر تو یار کا رُخِ انور دیکھنے سے پہلے ہی رفع ہو جاتے ہیں ۔

ے دِل ڈھیر بخاروں کے لگاتا ہے فضا میں
اُڑ جاتے ہیں خورشید سا جب رُو نظر آیا

لہ گفتہ بُودم کہ چو آئی غمِ دِل با تو بگویم
چہ کنم کہ غم از دِل برود چو تو آئی

ٹے عمرے شُدہ روزے بہ رُخت سیر ندیدیم
زیرا کہ تو مے آئی و من میروم از ہوش

ے کہنے دیتی نہیں کچھ مُنہ سے محبت تیری
لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری
یاد سب کچھ ہتے ہیں ہجر کے صدمے ظالم!
بھُول جاتا ہُوں مگر دیکھ کے صُورت تیری

لہ مَیں نے کہا تھا کہ جب تو آئے گا تو دِل کا غم تجھ سے بیاں کروں گا۔ مگر کیا کروں کہ جب تُو آتا ہے تو دِل سے غم بھاگ جاتا ہے ۔

ٹہ عمر گذر گئی لیکن ایک دِن بھی تیرے چہرے کو دِل بھر کر نہیں دیکھا۔ اِس لئے کہ جب تُو آتا ہے تو مَیں بیہوش ہو جاتا ہُوں ۔

شہسوارِ اُفق شعاعوں کے نیزے ہاتھ میں لئے اپنے رخشِ زریں کو اُڑاتا چلا آتا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی سیاہ تاریکی کے من چلے بہادروں نے رکتھے ہوکر جان توڑ مقابلہ (desperate struggle) پر کمر باندھی سردی ساری رات کی نسبت زیادہ ہو گئی۔ نیند اور غفلت نے گو رات بھر کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ لیکن صبح کے وقت ٹھیکس ستانی اِس حیلہ بازی سے شروع کی کہ دُنیا بھر میں کوئی امیر بچنے نہ پایا۔ دُھند کے دَل بادَل نے اندھیرے کی مدد (کمک) کو آکر بڑے گھمنڈ سے ڈیرے ڈال دیئے ۔ اَے لو! بادل بھی مارے وَلولے کے پیشانی میں سلوٹیں ڈالے آ موجود ہوئے۔ آنکھیں دِکھانے لگے۔ اور گرج گرج کر ڈرانے لگے ۔ رات کے شروع میں کیا ہی من بھانی چاندنی چٹک رہی تھی۔ اب نہ در نہ تاریکی چھا رہی ہے ۔

رِم جھم رِم جھم مینھنا برسے۔ آ رے بادر کارے

غفلت اندھیرا اور دُھند وغیرہ کی فوجیں سُورج کے اقبال کو غارت کرنے پر کیسی تُلی ہُوئی ہیں! کیا سچ مچ سورج کے رَتھ کو روک لیں گی؟ اگر ایسا ہو گیا تو دُنیا کا کیا حال ہوگا! کاش! سُورج کی جَے ہو! پیارے! گھبراؤ نہیں۔ کہاں تو افسرانِ ظُلمت اور کہاں آفتاب۔ مُقابلہ ہی کیا؟ ملکۂ شب (رات رانی) کے جنگی لاٹ لاکھ زور ماریں۔ سُورج کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ چِنا اُچھل اُچھل کر بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا ۔ آفتاب اور چھپا رہے۔ خیال میں بھی نہیں یہ سکتا ۔ مہرِ تاباں اور مُقابلہ سے اُس کا بگاڑ ہو بالکل لا یعنی ہے ۔

وہ دیکھنا! ابروں کے نہ در نہ خود کو کاٹ کر۔ کہر کے زرہ بکتر کو

چیر کر۔ اس کی کرنوں کے خنجر زمین کی چھاتی کو سُرخ کرنے لگے۔
نُصرت نصیب شاہنشہِ فلک جلوہ افروز ہُؤا ٭
نئی روشنی والو! یاد رکھو۔ جہل کی کالی رات سیاہ کاری کا
باعث ہوتی ہے[1] Deeds of darkness are committed in
the dark اور جب اِس کا انت آنے لگتا ہے تو بلا کا جنگ و
جدل کرواتی ہے۔ لیکن یہ جنگ و جدل نورِ درخشاں کے بڑھنے کی
عِلت (cause۔ سبب) ہرگز نہیں ہے۔ سُورج نے تو نکلنا ہی
نکلنا ہے۔ رُک نہیں سکتا ٭ مطابق رامائن تمہارے اندر کے آفتاب
(ہنس آتما) نے سُستی کی سدِّ راہ کو چیر پھاڑ اور غفلت کے پردوں
کو چھن بھن کرکے بہر صُورت ظاہر ہونا ہی ہے۔ اِس جیو آتما کا بیحساب
بھرا ہُؤا زور ایوولیوشن (ارتقاء) کا باعث ہے ٭ اِس ذاتی جوہر کے
سبب سے چیونٹی۔ بچھو۔ سانپ۔ بلی۔ بندر وغیرہ جسموں کی منزلوں کو طے
کرتا ہُؤا یہی جیو آتما جسم انسانی تک عروج پاتا ہے۔ اور یہی آتما
اپنی ذاتی تجلی کی بدولت تاریکئ جہل کو کالعدم کرکے گیان وان
کے رُوپ میں آفتاب کو یُوں خطاب کرتا ہے

पूषन्नेकर्षे यम सूर्य प्राजापत्य व्यूह रश्मीन् समूह।
तेजो यत्ते रूपं कल्याणतमं तत्ते पश्यामि। यो ऽ सावसौ
पुरुषः सो ऽ हमस्मि॥ (یجروید۔ ایشاواسیہ اپنشد۔ منتر ۱۶)

مطلب: ۔ اے پرورش کنندہ۔ یکتا۔ سالک۔ عادل۔ اے مخلوقات میں
سب سے بڑے آفتاب! ہٹا دے اپنی شعاعوں کو۔ سنبھال لے اپنی روشنی

---

[1] تاریکی (جہالت) کے کام اندھیرے (جہالت) میں ہی کئے جاتے ہیں ٭

کو تاکہ میں تیری مبارک شکل دیکھوں تو سہی۔ (۱۶) جو تیری ذات ہے وہی میں ہوں"۔

جو تُو ہے سو میں ہوں۔ جو میں ہوں سو تُو ہے۔ بلکہ میں ہی میں ہوں تُو کہاں ہے؟

۲۵ خاکِ پستی سے اگر دامن ترا ہمدم نہیں	یہ فضیلت کا نشاں اے نیرِ اعظم نہیں
۲۶ تُو اپنی تجلّی کا اگر محرم نہیں	ہمسرِ یک ذرّۂ خاکِ درِ آدم نہیں

نورِ مسجودِ ملک زیبِ تماشا ہی رہا
تُو سدا منّت پذیرِ صبحِ فردا ہی رہا

ایوولیوشن کے بارے میں بھگوان شنکر کا شری رامانج سے اتنا ہی اختلاف ہے جتنا کہ علم ہیئت میں heliocentric (مرکز المہری (सूर्य केन्द्रक - اور geocentric (مراکز الزمینی) भू केन्द्रक) کے درمیان ہے۔ جہاں تک بیوہار دکاروبار) کا تعلّق ہے۔ بھگوان شنکر کے ہاں شری رامانج والی ساری تشریح قائم رکھی گئی ہے۔ لیکن اصل حقیقت کو چھپائے نہیں رکھا۔ اور بہت ہی خوب روشن ڈھنگ پر دکھایا ہے کہ جیسے آفتاب مشابِ شب کو کافور کرتا۔ اُفق سے نصف النہار تک صعود کرتا۔ اور برجوں میں عروج کرتا معلوم دیتا ہے لیکن فی الواقع کبھی طلوع ہوتا ہے نہ غروب۔ نزدیک آتا ہے نہ دُور جاتا ہے۔ ہلتا ہے نہ جُلتا ہے۔ سدا اپنے جلال میں یکساں مسرور رہتا ہے۔ ویسے ہی فی الحقیقت آتما کبھی گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ اُس میں ایوولیوشن ہے نہ انوولیوشن۔ عروج ہے نہ زوال۔ ترقی ہے نہ تنزّل۔ سدا ایک رس اپنی مہما میں مست پڑا

ہے ہر گوہ تاریکی کی صفوں کو توڑتا اور سیاہ جہل کو شکست دیکر روز پُرضیا دیعنی اپنا مبارک راج) چاروں طرف پھیلاتا معلوم دیتا ہے لیکن یہ ایوولیوشن صرف مایا میں ہے۔گھوم تو رہی ہے زمین اور حرکت منسوب کی جا رہی ہے آفتاب کو۔اٹھ تو رہا ہے رُخ جاناں کا نقاب۔لیکن عاشق حواس باختہ کے زعم میں دِلدار کا چہرہ بڑھ اور پھیل رہا ہے۔ دوڑ تو رہا ہے بادلوں کا حجاب۔لیکن بچے اُسے چاند کا چلنا سمجھ کر گھٹنوں پڑے گھورتے ہیں۔" وہ دیکھو چاند کس تیز گامی سے دوڑا جا رہا ہے (تالیاں بجاکر) آہا! وہ بادلوں سے نکل آیا! وہ بادلوں سے نکل آیا!!

؎ رُخِ پُر ضیا کے نظارے نے مجھے بیا مجنوں بنا دیا ✤
ترے صدقے صدقے میں نازنیں تو نے بُرقع مُنہ سے اُٹھا دیا

यथा चन्द्रिकाणां जले चंचलत्वं
तथा चंचलत्वं तवापीह विष्णो। (شنکر ستوتر)

مطلب: جیسے در اصل دریا کی موجیں تو کُودتی پھاندتی دوڑتی بھاگتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن بادی النظر میں چاند ناچتا اُچھلتا متصوّر ہوتا ہے ویسے ہی ایوولیوشن صعود و عروج وغیرہ تو مایا میں ہیں لیکن غلطی سے آتما میں متصوّر ہوتے ہیں"؛

پانی ہی میں بُلبلے تیار ہوتے اور نیست ہوتے ہیں۔ اُنکا نظر آنا اور رنگ دکھانا گو سب روشنی ہی روشنی ہے۔لیکن پھر بھی روشنی اِن تبادلات و تغیرات سے مُبرا ہے۔

ل حباب وار زبہر تماشا آمدہ ایم ✤ کہ سر کشیم و نگاہے کنیم و آب شویم

ل بُلبلہ کی طرح ہم تماشا دیکھنے آئے ہیں تاکہ سر بلند کریں۔ دیکھیں ادھر اُدھر اور پھر وہی پانی ہو جائیں ✤

جیہم جاؤنا آؤنا نہیں اوتھے — کوہاں وانگ ہمیش اڈول ہے جی
جویں تیراں وچ چلے چند چاڑا — لگے بالکاں نوں ایہہ بھول ہے جی
چلے دیہہ اندریہ من پران آدِک — اوہ ویکھنے ہار اڈول ہے جی
بلھا شاہ سنبھال خوشحال ہو جے — عین عارفاں دا ایہو بول ہے جی

۴ آتما کے اسنگ (بے بدل-غیر متغیر) ہونے کو سانکھیہ شاستر نے بھی بڑے زور سے قبول کیا ہے۔

असंगो ऽयं पुरुषः इति। (سانکھیہ درشن-شروع سے سوتر ۱۵)

ترجمہ:- "یہ پُرش (آتما) بے تعلق ہے"

سُن شبہ ناہیں ذرا اک اس میں — سدا اپنا آپ سروپ ہے جی
نہیں گیان اگیان دی ٹھور اوتھے — کہاں سُشور (سورج) میں چھاؤں اور دھوپ ہے جی
پڑا بیچ کے ماتھ ہے سہی سویا — کوڑ (کھوٹے) سوہن کا رنک (نقلی) اور بھوپ (راجہ) ہے جی
بلھا شاہ سنبھال جد مول ویکھیا — ٹھور ٹھور میں وہی انوپ ہے جی

۵ بلھا شاہ توں بھوپ اچل بیٹھا — تیرے آگے پرکرت کا ناچ ہے جی

آتما کے اسنگ ہونے اور صرف پرکرتی (فطرت) ہی کی ترقی و عروج پذیر ہونے کو پنڈت ایشور کرشن نے غضب کی شاعرانہ نازک خیالی کے ساتھ اپنے مستند گرنتھ (سانکھیہ تتو کارکا) میں دکھایا ہے۔

रङ्गस्य दर्शयित्वा निवर्तते नर्तकी यथा नृत्यात्।
पुरुषस्य तथात्मानं प्रकाश्य विनिवर्तते प्रकृतिः॥ (کارکا ۵۹)

مطلب:- بہروپئے (نٹ) لوگوں کا دستور ہے کہ بھیس بدل کر امیروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ لیکن تبدیل شدہ لباس و صورت کے تلے یہ آرزو اُن کے دل میں نہایت مضبوط ہوتی ہے کہ تماشا دکھاتے ہی جس طرح

بَن پڑے اپنا اصلی رُوپ بھی کھول دیں۔ چنانچہ یہ دیکھ کر کہ بَن اب چکما
جَل گیا۔ منتر کار گر ہُوا۔ جھٹ سلام کرتے ہیں اور دُعا دیتے ہیں "بڑے
بڑے اقبال! اٹل پرتاب! راج پاٹ قائم! گھوڑوں جوڑوں کی خیر!
پرمیشر بنائے رکھے! وغیرہ" * یہی حال پرکرتی (فطرت۔ نیچر) کا ہے۔
پُرش (ذاتِ انسان) کو دھوکا تو دیتی ہے۔ لیکن جی میں یہ ٹھانے ہے
کہ اپنا آپ چھپایا تو سہی۔ اب جُوں تُوں کرکے دِکھا بھی دُوں۔ راز
کھول ہی دُوں *
ہاں سچ ہے۔ جیونٹی بندر وغیرہ کے جسموں میں اگر پُرش نے نیچا دیکھا
اور دُکھ پایا تو پرکرتی کی بدولت۔ انسانی جامہ پہنا۔ تو پرکرتی کی بدولت۔
گیان وان (عارف) کہلایا تو پرکرتی کی بدولت۔ جب مُقیّد اور بیچ ہونے
کے خیال کا کُفر ٹُوٹا اور یہ جان پڑا کہ مَیں مُبرّا ہُوں۔ پاک ہُوں۔
بے لوث ہُوں آزاد ہُوں ؏

असंगो ऽ हमसंगो ऽ हमसंगो ऽ हं पुनः पुनः ।

یہ بھی پرکرتی کی بدولت *
اِس گیان کے حاصل ہونے پر پرکرتی پُرش کو چھوڑ کر اپنی راہ لیتی
ہے اور پُرش عین مسرور اپنی ذاتِ مُطلق میں رہ جاتا ہے * یہی نجات
(مُکتی) ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ پرکرتی سب کوتک دکھا آپ ہی ہٹ جاتی
ہے۔ کاش اِس پرکرتی پُرش کے ویوگ (جُدائی۔ طلاق) کی گھڑی
جلد ہی نصیب ہو! یہ یوگ شاستر کی غرض ہے *
لفظی ترجمہ کارکا مذکورۂ بالا کا:۔ "جیسے کنچنی محفل میں اپنا جب

ؔ مَیں لاتعلق ہُوں۔ آزاد ہُوں۔ میں حقیقتاً لاتعلق ہُوں *

پُورا پُورا ناچ دکھا چکتی ہے تو خود ہی ہٹ جاتی ہے۔ ویسے ہی پرکرتی جب اپنے تئیں پُرش کے آگے ظاہر کر دیتی ہے۔ تب آپ ہی چھوڑ جاتی ہے"۔

ٹھگنی مار آستین بنی کسی کے ساتھ جا رہی ہو تو فریب آمیز باتوں سے بہتیرا دل لبھانے کے جتن کرتی ہے۔ پر جب اُسے یہ خبر ہو جائے کہ انہیں میرے ٹھگنی ہونے کا پتہ لگ گیا ہے۔ تو گدھے کے سینگ کی طرح مفقود ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح پرکرتی (دُنیا) کی قلعی کھل جانے پہ پُرش کی فوراً خلاصی ہو جاتی ہے۔

اب نہیں معلوم ہمارے مہاتما پنڈت ایشور کرشن جی مہاراج کس طرح اس فاحشہ رنڈی (پرکرتی) کے کرشموں کی چَھیں لیکر اُس کے وکیل بن بیٹھے۔ فرماتے ہیں

नानाविधै रूपायैरुपकारिण्यनुपकारिणः पुंसः ।

गुणवत्य गुणस्य सतस्तस्यार्थमपार्थकं चरित ॥ (۶۰)

ترجمہ:۔ "پرکرتی تو پُرش کی طرح طرح کی خدمت بجا لاتی ہے۔ لیکن اُس کے صلے میں پُرش کوئی مُروت (اُپکار) نہیں کرتا۔ پرکرتی گنوں والی (اوصاف والی) ہے۔ پُرش نرگُن (بری از اوصاف) ہے جبھی تو پرکرتی کی حمیدہ اوصافی دیکھو۔ احسان فراموش (پُرش) کے حق میں کیسی کوشاں اور سرگرم ہے"۔

اس مضمون کو ایک اور پنڈت جی مہاراج نے بے نظیر طریق سے ہندی نظم میں پرویا ہے۔ گو راقم کو تعجب آتا ہے کہ بزرگ پنڈتوں کے ہاں عورت کا کچھ ایسا راج کیونکر آ گیا۔ کہ عورت (پرکرتی)

کے گیت گاتے تھکتے ہی نہیں ۔ بات بات میں بھوجی کو پردھان بنا لیا

بھجن

لکھو یہ دُولہا دولہن کیسے (ٹیک)

اُتی بے میل بچتر بھاو کے۔کہوں لکھے نہیں کیسے

دُلہن اتی ہی سُگھر سہاون۔ جوبن آن ایسے

دُولہا یا ہی لِکھت "چپ" کو ہوئے بیٹھو اجتک جیسے

دُلہن آتی گُن ونت بچتر تیوں ہاو بھاؤ ہو ویسے

دُولہا گُن کی بات نہ جانے۔ پُورو "گوبر گنیشے"

سبکی ایک دُلہن۔ بھو دُولہا۔ پر مُیرے ایک ایسے

دُلہن ہی بھو ناچت گاوت وے سب جیسے کے تیسے

راقم۔ صرف اِتنا پُوچھتا ہے کہ مہاراج وکیل صاحب! "میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی" جب خود پر کرتی اپنا رقص و سرود۔ اپنی اٹکھیلیاں۔ اپنا سبھی کچھ پُرش کی ایک نگاہِ ناز کے عوض بیچ دینے پر راضی ہے تو آپ کون ہیں اُس کی سفارش کرنے والے؟ طلبے نہ بُلائے وکیل بن کے آئے Unsolicited Solicitor بس ایک نگاہِ غلط انداز! اَور کچھ نہیں! اِس پر تمام دُنیا (پرکرتی) کے تن من دھن کا سودا ہو گیا (Bargain struck)

[1] مست گشتم از دو چشم ساقیٔ پیمانہ نوش

الفراق اے ننگ و ناموس الوداع اے عقل و ہوش

---

[1] میں پیالہ پلانے والے ساقی کی دونوں آنکھوں سے مست ہو گیا۔ اے ننگ و ناموس! پرے ہٹ اور اے عقل و ہوش! دُور ہو

ملہ یارب ایں چشم مست یا جادو مست کز کیفیتش

ہمچو دریائے محیط ایں قطرہ ہم آمد بجوش۔

ے اِس جوگی دے نین کٹورے | باجاں وانگن لیندے ڈورے

رانجھا جوگی تے میں جوگیانی | اُس دی خاطر بھرساں پانی

ہائے شرابِ نگاہ! چشمِ فتنہ انگیز! تُونے غضب کیا! نہ صرف ارے مستی کے پرکرتی کو طرح طرح کے ناچ نچائے بلکہ تیری بدولت نزاکت کے پُتلے اور نقطہ دہن پُرش کو پرکرتی کے دل جگر اور ہر ہر مُوتک قدم رنجہ فرمانا پڑا۔

ے کوٹھے سے نزاکت تو اُترنے نہیں دیتی

تم آنکھوں سے دل میں مرے کیونکر اُتر آئے

ے کوٹھے توں چڑھ پائیا جھاتی | دو نیناں دی رمز پچھاتی

ے ڈھلہ گیا نی جانی لُوں لُوں دے وِچ

ہائے ڈھلہ گیا نی سوہنا لُوں لُوں دے وِچ

سانوں ذرا کُو جلوہ دکھا گیا نی

یہ نظر بازی کیا بلا تھی۔ اِدھر پرکرتی میں تلملاہٹ ڈالدی۔ اُدھر پُرش بچارا اپنے تیرِ نگاہ کے ساتھ ہی پرکرتی کے ہر رگ و ریشہ میں جاگرا۔ اِدھر دیدۂ سحر فن کا نیزہ بچاری پرکرتی کے جگر میں کُھبا اُدھر پُرش اُسکے قلب میں اسیر ہوگیا

ے ابروئے کہکشاں بھی انوکھی کمند ہے

میں قید ہو اسیر جو دیکھوں اُدھر کو میں

سلہ یارب یہ آنکھ ہے یا جادو ہے کہ اس کی کیفیت سے یہ میرا قطرہ دل کہ کا آنشی احاطہ کرنے والے دریا کی مانند جوش میں آگیا ہے ❊

ہائے قیدِ تنہائی

؎ اپنا یہ دعوےٰ نہیں دِل میں کوئی تیرے سوا
اُن کا یہ الزام! اچھی قیدِ تنہائی ہوئی۔

اگر بھولا بھالا پُرش بیمروّت تھا تو بھی اُس کا دامن الزام سے بالکل پاک ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے لئے سزا پرکرتی کو آپ بتادی +

؎ زنداں میں جو زندہ بھیجا ہو + اپنے دِلِ تنگ میں جگہ دو
اے پُرش یُوسف! یہ کیسی قید ہے! زُلیخا کا آئینۂ دل قیدگاہ بنا ہے +

؎[1] نیاید جز خیالت در دِل من + بجز یُوسف سرِ زنداں کہ دارد؟
؎[2] یُوسفِ گم گشتہ را بیروں مجوے + در دُرونِ چاہ دِل یابی سُراغ

یہ عکسِ یار ہے جو زُلیخائے پرکرتی کے اندر داخل ہوکر دُنیا رُوپی قیامت ڈھاتا ہے۔ یہی عکس قطرۂ منی کی طرح پرکرتی کے بطن میں ٹھیرکر شکلِ موجودات میں پیدا ہوتا ہے +

گیان آئے پیچھے پرکرتی کے کلول بند ہو جانے کو انوکھے ڈھنگ سے ذیل میں بیان کیا ہے

प्रकृतेः सुकुमारतरं न किञ्चिदस्तीति मे मतिर्भवति या दृष्टास्मीति पुनर्न दर्शनमुपैति पुरुषस्य ॥ (کارکا ۶۱)

ترجمہ: "میری رائے میں پرکرتی غایت درجے کی حیا اور شرم والی ہے۔ جب اُسے ذرا گُمان گُزرتا ہے کہ میں دیکھی گئی ہوں۔ تو بس پھر پُرش کے رُو برُو بھولے سے بھی نہیں آتی" +

---

[1] تیرے خیال کے سوا میرے دِل میں اور خیال نہیں آتا ہے۔ یوسف کے سوائے قیدخانے کا خیال اور کون رکھتا ہے +

[2] گُم ہوئے یُوسف کو باہر مت ڈھونڈھ۔ دِل کے کنوئیں (چاہ) میں تُو اُس کا نشان پائیگا +

تشریح۔ جیسے کوئی راجکماری راج محل کے جھروکے میں بیٹھی سنگار کر رہی ہو تو جہاں تک اُسے یہ خیال رہتا ہے کہ مجھے کوئی مرد نہیں دیکھ رہا اپنے بناؤ سنگار میں لگی رہتی ہے۔ جونہیں اُسنے یہ سمجھا کہ مجھے پرش نے دیکھ لیا ہے۔ جھٹ کھڑکی بند کی اور ایسی چھپت ہوئی کہ پھر صورت نہیں دکھاتی ؛ یہی حال پرکرتی کا ہے۔ جب یہ جان پڑا کہ میرا گیان (علم) ہو گیا ہے۔ پھر نہیں رہتی ؛ جونہیں عارف نے اُسے یوں خطاب کیا کہ :۔

لے زالِ جہاں شنو سخن عشوہ نازکی مکن

دِل بتو نیست مبتلا تن تلملا تلا تلا

وہیں زبانِ حال سے یہ صدا بلند کرتی ہوئی

لے کہ من نیستم آنچہ ہستی توئی ؛ کہ من نیستم ہرچہ ہستی توئی

لے ہم اِسم توئی و ہم مسمیٰ ؛ عاجز شدہ عقل دین معما

پُرش میں فنا ہو جاتی ہے۔ ایک پُرش ہی پُرش رہ جاتا ہے

لے جائے خود چوں مُہرۂ شطرنج خالی می کنم

دُشمن من می شود در خانۂ ما میہماں ؛

لے اے جہان کی بڑھیا (یعنے دُنیا) بات سُن۔ نخرے نخرے مت کر۔ میرا دل تیرے میں مبتلا نہیں۔ تن تلملا تلا تلا (سارنگی کا بول)

لے کہ میں نہیں ہوں۔ جو کچھ ہے تو ہی ہے کہ میں حقیقتاً کچھ نہیں تو ہی اصل میں ہے

لے تو ہی نام اور تو ہی نام والا ہے عقل اس رمز (پیچیدگی) سے عاجز ہوئی ہے ؛

لے شطرنج کے مُہرے کی طرح جب میں اپنی جگہ خالی کرتا ہوں تو میرا دشمن میرے گھر میں میہمان ہو جاتا ہے ؛

ت دکھایا پرکرتی نے ناچ پُورا | صلے میں آڑ گئی اُسے بے ستم ہے
غلط گفتی شکایت کی نہیں جا | بنی خود پُرش وہ عدل و کرم ہے

तस्मान्न बध्यतेऽसौ न मुच्यते नापि संसरति कश्चित्।
संसरति बध्यते मुच्यते च नानाश्रया: प्रकृति:॥ (کارکا ۶۲)

ترجمہ:۔ پس یقیناً کوئی بھی شخص در اصل نہ تو مقید ہوتا ہے۔ نہ نجات پاتا ہے۔ نہ آواگون کے ماتحت ہوتا ہے۔ پرکرتی ہی سب پُرشوں کے آگے پھنستی ہے۔ آزاد ہوتی ہے۔ اور تناسخ میں گھرتی ہے" ۞

تشریح:۔ جیسے درحقیقت سپاہ ہارتی جیتتی اور لڑتی ہے۔ لیکن کہا یہ جاتا ہے کہ بادشاہ ہارا۔ جیتا اور لڑا۔ ویسے ہی گو کہا یُوں جائے کہ پُرش (آتما) قیدِ حیات میں پھنسا۔ مُکت ہوا۔ یا آمد و شُد میں رہا تھا پر فی الواقع پرکرتی پابند ہوتی ہے۔ رہائی پاتی ہے۔ یا دُکھ سہتی ہے۔ آتما ہرگز آلودہ دامن نہیں ہوتا ۞ جیسے ناریل کی "جل گھڑی" تو پانی میں بندھی رہتی ہے۔ تیرتی ہے۔ اور ڈوبتی ہے۔ پر اُس کے ڈُوبتے وقت پٹتا گھڑیال ہے۔ گجر بجنے لگی۔ ویسے پرکرتی (جسم وغیرہ) تو پرورش۔ حبس اور چھٹکارا میں آتی ہے۔ لیکن نام پُرش کا ہوتا ہے ۞ مر تو گیا جسم۔ نادان لوگ کہہ اُٹھے کہ فلاں پُرش مر گیا۔
"پُرش انیک ہیں" سانکھیہ والوں کی یہ غلط فہمی جتانے کے لئے راقم کا صرف اتنا ہی سوال ہے کہ ایکانت (تنہائی) کی بلندی پر چڑھ کر گیان کی دُوربین لگا کر ذرا بتاؤ تو سہی "کبھی لا محدود بھی ایک سے زیادہ ہو سکتا ہے"؟

یہاں پر اِیوولیوشن (ارتقاء) کے متعلق چند حروف اور لکھ

دیتے واجب ہیں ؂

عزیز من! ٹنڈل۔ کومٹے۔ ہیلم ہولٹز (Tyndall - Comte & Helm Holtz -) کو پڑھتے پڑھتے یہ پیارا سر آپ کا کچھ چکرایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہیں۔ آؤ تفریح کے لئے گنگا کنارے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائیں۔ یہ کیسی صاف تخت کی مانند ٹیلا ہے۔ اِس پر تشریف رکھئے گا۔ ہوا کیسی رہ رہ کر چل رہی ہے۔..................

انگریزی خواں (بیٹھ کر) مہاراج سائینس تو یہی جتاتا ہے کہ زور آور طاقت سے کام لیکر اپنے حقوق کو قائم رکھنا اپنی فضیلت کو بڑھائے جانا اور زندگی کا لطف اٹھانا ہمارا عین فرض ہے۔ ایسا کرنے میں اگر کسی کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اپنی نادانی اور کمزوری کی سزا خود پا رہا ہے۔ ہیں کیا؟

رام :۔ بھگون! ایک بات میں تو ہندو شاستروں کا تمہارے سائینس کے ساتھ بالکل اتفاق ہے۔ شاستر بھی حکم دیتے ہیں کہ اپنے حقوق کو قائم رکھنا اور اپنی فضیلت کو برقرار رکھنا انسان کا سب سے اعلیٰ اور سب سے اوّل فرض ہے دُکھوں کا دُور کرنا اور پرم آنند (راحتِ کُلّی) کا حاصل کرنا یہی برہم ودیا کی غرض ہے۔ سانکھ درشن کے پہلے ہی سوتر نے تینوں طرح کے مصائب (بیرونی۔ جسمانی۔ روحانی) کا استیصال (جڑ سے کاٹنا) آدمی کے لئے مقصدِ غائی بیان کیا ہے

अथ त्रिविध दुःखात्यन्त निवृत्तिरत्यन्त पुरुषार्थः ॥ (سانکھ درشن)

ہندو شاستر بھی انسانی زندگی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ بیدانت تو مرنے کے بعد مکتی یا نجات کا بھروسا نہیں کرتا۔ اِس بارے میں خدا سے بھی اُدھار نہیں۔ نقدِ نجات اور سُرورِ مطلق ہاتھوں ہاتھ لئے بغیر حق تعالیٰ کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اُپنشدیں دمشتی ہنڈی سے بھی بڑھ کر ہیں ۔ مغربی سائنس اور برہم ودیا (یعنی علم الشے) یکساں اغراض کو پورا کرنے میں کہاں فرق کر جاتے ہیں :۔

پنجاب کے دیہات میں دستور ہے کہ حجام لوگ عام خدمتگار کا کام بھی دیتے ہیں ۔ مدت کا ذکر ہے کہ ایک گاؤں کے پٹواری نے اپنے نائی کو بلا کر سخت تاکیداً کہا کہ "وہ بہت جلدی کھانا کھا کر یہاں سے سات کوس پر میرے سمدھی کے گاؤں میں جاؤ۔ نہایت ضروری پیغام بھیجنا ہے" ۔

نائی بچارے کے تیزی جلدی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گھبرایا گھبرایا اپنے گھر گیا۔ ایک باسی روٹی بیوی سے لیکر صافے (نہانے کا کپڑا) کے پلّے میں باندھی۔ اِس خیال سے کہ کہیں رستے میں کھالونگا اور جھٹ روانہ ہُوا ۔ گیا۔ گیا۔ جلدی۔ جلدی۔ قدم بڑھا رہا ہے۔ اپنے آقا کا حکم کس نیک دل سے بجا لا رہا ہے ۔ مگر اَرے بھولے! تُو نے چلتے وقت پیغام تو پٹواری سے پوچھا ہی نہیں۔ سمدھی کو جا کر کیا کہے گا ؟

نائی کو اِس بات کا خیال ہی نہیں آیا۔ وہ اپنی جلدی ہی کی دھن میں مگن چلا جاتا ہے ۔ جہاں جانا تھا۔ وہاں پہنچکر پٹواری کے سمدھی سے مِلا۔ وہ شخص پیغام نہ پا کر بڑا حیران ہُوا۔ نائی

کو دھمکایا یا سخت سست کہا ہی چاہتا تھا کہ ایک حکمت سوجھ پڑی۔ ذرا سے سکوت کے بعد بولا "اچھا! تم پٹواری سے تو پیغام لے آئے۔ خوب کیا؟ اب ہمارا جواب بھی لے جاؤ۔ مگر دیکھو! جتنی جلدی آئے ہو۔ اتنی ہی جلدی واپس جاؤ۔ شاباش"! *

نائی۔ (جی میں خوش ہوکر) میں حکم کے تابع ہوں ججمان! *

پٹواری کے سمدھی نے ایک لکڑی کا شہتیر جس کو اٹھانا ہمت کا کام تھا دکھاکر نائی کو کہا کہ یہ چھوٹی شہتیری پٹواری کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہنا کہ "آپ کے پیغام کا یہ جواب لایا ہوں"..........

بچارے نائی نے سب کام محنت اور ایمانداری سے کئے لیکن شروع ہی میں غلطی کر جانے کی یہ سزا ملی کہ شہتیر سر پر اٹھائے پسینہ پسینہ ہوئے قدم قدم پر دم لیتے ہانپتے کانپتے لوٹنا پڑا *

سائینس نہایت تیزگامی سے زینۂ عروج پر گو آن۔ گو آن۔ آن! آن! یعنی go on, go on, on, on کرتا چلا جاتا ہے۔ کیسے شوق سے قدم بڑھا رہا ہے! On, Science, on - بڑھ شیرا! دوڑے جا! چلا چل -چل- چل! شاباش!

لیکن ہائے! جس کے کام کو جا رہا ہے اُس سے مل کر تو آیا ہوتا۔ ریلوں۔ تاروں۔ توپوں۔ بلونوں کو (جن میں حواس کی خوشیاں متصوّر ہیں) آنند گھن آتما کا سمدھی ٹھان کر اُنکی طرف رواں دواں ہے۔ لیکن کان کھول کر سُن لے "ان بیرونی مجھنوں۔ اڑنگوں اور جھمیلوں میں تسکین اور آنند نہیں حاصل ہوگا اور دیر میں خواہ سویرے میں سو کا لٹھ

(یعنی جھوٹی یا غیر حقیقی) تہذیب (so called civilization) کا شہتیر سر پر اٹھا کر بہ مشکل تمام بار گراں کے نیچے اپنی ذات آتما کو مراجعت کرنی پڑیگی"
اے روئے زمین کے نوجوانوں! خبردار! تمہارا پہلا فرض اپنی ذات کو پہچاننا ہے۔جسم و اسم کے طوق کو گردن سے اُتار ڈالو۔ اور باغ عالم میں حواس کے غلام بنے ہوئے بار برداری کے لئے بیگار میں آوارہ مت پھرو۔ اپنی ذات کو پہچان کر حقیقی شاہنشاہی کو سنبھال کر پتے پتے اور ذرے ذرے میں گلزار کا نظارہ دیکھتے ہوئے ذاتی آزادی میں مست سیر کرو ٭ ویدانت تمہارے کار و بار میں گڑبڑ ڈالنی نہیں چاہتا۔ صرف تمہاری نگاہ کو بدلنا چاہتا ہے۔ دفترِ عالم تمہارے سامنے کھلا ہے
GOD IS NOWHERE اِس کو بجائے
God is nowhere "خدا کہیں نہیں ہے دُنیا ہی دُنیا ہے" پڑھنے کے God is now here "خدا اب یہاں ہے
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے"۔
[1] می گویم کہ از عالم جُدا باش ٭ بہر کارے کہ باشی با خدا باش
پڑھو ٭ ویدانت کی غرض تمہاری چوٹی مُونڈنے کی نہیں ہے۔ تمہارے باطن رنگ دینا اس کا کام (سبھاؤ) ہے ہاں اگر تمہارے اندر اتنا گوڑھا رنگ چڑھ جائے کہ اندر سے پھوٹ کر باہر نکل آئے۔ یعنی بیراگ سے کپڑے بھی لال (گیروے) بنا دے۔ تو مبارک ہو تم۔ مبارک ہو تم! ٭
اے پولیٹیکل ایکاڈمی (علمِ سیاستِ مدن)! تمہارے اوسان خطا کیوں

---

[1] میں نہیں کہتا ہوں کہ تو جہان سے الگ رہے (بلکہ یہ ہدایت کرتا ہوں) کہ جس کام میں تو رہے خدا کے ساتھ رہو (یعنی خدا کا دھیان دل میں رکھو)

ہو رہے ہیں۔ گھبراؤ نہیں! اِن دیانت نِشٹھ ساہُو لوگوں کا رہنا
"سرمایہ کا لاحاصل خرچ" Unproductive expenditure of Capital
نہیں ہے + لازوال سرمایۂ رُوحانی کا خزینۂ بے پایاں یہ ساہُو لوگ
ہیں۔ اِن کے مُبارک دَم کی خاطر زمین بارور ہوتی ہے۔ اِن کے امرت
بھرے نینوں کی خاطر تارے سُورج چمکتے ہیں۔ اِن کے چرن کملوں پر
وارے جانے کے لئے لکشمی (دولتِ دُنیا کی دیوی) تڑپتی ہے + دُنیوی
سرمایہ کے خیال میں مستغرق لوگوں! کیا تُم کو اُن کا وُجود ناگوار گزرتا
ہے ثروت۔ اور تو اور یہ فقیر پیشور سے بھی کبھی سوال نہیں کرتے۔
جسم رہے تو خیر۔ ورنہ بلا سے۔ ابھی کٹ جائے۔ اُن کا دم لینا اُن کا
چلنا پھرنا پرکرتی کے سر سو سو اِحسان کرنا ہے +

بہشت بیکنٹھ کے سُکھوں کو کوّے کی بیٹ کی طرح ہیچ
سمجھنے والے یہ حوصلہ رکھتے ہیں کہ تُم اُن کے سر پر پھُولوں کی
بجائے راکھ ڈالدو۔ وُہ اُس بھسم کو مستک پر دھارن کرکے پریم
بھری نگاہ کے ساتھ تُمہارے دِل کو شانتی سے بھر دینگے + اے پولیٹیکل
ایکانمی (علمِ سیاستِ مدن) کے پڑھنے والے! کچھ خبر بھی ہے؟ یہ
بھگوے کپڑوں میں "اوم" کی دِلکش صدا بلند کرتا ہُوا مستانہ چال
کے ساتھ کوچے میں سے کون گذر گیا؟ پاس جا کے دیکھ۔ آنکھیں صاف
کہہ رہی ہیں کہ کُل کائنات کا شاہنشاہ بھیس بدلے کاسۂ گدائی ہاتھ
میں لئے سیر کر رہا ہے۔

سہ منگ تنگ کے ٹکڑے سے کھامد سے۔ چال چلن امیری میں
میرا من لگا فقیری میں

رانجھا جوگیڑا بن آیا

نہ ایہہ چاکر چاک کہیندا | نہ اِس وڑد شوق تھیندا
نہ مشتاق ہے دُودھ دہیں دا | نہ اِس بھُوک پیاس کوڑے

کون آیا پہن لباس کوڑے

پیارے اہلِ ہند! اپنے بچّوں کی تعلیم "ڈی۔ او۔ جی = ڈاگ ڈاگ معنی "کُتّا" سے شروع کرنے کی بجائے "جی او ڈی = گاڈ۔ گاڈ یعنی پرمیشور رُوپ عارفوں کے اُپدیش (اوم) سے شروع کراؤ ÷

سلہ از راستی است جائے الف درمیانِ "جان"
واو از کجی ہمیشہ بود در میانِ "خون"

مگر ایسا نہیں کر سکے تو لڑکوں کو کالج میں داخل ہونے سے پہلے کسی عارفِ کامل کی صحبت میں پورے سال یا چار ماہ کے لئے چھوڑ دو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکا تو اے یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ نوجوانوں! اے ولایت سے پڑھ کر آنے والوں! روپیہ کی ملازمت اختیار کرنے سے پہلے آؤ! کسی برہم وِدیا (علم الف) کے سچّے آچاریہ کی تلاش کرو۔ جو نہ صرف ویدانت کی تھیالوجی (Theology) یعنی کُتبِ مباحثہ سے واقف ہو۔ بلکہ جو خود ویدانت (Vedanta) مجسّم ہو۔ جس کی ہر حرکت اُپنشد رُوپ ہو۔ جس کے ہر ہر مُو سے یہ گیت نکل رہا ہو ÷

शृण्वन्तु विश्वे अमृतस्य पुत्राः ।
आये धामानि दिव्यानि तस्थुः ॥ ५ ॥

سلہ راستی کے سبب سے لفظ "جان" کے درمیان الف کا مقام ہے اور ٹیڑھے پن کی وجہ سے (حرف) واو ہمیشہ (لفظ) "خون" کے بیچ میں آتا ہے ÷

वेदाहमेतम् पुरुषं महान्तमादित्य वर्णं तमसः परस्तात्।
तमेव विदित्वाति मृत्युमेति नान्यः पन्था विद्यतेऽयनाय॥ (یجروید) ۳۱

مطلب:۔ سُنو! اَے امرت (حیاتِ جاوداں) کی اولاد نُورانی مقاموں کے رہنے والو! سُنو میں نے پایا ہے۔ میں نے پایا ہے ❊ میں نے اُس لامحدود ذاتِ کبریا کو جانا ہے جو تاریکی سے آفتاب کی طرح برتر ہے۔ اُسی کو جان کر انسان موت پر غالب آتا ہے۔ یہی ترکیب ہے نجات پانے کی۔ اور کوئی راہ نہیں۔ اور کوئی راہ نہیں ❊

کیا ایسے برہم نشٹھ عارف مُبارک بھارت میں نہیں ہیں؟ صرف اُنہیں کے لئے نہیں ہیں جنہیں سچّی تلاش نہیں ❊ کسی ایسے حقیقی زندگی کا دَم پھُونکنے والے پرم ہنس کے اثرِ صحبت سے تُم ساری عُمر زر کے غُلام نہیں بنے رہو گے بلکہ

مصرع ﴿۱﴾ دولت غلامِ من شد و اِقبال چاکرم

کا معاملہ دیکھو گے ❊ زندگی کے بازار میں جس طرف جاؤ گے نغمۂ راحت (harmony) تمہیں ویلکم کرتا ہُوا ملیگا۔ جدھر نگاہ ڈالو گے۔ کامیابی مصافحہ (شیک ہینڈز) کرنے کو حاضر ہوگی ❊ تمہارے سبزۂ نَو دمیدہ کے ساتھ ہونٹوں پر تبسّم شیریں ہمیشہ کے لئے اُگ کر جمال دکھائے گا۔ اور پیشانی پر نُورِ معرفت سدا کے لئے طلوع ہو کر جلال برسائے گا ❊

ब्रह्मविद् इव सोम्य ते मुखं भाति। ﴿۲﴾ (چھاندوگ)

پیارے! میری جان سے بڑھکر عزیزو! تمہیں کب پتہ لگے گا کہ

﴿۱﴾ دولت میری غلام ہو گئی اور اقبال میرا نوکر ہو گیا ❊

﴿۲﴾ اے پیارے! تیرا چہرہ عارفِ کامل (برہم گیانی) کی طرح نظر آتا (منتر۔ ہوریل) ہے ❊

؎۱ ہر کمالے کہ ماسوائے حق ست ✤ در حقیقت زوال می دانم

؎۲ اگر تن را نباشد دِل منوّر زیر خاکش کن

نباشد در شبستاں عزتے فانوس خالی را

موجودہ سلسلۂ تعلیم نے بیشک فائدہ پہنچایا ہے۔ لیکن اِس میں ترمیم اور اصلاح کی بہت ضرورت ہے ✤ تمام مذہبوں کی جان فلاسفی کا تاج یعنی سائینسوں کا سائینس ویدانت ہی ایک علم ہے جو گرداب جہل و بلا میں ڈوبنے والوں کی دستگیری کر سکتا ہے ✤ اوائلِ عُمر میں جبکہ تختۂ دِل نہایت ہی تاثیر پذیر ہوتا ہے۔ اکثر غلطیاں جو طالب علموں کو مُقوّی دوائی سمجھ کر پلائی جاتی ہیں۔ اُن کے خُون میں فساد ڈال دیتی ہیں۔ اور اُن کی زندگی تلخ بنائے رکھتی ہیں ✤ مثلاً درسی کتابوں کے اشعارِ ذیل :-

ع ؎۳ کہ خُبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم

؎۴ سگے را لقمۂ ہرگز فراموش	نگردد گر زنی صد نوبتش سنگ (۱)
وگر عُمرے نوازی سفلۂ را	بکمتر چیزے آید با تو در جنگ (۲)

؎۱ جو کمال کہ خدا کے علاوہ ہے۔ میں اُس کو حقیقت میں زوال خیال کرتا ہوں ✤

؎۲ اگر کسی جسم کا دِل منوّر نہیں ہے تو اُسکو مٹی تلے دبا دے۔ کیونکہ خالی فانوس کی شبستان (کمرے) میں کوئی عزت نہیں ہوتی ہے ✤

؎۳ نفس (اہنکار) کا کمینہ پن برسوں نہیں معلوم ہوتا ✤

؎۴ (۱) کُتا لقمہ کو ہرگز نہیں بھولتا ہے۔ خواہ سو دفعہ تو اُس کو پتھر مارے ✤

(۲) اور اگر تمام عُمر تو کمینہ آدمی پر نوازش کرے تو وہ تھوڑی سی بات پر تیرے ساتھ لڑائی کے لئے آمادہ ہو جائے گا ✤

ؔ۱ بر تواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست
پائبوسِ سیل از پا افگند دیوار را

ؔ۲ ندانست آنکہ رحمت کرد بر مار ٭ کہ آں ظُلم ست بر فرزندِ آدم

ؔ۳ سنگیں دل ست آنکہ بظاہر ملائم ست
پنہاں درونِ پنبہ نگر پنبہ دانہ را

ایسی نصیحتوں سے آدمی کا دل شک اور بدگمانی کا گھر بن جاتا ہے اور اُس کی آنکھوں میں ایسا مرض سما جاتا ہے کہ جدھر دیکھتا ہے عداوتِ مجسّم سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ در اصل اسکی اپنی بدگمانی اور وسوسے ہی ملاقات کرنے والوں کے تیرہ دل ہو جانیکا باعث ہوتے ہیں۔ ویدانت کا یہ فتوی ہے کہ "سِفلہ" "دُشمن" "سنگین دل" "خبیث" کوئی ہے ہی نہیں۔ میری ذات پاک ہی تمام لباسوں میں ہر وقت جلوہ دکھاتی ہے ٭ اپنے آپ کا کوئی بُرا نہیں کرتا۔ پس میرا بُرا کرنے والا کون ہے؟ غیر تو کبھی حِلِ خیال میں بھی موجود نہیں ہُوا۔ بدگمانی چھوڑو۔ غیر بینی کا کُفر توڑو۔ جھوٹ سے مُنہ موڑو ٭
اگر اوپر سے سنکھیا کی طرح کوئی شخص میرے پاس آیا ہے تو ضرور

ؔ۱ دشمن کی خاطر تواضع پر بھروسہ کرنا بیوقوفی ہے۔ کیونکہ نالہ (دریا) کی قدمبوسی دیوار کو گرا دیتی ہے ٭

ؔ۲ جس شخص نے کہ سانپ پر مہربانی کی اُس نے یہ نہیں جانا کہ نسلِ انسان پر یہ (مہربانی) ظُلم ہے ٭

ؔ۳ جو کہ ظاہر میں نرم ہے وہ اندر سے سخت دل ہے۔ رُوئی کے اندر بنولے کو چُھپا ہُوا دیکھ ٭

کسی جذام کو دُور کرے گا۔ اِس زہر کی ضرورت ہی تھی ✤ اگر نشتر کے ظاہری ڈھنگ میں ملا ہے تو ضرور رگِ جنُون کا فصد کھول کر میری صحت کا باعث ہو گا۔ مُبارک ہے ✤ اگر کانٹے والا اُسترا بن کر آیا ہے تو ضرور میرا خط ہی بنائیگا۔ اچھا ہُوا۔ سب اجسام میرے ہیں۔ میرے اپنے آپ سے مجھ کو ضرر کا اندیشہ نہیں۔ ظاہری اختلافات حقیقی نہیں۔ صرف نمودی ہیں۔ جیسے ہر شخص جانتا ہے کہ کبھی مجھ میں عالمِ طفولیت تھا۔ پھر عہدِ جوانی گذرا۔ آیندہ بڑھاپا بیت جائیگا لیکن طفولیت جوانی بڑھاپے وغیرہ کے باوجود میری ذات وُہی کی وُہی رہی ہے تبدلات کی شاہد میری ذات میں کچھ فرق نہیں آیا ✤ یہ سب تغیراتِ زمانی صرف ظاہری تھے۔ حقیقی نہیں تھے ✤ ٹھیک اِسی طرح تغیراتِ نفسانی (اشخاص کے باہمی اختلاف) بھی صرف ظاہر ہی ظاہر ہیں ہوتے ہیں۔ فی الحقیقت نہیں ✤

سائینس بتاتا ہے کہ سردی اور گرمی دونوں حرارت کے نام ہیں۔ صرف درجے کا فرق ہے۔ برف کو سرد کہتے ہیں۔ لیکن برف کی ٹھنڈک بھی حرارت کا ایک درجہ ہے۔ بھاپ کو گرم کہتے ہیں۔ وہ بھی حرارت کا ظہور ہے۔ برف کی ٹھنڈک اگر حرارت ہی کا تماشا نہ ہوتی تو پگھلتی ہُوئی برف کو صفرہ سینٹی گریڈ سے بہت نیچے اُتار سکنا کچھ معنی نہ رکھتا ✤

اندھیرا اور اُجالا بھی ایک ہی روشنی کے علیحدہ علیحدہ درجوں کے نام رکھے ہُوئے ہیں۔ رات کا موقع آدمی کے لئے اندھیرا ہے۔ لیکن بلّی۔ چیتا وغیرہ کے لئے اُجالا ہے ✤

اسی طرح کمزوری اور طاقت بھی ایک ہی کیفیت کے درجوں کے

نام ہیں ‫* جہل اور علم بھی آپس میں متضاد نہیں۔ پانچ برس کا لڑکا جاہل اور وہی بیس برس کی عمر میں ایم اے ہوکر فاضل کہلاتا ہے۔ پھر یہی ایک لائب نیٹز کے سامنے طفل مکتب (جاہل) گنا جائے گا۔ ویسے ہی ویدانت دکھاتا ہے کہ اے اپنے تئیں بھلا کہنے والے! جب برا آدمی نظر پڑے تو یقینا جان کہ وہ تیرا ہی بچپن کا ننھا اور پیارا اپنا آپ ہے۔ نفرت کیوں؟ دس سال کو تیری حالت اور کی اور ہو جاتی ہے۔ کیا تب اس وقت کے اپنے آپ کو تو "برا لفضول" کہنا گوارا کریگا؟ نہیں * پس زینۂ ایوولیوشن (ارتقاء) کے علیحدہ علیحدہ مدارج پر چلنے والے اصحاب کو برا یا بھلا ہونے کا فتوےٰ مت لگا۔ اُن کی ذاتی وحدت (एकात्मता) کو چشم جگر سے دیکھ کر محبت کا جام نوش کر *

بعض کا یہ خیال ہے کہ مخالفین کو ذلیل کرنا ہی اپنی عزت (honour, selfrespect) کو قائم رکھنا ہے * ایسے شخصوں کو ویدانت یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہے کہ "اس قسم کے خیال سے درگزرو۔ ورنہ ذلت اُٹھاؤ گے" * بدلہ لینا۔ سزا دینا اور کینہ پروری وہ گند ہے جو صاف بتا رہا ہے کہ تمہارے اندر جہل کا مُردار سڑ رہا ہے۔ بغیر مُردار کے غصہ کا گند کبھی آتا ہی نہیں * خواب میں کسی نے گالی دی۔ اُس کو اپنے سے جُدا مان کر انتقام لینے کے درپے ہونا صریحا جتلا رہا ہے کہ تم خود خواب جہل میں سوئے پڑے ہو۔ اور دیا کے بس میں ہو * پس خیال انتقام تو تمہاری حقیقی عزت کو خاک میں ملاتا ہے *

بعض لوگ اپنی چالاکی اور دھوکا دہی کی لیاقت پر نازاں ہوتے ہیں۔ابلہ فریب ہونے کا فخر کرتے ہیں۔ٹیڑھی ترچھی چالبازی سے مطلب برآری کرنا بڑی بات سمجھتے ہیں ÷ اُن کی قابلِ رحم حالت پر ترس کھاکر ویدانت یہ اَن ٹل خبر سُناتا ہے کہ دیر میں یا سویر میں تلخ تجربہ کے ذریعے مارے طپانچوں کے گالیں لال کرکے ماتا پرکرتی مونہیں یہ سبق ضرور پڑھائے گی کہ "دھوکا باز صرف اپنے تئیں دھوکا دے سکتا ہے۔انجامِ کار غیر کو دھوکا دینا محض ناممکن ہے" ÷ آگ شاید حرارت کو کبھی چھوڑ بھی دے لیکن فریب خود فریب باز کو خوب سینکے بنا ہرگز نہیں چھوڑ سکتا ÷

عملی دوَیت باز (یعنی مکّار یا کوئی اور پاپ کرنے والا) اپنے کردار سے قانونِ وحدت کو توڑتا ہے۔آفتابِ حقیقت (ادوَیت) کی آنکھوں میں لُون ڈالا چاہتا ہے ÷ ایسے کے لئے کہیں پناہ نہیں۔

قانونِ وحدت کو توڑنا گناہ ہے۔اور کثرت میں وحدت (Unity in plurality) دیکھنا۔پھر آہستہ آہستہ خیالِ کثرت کا مُطلقاً نفی کر دینا انسانی زندگی کا معیار اعلیٰ ہے ÷ جیسے عام آدمی کو پتھر گائے بھینس نظر آتی ہے اُسی زور سے عین سرور ذاتِ واحد کا کُل میں انُبھو کرنا زندۂ جاوید ہوتا ہے ÷

شام کے وقت باغ کے کونے سے پُورن پریم بھرے لہجے میں اِس بھجن کے گانے کی آواز آرہی ہے ÷

میں اپنے رامؔ کو رجھاؤں

جنگل جاؤں نہ بھبھوت رماؤں نہ کوئی ڈار ستاؤں

پات پات میں ہے ابناشی واہی میں درس کراؤں
میں اپنے رام کو رجھاؤں
اوشدھ کھاؤں نہ بُوٹی لاؤں نہ کوئی بید بلاؤں
پُورن بید ملے ابناشی تاہیں کو نبض دکھاؤں
میں اپنے رام کو رجھاؤں .... وغیرہ وغیرہ

گانے والا کون ہے؟ بھگت کبیر *

ایک نوجوان (رام داس) دل میں کھوٹ جاننے والا گاناسن کر بیراگ سے بھر آیا۔ آبدیدہ ہوکر کبیر جی کے چرنوں پر سر رکھ دیا اور ہاتھ جوڑ کر التماس کی کہ "آپ سب شکتی رکھتے ہیں۔ مجھے بھی بھگوان کے درشن کراؤ" * کبیر جی رام داس کے سچے بھگتی بھاؤ کو دیکھ کر انکار نہ کر سکے۔ کچھ تامّل کے بعد پرسوں درشن کرانے کا وعدہ کرلیا۔ اور تیاری کے لئے سامان بہم پہنچانے کی بابت رام داس کو خوب سمجھا بجھا دیا *

دُوسرے دن رام داس نے خوشی خوشی اپنی جائداد فروخت کرکے اسکے چاول کھانڈ گھی میدا دُودھ وغیرہ خرید کئے۔ روز مقرّرہ کو نہایت نفیس بھوجن تیار کئے گئے اور سادھو لوگ مدعو کئے گئے اِدھر طرح طرح کے لذیذ کھانے تیار پڑے ہیں۔ اُدھر مہاتما لوگ آکر اپنے اپنے بھجن پاٹھ میں لگے ہیں۔ رام داس نہایت درجے کی پریم و بھگتی کے ساتھ ایکانت میں پُوجا کر رہا ہے۔ اس اُمید پر کہ ابھی بھگوان کے درشن ہُوئے کہ ہُوئے

رام داس کو درشن ہُوئے پیچھے سب مہاتما ضیافت میں شریک

ہو گئے۔سب لوگ چشم انتظار پھاڑ پھاڑ کر مُبارک ساعت کے دھیان میں ہیں ؛

لو دو پہر ڈھل گئی۔ رام داس کو درشن ابھی تک نہیں ہُوئے۔ سہ پہر ہو گئی۔ درشن نصیب نہیں ہُوئے ؛

چند نوجوان سادہو جنوں کی انتڑیاں پرمیشور کو کچھ کا کچھ کہنے لگیں۔ کہ ہائے ہمارے شکم اور طعامہائے لذیذ کے درمیان حدّ فاصل (partition) کیوں بنا ہُؤا ہے! بعض پہ مایوسی چھا گئی۔ بعض کبیر کو الزام دینے لگے۔ بعض رام داس کو مخبوط الحواس تصوّر کرنے لگے کہ کس بات پر ریجھ پڑا ؛ چند پریمی اِس آنند بھرے خیال سے بغلیں بجاتے تھے کہ شاید رام داس کے پیروں کی بدولت ہمیں بھی درشن نصیب ہوں۔ الغرض اُمید و انتظار میں ہر ایک کا ع چُوں گوش روزہ دار بر اللہ اکبر است ۔ کا سا معاملہ ہو رہا تھا ؛

اِن لوگوں کو تو اپنے اپنے خیالات میں محو چھوڑ دیئے۔ اُدھر بھوجن طعام وغیرہ کی خبر لیجئے۔ پوِتّر رسوئی (چوکا) میں یہ کیا گھمسان مچا ہے۔ اِس جگہ یہ بھینس کدھر سے آ گئی ؟ کھیر کے برتن اوندھے پڑے ہیں۔ کڑاہیوں میں حلوے کو بھینس کا مُنہ لگا ہُؤا ہے۔ مال پُوڑے سب جھُوٹے ہیں۔ دال دال کے دیگچے پھوٹے رہے ہیں۔ بھینس نے سینگوں سے چُولھے بھی توڑ دیئے ہیں۔ سارے رستھان کو جا بجا کھُروں سے خراب کر دیا ہے۔ جگہ جگہ گوبر کر دیا ہے۔ اب بھینس تھوتھنی اُٹھا کر اڑانے لگی ؛

خلاف اُمید کھانا پکانے کے کمرے سے یہ آواز سُن کر سب سادھو چونک پڑے ٭ دن بھر کی بھوک کے باعث آشفتہ خاطر تو پہلے ہی ہو رہے تھے۔ کھانے والنے پر صاف چوکا۔ اور سب اُمیدوں کے سر پانی پھرتا دیکھ اُن کے غیظ و غضب کی آگ درجۂ اتم تک بھڑک اُٹھی۔ قوتِ غصہ کی ترقی ناگفتہ بہ ٭

اُدھر سے رام داس بھی دیوانہ وار ہاتھ میں لٹھ لئے آ گیا۔ سادھوؤں نے بھینس کو گھیر رکھا۔ اور رام داس نے بھینس کی بھگت سنوارنی شروع کی۔ مار مار کر سب کھایا پیا نکال دیا.........

کوئی کبیر جی پر پھبتیاں گھڑ رہا تھا۔ کوئی صلواتیں سُنا رہا تھا کوئی تیز و تُرش فقرے چُست کر رہا تھا ٭

بھینس زخمی ہو کر خُون آلودہ بدن لئے لنگڑاتی لنگڑاتی دردناک آواز سے فریاد کرتی مشکل سے اپنی جان بچا کر باغ کے اُس کونے کی طرف نکلی جہاں کبیر ٹھیرا ہُوا تھا ٭ پیچھے پیچھے رام داس اور سادھو لوگ بھی کبیر جی کی خُوب خبر لینے کو اُسی طرف آ رہے تھے۔ آ کر کیا دیکھتے ہیں کہ مارے ہمدردی کے بھگت کبیر بھینس کے گلے لپٹ کر زار و قطار رو رہا ہے:۔ ہے بھگوان! ہائے! آپ کو آج وُہ چوٹیں آئیں جو راون سے لڑتے وقت بھی نہیں آئی تھیں۔ ہائے آپ کو آج وُہ کچھ سہنا پڑا جو کنس کے مقابلے کے وقت بھی نہیں سہنا پڑا تھا۔ ہائے! آپ کو آج.................

کبیر بھگت کے سوز و گداز نے کُل سامعین کی حالت یکایک بدل دی۔ جیسے آگ کے ساتھ جو چیز چھو جاتی ہے آگ ہو جاتی ہے۔ وَیسے

اس موقع پر کبیر کے اثر سے رام داس وغیرہ کے قلوب ایسے مصفا ہو گئے کہ عین سرور ذاتِ واحد کے ماسوا کچھ نہ رہا۔ غیریت ایک توم میٹ گئی۔ پردۂ دُوئی اُٹھ گیا۔ ہر جگہ ہر شے میں ایک ہی آتما پایا۔

ع من ایسو نرمل بھیو جیسے گنگا نیر
پیچھے پیچھے ہر پھرے کہت کبیر کبیر

رنج و الم۔ خواہشاتِ نفسانی۔ آرزو ہائے جسمانی کافور ہو گئے۔ بجائے ایک جسم اپنا ہونے کے تمام ابدان خاص اپنا آپ نظر آنے لگے۔ اور یہ خاص اپنا آپ آرام کائنات خود رام ہی تھا ۔ عجب درشن ہیں کہ درشن کرنے والا اور درشن دینے والا دو نہیں رہتے ۔ خود تماشا و خود تماشائی۔ حیرت ہے ۔ ہر (پرمیشور) کا یہی درشن ہے کہ ہر (چرند پرند۔ انسان۔ کائنات سب) میں ہی ہوں ۔

اے عالمِ ظاہری! کیا تو باغِ عالم کے انگوروں کے پتے گننے۔ بیج جانچنے۔ رس تولنے اور چاقو سے اجزا کاٹنے میں (Botanists) علم نباتات دانوں کی طرح عمر کھو دیگا۔ ان گوناگوں انگوروں میں بھرے ہوئے آبِ انگور کا مزا ایک دفعہ تو چکھ۔ پھر چاٹ لگ ہی جائیگی ۔

ع نگاہِ یار جس دن سے نگاہوں میں سمائی ہے
مری آنکھوں میں کانٹا سا کھٹکتا گل دمانہ ہے

یہ شوخ دُختِ رز مُنہ کو لگی ہوئی تجھے اپنے محبوب سراپا ناز کے بُرقع و نقاب کو پھاڑنے کی ہمت دیگی۔ اسی مبارک شراب نے پرم ہنس رام کرشن کو بھنگیوں (خاکروبوں) کی جھونپڑی میں جگدمبا (مادرِ گیتی) کالی جی کے درشن کرائے۔ اپنے سر کے لمبے بالوں سے جھونپڑی کا

.... صاف کرنے لگے۔ اِسی شرابِ وحدت کی ترنگ میں مہاپربھو چیتن گورنگ نے اپنے جسم کو مادرِ گیتی پایا۔ اور ماتا کے مارے جو سامنے آیا اُس کو جھٹ گود میں اُٹھایا۔ ہائے! ہائے رے اُلفت اوری! گائے کی طرح اپنے بچوں کو چاٹنے لگے۔

اَے چمڑے تک رہ جانے والے سائنس! دُور ہو جا! میری آنکھوں کے سامنے سے۔ اے فلاسفی کی اوٹ! دفع ہو جا! میرے آگے سے۔ دیکھوں تو سہی یہ نیائے (منطق) اور ویاکرن کا پروفیسر (چیتن) کہاں بھاگا جاتا ہے۔ اے لو! کرشن کے گلے جا لپٹا اور پریم سے زار و قطار رو رہا ہے۔

کرشن کے! یہ کرشن کہاں ہے؟ یہ تو ایک نامی بدمعاش کلال خانہ سے شراب پی کر جا رہا تھا۔

اَے اپنے اندر بدمعاش رکھنے والی غیر بیں دوئیت درشٹی! احول پن کو ہٹا۔ اُپنشد کے ہسپتال میں آنکھیں بنوا۔ پھر تو اِس معاملہ میں رسائے زنی کے قابل ہو گی۔ فی الحال اپنے بدمعاش کی حالت دیکھ! وہ اپنے ہر ایک انداز سے۔ ہر ایک قول و فعل سے صاف بول رہا ہے کہ "میں کرشن ہوں" اُس کا بدمعاش پن جبھی تک تھا جب تک چیتن کی حق بیں نگاہ اُس پر نہیں پڑی تھی۔ مسیحِ حقیقی نے ایک ہی نظارے میں جذام گناہ کو تا ابد ہٹا دیا۔ اناتھ پاپی سے ترلوکی ناتھ کرشن بنا دیا۔

ے قربانِ نگاہ تو شوم بازِ نگاہے
قربانِ نگاہِ تو شوم بازِ نگاہے

प्रवाहैरश्रूणां नवजलदकोटी इव दृशौ
दधानं प्रेमर्द्धा परमपद कोटीः प्रहसनम्।
वसन्तं माधुर्य्यैरमृत निधिकोटीरिव
तनुच्छटाभिस्तं वन्दे हरिमहह सन्न्यास कपटम्॥

مطلب :- وہ جس کی آنکھیں ابر بہاری کی طرح لگاتار پانی برسا رہی ہیں۔ جس کے پریم کا اظہار لوگوں کے دلوں میں بہشت و رضواں سے نفرت پیدا کرا رہا ہے۔ خوبی اور شیریں ادائی کے باعث جس کے بدن سے آبحیات کا سمندر نکل رہا ہے۔ یہ کوئی اور نہیں ہے۔ آہا ہا! سنّیاس کے لباس میں پیشور ہی ہے ÷ جے! جے!! جے!!! ÷

وُہ دیکھنا اِس جنگل میں یہ خراب خستہ جھونپڑی کس نے بنا رکھی ہے۔ آؤ دیکھیں تو سہی!

اجی جانے بھی دو۔ یہ تو کسی بہت نیچ جاتی کی ہے۔ اندر چلے گئے تو پھر نہانا پڑے گا۔ تم بھی تو کس بات کے پیچھے پڑے ہو۔ اب چھوڑو بھی! ÷ خیر راقم کے مارے باندھے جھونپڑی میں گھستے ہیں ÷

"ایں! یہ کون؟" دم بخود رہ جاتے ہیں۔

ناظرین! سمجھے؟ اِس جھونپڑی میں کون بیٹھا ہے۔ پہچانتے ہو کہ نہیں! کون ہندو یا مسلمان ہے۔ جس نے دُسہرے کے دنوں "بول راجہ رامچندر جی کی جے" نہیں سُنی ہوگی۔ اور پُر تکلف سجاوٹ والی پالکی میں سوار مہاراج کے درشن نہیں کئے ہونگے؟ وُہی راجہ رامچندر اب اِس پھٹی پُرانی چٹائی پر معہ سیتا جی بیٹھے ہیں ÷ کیا اُداس ہیں؟

اُداس کیسے؟ لا حد بشاش ہیں۔

چٹائی سے نیچے زمین پر ایک اونے قوم کی بھیلنی (شبری) بیٹھی ہے اُس سے گھل گھل کے کیسی باتیں کر رہے ہیں * بھیلنی بیروں کی بہار میں جنگل سے بیر چُن کر لائی تھی۔ اُس نے سب کو چکھ چکھ کر میٹھے الگ رکھ دیئے تھے اور باقی کھا گئی تھی۔ وُہ بھیلنی کے چکھے ہُوئے اِس وقت سُوکھے ہُوئے میٹھے بیر ہاتھ بڑھا کر میٹھی میٹھی زبان سے مانگ رہے ہیں *

مریادا پرشوتم راجہ رام چندر جی کی یہ حالت دیکھ کر بھی ہمنا میں سمپردائی جھگڑے اور تعصب کی بُو باقی رہ جائیگی؟

بھیلنی کا ٹوٹا پھوٹا مکان دیکھ کر شاید طبیعت دِق ہو گئی ہوگی۔ آؤ اب دِلی کی سیر کرائیں۔ برہمنوں اور راجاؤں مہاراجوں کی شان دکھائیں * یگیہ کی دھوم دھام میں کہیں ساتھ نہ چھوڑ دینا * آہا! یہ کیا؟ یہ پیر کن نازک اُنگلیوں نے پکڑ لئے؟ یہ چرن کون دھونے لگا؟ ناظرین! کچھ پتہ لگا؟ رُوئے زمین کے شاہنشاہانِ فولاد بازو اِدھر جس کے چرنوں کی خاک حاصل کرنے کو ویسے ہی تڑپتے تھے جیسا کہ اُدھر مہ جبینانِ سیمیں ساق اُس کے لبِ شیریں کے بوسے کے لئے وُہی کرشن جس کی بانسری کا طفلانہ زمزمہ اِدھر عاشق مزاجوں کے دِلوں میں ویسی ہی چٹکیاں بھرتا ہے جیسا کہ اُدھر اُس کی گیتا اہلِ خرد کو گدگداتی ہے۔ وُہی مہری کرشن چندر ہر کہہ و مہ کے دِلی اُمنگ سے پاؤں دھونے کی ڈیوٹی (فرض) اختیار کئے ہُوئے ہے۔ اُسی نے پیر پکڑے تھے * کرشن کی محبت کا جب یہ حال ہے تو اہلِ ہنود! تمہارا کیا فرض ہے؟ تمہیں بتاؤ! *

اے پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت ؞ ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم

سوال:۔ کیوں مہاراج! جب تک ودیانت کے رنگ نہیں چڑھے تھے تو بالکل سادہ لباس پہنتے تھے۔ آپ تیاگ ویراگ کی وِدیا آنے پر سرتاپا ریشمی پوشاکیں زیب تن ہونے لگیں! اور دیکھو۔ درزی دو رضائیاں کیسی زرق برق لایا ہے۔ ایک چمکیلے سبز ریشم کی ہے۔ دوسری نہایت خوبصورت سُرخ ریشم کی ؞

عورت ستی ہوتے وقت پُورا سِنگار لگاتی ہے۔ آنکھوں میں سُرمہ ہونٹوں پر سُرخئ پان۔ گلے میں ہار۔ غرض سب طرح زیورات سے آراستہ پیراستہ ہوتی ہے ؞ پر اِس تیاری کے کیا معنی؟ بس ابھی ابھی آگ میں کُودیگی ؞

مہاشے! اِس مہاراج کی سجاوٹ بناوٹ تو ستی کا سِنگار ہے۔ ابھی........ ایک شخص ثابت کر دیتا ہے کہ وہ رضائیوں کی لاگت مبلغ ساٹھ روپیہ کے قریب جو دی گئی تو بالکل غضب کیا۔ اصلی لاگت مُشکل سے تیس کے قریب ہونی چاہیئے۔ درزی اور بزّاز کہا گئے ؞ مہاراج آبدیدہ ہوکر بولے! بالکل ہیچ روپیہ کی خاطر۔ تیس یا ساٹھ یا سو روپیہ کی خاطر مَیں دیدہ ودانستہ حق بین کو جان بُوجھ کر چھوڑ لوں ؟ پرمیشور کو الزام لگاؤں۔ اپنے آپ سے بدگمان ہو جاؤں اتحادِ محبت کو توڑ دوں۔ کیا روپیہ۔ کہاں کا درزی؟

اوم اوم اوم........ .. بلا کے سوز و گداز کے ساتھ یہ کلمے نکلے تھے! ناصح کانپ اُٹھا۔ پانی پانی ہو گیا ؞ اُس نُورانی جلوے اور تولے دبھاؤ) نے خود بخود بزّاز اور درزی کے دِلوں میں داخل

۱؎ میرے باپ نے باغِ بہشت گیہوں کے دو دانوں کے عوض میں بیچ دیا۔ مَیں اصل کا نہیں ہُوں (یعنی ناخلف ہونگا) اگر اُسے ایک جَو کے بدلے نہ بیچوں ؞

ہو کر انہیں جگا دیا۔ دونوں نے آکر اپنے آپ قصوروں کا اقرار کیا اور تائب ہوئے

کیا جو چیز پرمارتھ (Theory۔ بحث) میں درست اترے وہ بیوہار (practice۔ عمل) میں کبھی دھوکا دے سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔ بحث میں درست اور عمل میں ناجائز۔ کھانے کو اور دکھانے کو اور۔ منطق اس کی تردید کرتا ہے ؟

وہ سائینس جو ایک ہی چپت سے دویت بادکا (جو خدا کو ہم سے علیحدہ بتاتا ہے) منہ پھیر دیتا ہے۔ دانت باہر نکال دیتا ہے۔ وہ سائینس جو ہیبت ناک پہاڑ کی طرح مسئلۂ غیریت پر ٹوٹ کر اسے چینی کے برتنوں کی طرح چکنا چور کر دیتا ہے۔ وہ سائینس اودیت سِدّھانت (مسئلۂ وحدت) کے دروازے کی قاکروبی کرتا ہے۔ نیز ویدوں کا ہر صفحہ اس اودیت کے جلال کا مظہر ہے۔ یہ اودیت (ایکتا) کا اصول پرمارتھ کی بلند سطح پر بالکل سچ ہے۔ نہیں۔ سچائی بذاتِ خود ہے۔ اور یہی اودیت سِدّھانت بیوہار کی سطح پر نرنتر پریم بن کر منعکس ہوتا ہے۔ عملی زندگی میں الفتِ حقیقی کے نام میں ظاہر ہوتا ہے۔ کار و بار کے بازار میں محبتِ یکساں کا جامہ پہن کر آتا ہے ؟ پس یہ اودیت سِدّھانت جو پرمارتھ میں عین روشنی ہے بیوہار میں عین محبت بنا ہوا ہمیں کیونکر دھوکا دے سکتا ہے ؟

بھیڑیا۔ سانپ۔ بچھو وغیرہ جن کو موذی جانور مانا گیا ہے۔ اگر ہمارے دل میں انتہا درجے کا پریم ہوگا تو کیا یہ ہمیں نہ کاٹیں گے ؟ ہاں! نہیں کاٹیں گے ؟

अहिंसा प्रतिष्ठायां तत्सन्निधौ वैरत्यागः। (یوگ درشن)

"اہنسا (نفیٔ ایذا رسانی) کے مضبوط طور پر قائم ہو جانے سے آس پاس بھی عداوت نہیں پھڑک سکتی" +

ا یکے دیدم از عرصۂ رودبار	کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار (۱)
چناں ہول ازاں حال بر من نشست	کہ ترسیدم پائے رفتن ببست (۲)
تبسم کناں دست بر لب گرفت	کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت (۳)
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ	کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ (۴)
بجز اہلِ دعوے بدیں نگروند	کہ ابدال در آب و آتش روند (۵)

سراپا فیض درگا ماتا ببر شیر کی پشت پر کیوں پالان نہ ڈالے گی؟ (
ستوگن کے پتلے وشنو کی خاطر اژدہائے ہیچاں نرم بستر کا کام دیتا ہے اور اپنے زہریلے پھنوں کو اس روئے خنداں کی چھتری بناتا ہے۔
ترش دشمن سانپ منبع خیر (بردآتما) شیو جی کے زیور (بھوشن) بنے ہوئے ہیں۔ اور محبت سے دیال بھوشن کے گرد لپٹ کر شانتی کی تاثیر کو تصدیق (certificate) کر رہے ہیں +

لہ (۱) رودبار کے میدان میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ چیتے پہ سوار ہو کر میرے پاس آیا (۲) اس حالت کو دیکھ کر مجھ پر ایسا خوف چھایا کہ ڈر سے میرے چلنے کا پاؤں بند کر دیا (۳) اس نے مسکراتے ہوئے ہونٹ پر ہاتھ رکھا (یعنی تعجب کرنے لگا) کہ اے سعدی جو کچھ تو نے دیکھا اس کا تعجب مت کر +

(۴) خدا کے حکم سے تو گردن مت پھیر تاکہ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ پھیرے۔

(۵) جو لوگ ایسی باتوں کے وقوع میں نہ آنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کیوں نہیں دیکھتے کہ ابدال پانی اور آگ میں چلے جاتے ہیں +

انگریزی خواں جسکو گنگا کی شلا پر بٹھایا تھا۔ دگھڑی دیکھ کر:۔ تھینک یو! تھینک یو! ! (آپ کا مشکور ہوں) آپنے بڑی عنایت کی! کیسے کیسے سبز باغ دکھائے۔ لیکن مجھے تو ٹھنڈی ہوا میں بیٹھے بیٹھے زکام لگ چلا ہے۔ معاف کیجئے گا۔ اجازت مانگتا ہوں۔

رام:۔ اچھا تشریف لیجایئے گا*

انگریزی خواں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

رام۔ گنگا میں اس کے عکس کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں:۔ ذرا کھڑے کھڑے اِدھر گنگا میں جھانکنا۔ یہ آپ کا قریبی رشتہ دار (relation) شکل و شباہت میں تو بالکل آپ کے ایسا ہے۔ لیکن یہ کیا؟ گھڑی اِس نے کوٹ کے دائیں جانب لٹکا رکھی ہے۔ حالانکہ جنٹلمین کو آپ کی طرح بائیں پہلو پر رکھنی چاہیئے۔ اور دیکھو! آپکے اور اسکے پاؤں تو اکٹھے ہیں۔ لیکن آپ کا قد اوپر کو بڑھ رہا ہے۔ اور اس کا قد نیچے کو دراز ہو رہا ہے۔ یہ اینٹی پوڈیز (antipodes) ایسے نزدیک کیونکر آگئے!؟

یہ کہہ کر رام استادہ ہوا۔ اور باتیں کرتے کرتے دونوں گنگا کے کنارے ٹہلنے لگتے ہیں۔

رام:۔ آپ با اختیار ہیں۔ یہ سایہ بے اختیار آپ ذی عقل۔ یہ غیر ذی عقل۔

ع عکسِ گل میں رنگ ہے گل کا ولیکن بو نہیں

گنگا جی میں جو تماشے (فنٹیلین) دیکھا ہے۔ وہ ہر ایک بات میں اُلٹا ہی ہے۔ اِس کا دایاں بایاں ہے اور بایاں دایاں ہے۔ اُسکے پیر اوپر کو ہیں اور سر نیچے کو۔ لہروں پر سارا بدن بیقرار اور مضطرب ہے۔ پر جب اُس کے عکس کے پاؤں سے اُوپر کو چڑھ کر دیکھا تو اصلی پاؤ

صاحب کے پاؤں پائے۔ پھر تو دایاں دایاں ہی تھا۔ اور بایاں بایاں ہی۔ سر اوپر ہی کو تھا۔ اور بدن بھی لرزاں و مضطر نہیں تھا۔ چنگے بھلے (~~Indian~~) حقیقی انسان سے سابقہ پڑا۔

اب دیکھئے جمادات۔ نباتات اور حیوانات مایا (پرکرتی) روپی ندی کے مدارج و منازل ہیں۔ بموجب قانونِ قدرت اِن میں پُرش چیتن کا برقی بمب (پرتو) معکوس اور سرنگوں پڑنا ہی چاہئیے۔ صعود کی خاطر (یعنی اُوپر آنے کے لئے) سر کو نیچے اور پیر کو اُوپر رکھنا پڑیگا۔ مشوش اور مضطرب سایہ عروج و بلندی کو صرف یوں ہی پا سکتا ہے کہ پس و پیش شدہ صورت اور زیر و زبر شدہ طریق سے جدّ و جہد کرے۔

پس برخلاف شانتی اور پریم والے رنگ ڈھنگ طرح وضع کے جو اصلی پُرش چیتن کی بحالی (restoration) کے واسطے ضروری ہے نباتات اور حیوانات میں اُلٹا طریق (جنگ و جدل) ہی ذریعہ صعود قرار پاتا ہے۔

اگیانی جیو کے جسم میں حقیقی پُرش (چیتن) کے پیر اور سایۂ معکوس کے پیر آ ملتے ہیں۔ اب انسان کی ذاتی شان کی بحالی۔ یعنی ترقّی وصعود کا وسیلہ وہ نہیں رہے گا جو اجسام حیوانات وغیرہ میں معکوس سایہ کی ترقّی کا تھا۔ جنگ و جدل انسانی جامہ میں آکر اُس کو اُوپر نہیں چڑھائے گا۔ بلکہ بندروں۔ لنگوروں اور بھیڑیوں وغیرہ کا ہم پلہ و رفیق بنائے گا۔ منشا دیہ میں آکر اِس پُرش کو شانتی۔ پریم اور صلح کا طریق برت کر اپنا اصلی سروپ (حقیقی اپنا آپ) بحال کر لینا زیب دیتا ہے۔ اپنے سچّے سر کو سنبھال لینا ہی لازم آتا ہے۔ مضطرب عکس سے الگ ہو جانا ہی واجب ہے۔ مایا کی لہروں سے آزاد ہو کر

موجزن ہونا ہی ضروری ہے۔ وہم سے خلاصی پانا ہی لابد ہے۔ اگیان کی غلامی سے رہائی پانا ہی مناسب ہے ؂

اب دیکھئے مشاءٔ احدیت (اَدوئیت سِدھانت) کے بعض محققین کی رُو سے آودیا (فطرت۔ پرکرتی) میں چیتن (قادرِ مطلق) کے پرتی بمب (عکس) کا نام جیو (روح) ہے۔ یہ آودیا (فطرت نیچر) وکشیپ (اضطرار) شکتی والی ہے۔ یعنی آبِ رواں کی طرح حرکت پذیر ہے۔ بڑ کے بیج کی طرح تغیر مشہودی کی امکان رکھتی ہے۔ چیتن کے شعاع کو رحم میں لیکر زن باردار کی طرح یا سیراب زمین کی طرح پھلنے پھولنے کی قوت رکھتی ہے۔

ع طرحِ رنگ آمیزی در فصلِ خزاں انداختہ ؂

| گھن سُشپتی | یہ اودیا (پرکرتی) بے حس جمادات کی اشکال میں گاڑھی خوابِ گراں (گھن سشپتی) کے خراٹے لے رہی ہے۔ گھوڑے بیچ کے نیندِ غفلت میں پڑی ہے ؂ اِس عالم میں خیالِ نفس و مکان و زمان (دیش۔ کال۔ وستو) بیج میں درخت کی مانند دایۂ عدم کی گود میں ہے ؂ تموگن کے پردۂ سیاہ نے آئینۂ نیچر کو مکدر کیا ہوا ہے۔ اِس لئے پُرش (چیتن) کے نور کو ظاہر کرنے کی قابلیت نہیں۔ رنگا رنگ بزم آرائیوں میں سے کوئی بھی بالفعل موجود نہیں۔

| سشپتی | نباتات کے روپ میں پرکرتی نے کروٹ بدلا۔ گلے میں پلیٹیں ڈالے ہوئے (متعالفذ) پُرش کو ذرا محسوس کیا۔ لیکن خوابِ غفلت نہیں مٹی۔ البتہ گھن سشپتی قدرے نرم سشپتی ہوگئی ؂ دیش۔ کال۔ وستو (نفس و مکان و زمان) نے آغوشِ مدہوشی سے ذرا سر نکالا۔

؂ خدا نے فصلِ خزاں سے فصلِ بہار (یعنی رنگآمیزی) کی بنیاد ڈالی ہے ؂

دیکھئے۔ یہ پودے (Tropics) منطقۂ حارہ میں اُگتے ہیں۔ کیشتِ زعفران اور تُلسی خزاں کے موسم میں رنگ لائے گی۔ گینڈا موسم بہار میں نہیں پھولے گا۔ لاجونتی (sensitive plant) آدمی کا ہاتھ لگنے سے شرم کے مارے مُرجھا جائیگی۔ دیودار اونچے پہاڑوں پر ملیگا۔ دھان (چاول) برسات کی پیداوار ہے۔ وغیرہ + آتمیہ نیچر کا سخت سیاہ آورن (چھاتیاں) اب دھندلے (smoky) رنگ سے بدل گیا ہے۔ سبز پوشاک پہن کر پرکرتی نکلی ہے۔ کیا کنایتًا یہ کہہ رہی ہے کہ میں نے پُرش کو قبول کیا ؟

سوپن | حیوانات کے پوستین میں پرکرتی پر سوپن اوستھا (عالمِ مثال) ہے۔ خواب کا سب کاروبار۔ ہر ایک چیز غیر متعین (hazy - dizzy) کُل سلسلہ پریشان۔ جملہ اشیاء کے باہمی تعلقات سُست۔ رشتے سبھی ڈھیلے۔ اس حالت کے صُوَرِ علمیہ سب کی سب غیر قارہ۔ غیر ثابتہ اور بے ترتیب ہوتی ہیں + دیش۔ کال۔ وستو کیتم غیب سے بر آمد ہوئے ہیں۔ لیکن ابھی ننھی ننھی جانیں ہیں۔ کمزور پودوں کے آپسے ہیں۔ ہر طرف ڈھل سکتے ہیں۔ موڑ توڑ کے قابو میں ہیں۔ عجب طرح کے تغیر پذیر ہیں

خواب (۱) انارکلی میں گھوڑے پر سوار جارہے ہیں ۔ یہ جمتوں آگیا۔ اتر کر دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ گھوڑی بھی ساتھ ہے۔ لیکن نہیں وہ تو اب ایک قبول صورت آدمی بن گئی۔

خواب میں فضا بھی نرالے ہی ڈھنگ کا ہوتا ہے۔

یہ ہے دیش اور وستو پرچھید کی کیفیت +

(۲) خواب میں عرصۂ دراز گذر گیا جاگ کر دیکھا تو بہت ہی قلیل وقت تھا۔ اس بارے میں آستک لوگوں کو "یوگ باسشٹ" میں راجہ لون کی کتھا یا ایسی کئی دیگر روایتوں کا حوالہ دیدینا کافی ہے۔ معقول عہدوں پر مامور بابو لوگ از سیر تو امتحان گاہوں میں سپرنٹنڈنٹوں کی زیر نگرانی قلم دوڑاتے ہیں۔ باہر سے کوئی آواز چار یا پانچ سیکنڈ تک آتا رہا۔ خواب میں ایک لمبی چوڑی واردات تیار ہو گئی جس نے اس آواز کو نہایت موزوں موقع وضع کر دیا۔

خواب میں کئی مرتبہ خوب پرواز کیا۔ کیا پرندوں کے جنم والی عادت پھر عود کر آئی؟ یہ حال عالم مثال کے "وقت" کا ہے۔

(۳) خواب کا منطق بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ عقل ہماری مرضی موافق ہوتی ہے۔ ریاضی کے نہایت مشکل سوالات کئی دفعہ خواب میں حل ہو گئے۔ مگر اٹھ کر دیکھا تو حل میں غلطی پائی۔ خواب میں پڑھتی ہوئی غزلیں لکھیں۔ لیکن جاگنے پر معلوم ہوا کہ شعروں میں سکتہ پڑتا ہے۔ خیالات بکھرے ہیں۔ الغرض عالم بیداری کا "حیوان ناطق" دالشان، عالم خواب میں بچپا ڈھل مل مزاج رکھتا ہے۔

اے جاگنے والے! غور سے دیکھ۔ عالم شہادت (بیداری) کا عالم مثال (خواب) کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ بیٹا۔ کیسی اشد لازمی ہے۔ رسی سے بندھی ہوئی بلبل ادھر ادھر جھپٹ کر۔ اچھل کود کر دوڑ بھاگ کر آخر اپنی نشستگاہ (کھونٹی) پر آ بیٹھتی ہے۔ ویسے ہی عالم

بیداری میں من اور حواس رونق دیکھتے ہیں۔ چھل پھل کے مزے لوٹتے ہیں۔ پر آخر تھک ہار کر اپنے قیامگاہ خواب میں آن آرام کرتے ہیں ✤

यदा वै पुरुषः स्वपिति प्राणं तर्हि वागप्येति प्राणं चक्षुः प्राणं मनः प्राणं श्रोत्रं। स यदा प्रबुध्यते प्राणदेवाधि पुनर्जायन्ते ॥ (دشت پتھ براہمن)

ترجمہ:۔ جب آدمی سوتا ہے۔ تکلم (بانی) پران میں محو ہو جاتی ہے۔ باصرہ پران میں۔ من پران میں۔ سامعہ پران میں۔ اور جب وہ جاگتا ہے تو پران ہی سے یہ سب پیدا ہو آتے ہیں ✤

نگاہ ہر جا رود آخر بہ مژگاں باز میگردد[1]
کہ آزادی گرفتاری است مرغ رشتہ برپارا

بیشک خواب سے بیداری ویسے ہی نمودار ہوتی ہے جیسے صبح میں سے دوپہر ظاہر ہو آتی ہے۔ جیسے ننھے پودے میں سے ایک بہت بڑے پھیلاؤ کا درخت (gigantic tree) ✤ کیوں جی! عہد طفولیت بھی ایک زمانۂ خواب ہی تو ہوتا ہے۔ جس میں شباب کا عالم بیداری بتدریج ظہور پکڑتا ہے۔ عالم شہادت (جاگرت) کی بنیاد تجربہ کے ارکان ثلاثہ دیش۔کال۔وستو کو بخوبی ملاحظہ فرماؤ۔ اور پھر ان عالمِ خواب کے دیش کال وستو سے مقابلہ کر کے بتاؤ کہ جاگرت کی مضبوط اور سخت ہڈیاں (زمان۔مکان۔برہان) عالم خواب کے نرم نرم ڈھیلے ڈھالے دیش۔کال۔وستو سے وہی رشتہ و تعلق رکھتی ہیں کہ نہیں۔ جو جوانی کو بچپن سے ہوتا ہے ✤

---

[1] نگاہ جس جگہ بھی جاتی ہے آخر کار وہ پلکوں کی طرف لوٹ آتی ہے۔ کیونکہ پاؤں سے بندھے ہوئے مرغ کے لئے آزادی بھی گرفتاری ہے ✤

یہاں پر سب پہلوؤں کو لیکر مفصّل ثبوت سے اِس معاملہ کو زیادہ طُول دینا مُناسب نہیں۔ اِس وقت اتنا ہی کافی ہوگا۔ کہ ایک عام اطلاع عام دُنیا کو نازل کیا جائے بدیں مضمون کہ ہر فرد بشر کو لازم ہے۔ ایکانت کے صدر مقام میں اپنے تئیں پہنچا کر ہمہ تن شوق ہوکر سُنے۔ وہاں دِل کا ڈھول پیٹ کر انہد کا نقّارہ بجاکر پرکاش یہ اعلان (manifesto) دے رہا ہے کہ گھن ششُپتی کے پہاڑوں پر مِتّھیا اگیان (اوِدیا۔ مایا۔ جہل) رُوپی برف کی ساکن جھیل چیتن (آتما) کی تیز کرنوں سے خود بخود پگھل کر عالمِ خواب کے چھوٹے چھوٹے ناگوں کے ایسے نالے بنتی ہوئی عالمِ بیداری میں بھاری دریا ہوکر بہنے لگتی ہے۔

तम आसीत् तमसा गूढमग्रेऽ प्रकेतं सलिलं सर्वमाइदं।
तुच्छ्येनाभ्वपिहितं यदासीत् तपसस्तन्महिना जायतैकं॥३॥

(رگ وید منڈل ۱۰ سوکت ۱۲۹)

ترجمہ:۔ "(جگت کے ظہور سے) پہلے اندھیرے سے ڈھپا ہُوا اندھیرا تھا۔ یہ سب کچھ غیر متعیّن بے نشان سیال کے ایسی (مانند) حالت میں پڑا تھا۔ یہ جو کچھ پھیلا ہُوا ہے اُس وقت ہیچ (عدم؟) کے لباس میں تھا۔ (پھر) وہ واحد ہیولے تپ (گرمی) کی تیز طاقت سے وُجود میں آیا"۔

پس دُنیا کے بڑے بڑے تمام دلفریب صُورتیں اور "ہیچ و تاپ" میں ڈوا لینے والی بوقلموں اشیاء اِس ایک ہی گھن ششُپتی کا پسارا ہیں۔ ظلماتِ جہل کا شگوفہ ہیں۔ اَودیا (اوِدیا کرت) کی گھٹا ٹوپ گھُپ اندھیری رات میں فرضی بھُوت پریت ہیں۔ یہ سب کثرت وہم و گمان

ہے۔ دُوائیتی غیریت صرف خواب و خیال ہے۔ جذبات اور اُن کے مطلوب
دھوکا ہیں۔ بڑا ہُوا سُوپن ہیں ٭ اے انسان! تیری ذات اِس
آوِدیا (جہل) اور اس کی ایوولیوشن (ارتقاء) سے برتر ہے۔ جب یہ
اوِدیا گھن سُشپتی کے پہاڑ (کارن شریر) پر ساکن جھیل کی صُورت
میں کائی (آورن بھُوں) سے ڈھکی ہوتی ہے۔ تیرا نُور ویسا ہی
درخشاں ہوتا ہے جیساکہ اِس صُورت میں جبکہ صاف شفاف پہاڑی
نالوں کی طرح عالَمِ خواب میں بہتی ہے۔ یا جیساکہ اُس صُورت
میں جبکہ یہ زور آور دھارا بنکر عالَمِ بیداری میں کلکلاتی ہوئی ندی
کی بہار دکھاتی ہے٭

اے رہبرِ تاباں پُرش! تُو آوِدیا کی ندی میں ڈانواں ڈول
عکس اپنے تئیں مت مان۔ مانا کہ لکھو کھا امواج پر تیرا پَرتو پڑ رہا
ہے، پر بیقرار لہروں کے باعث اپنے تئیں ٹکڑے ٹکڑے سمجھ بیٹھنا
یعنی چہ؟ ہائے جانِ من!

؎ قتل بے شمشیر تُم تو ہو گئے ٭ آئینہ دِکھلا دِیا دو ہو گئے

بھلا اتنا تو بتلاؤ "کہ تُم ہو کہ نہیں ہو"؟ ہائے مَیں صدقے!
دُشمنوں کو "نہیں"۔"نہیں" کہنے والے کی زبان پر پھپھولے پڑیں! تُم
ہو۔ ضرور ہو۔ اگر اوِدیا کے وَہم میں آکر تمہارے مُنہ سے بہکی بہکی باتیں
نکلنے لگ پڑیں اور تُم بول اُٹھو کہ "مَیں نیست ہُوں۔ معدوم محض ہُوں
مَیں نہیں ہُوں وغیرہ" تو تمہارے ایسا کہنے ہی سے تمہاری ہستی
اظہر من الشمس ہے۔ "مَیں سویا ہُوا ہُوں" کہنے سے صاف پایا جاتا
ہے کہ متکلم جاگتا ہے٭ ذرا خیال تو کر دیکھو کہ "مَیں نہیں ہُوں"

اِس خیال کا روشنی دینے والا دیپکا شک) تُمہارا اپنا آپ جُوں کا
تُوں قائم بالذات رہیگا ۔ پس اگر تُمہارا اپنا آپ "سہے"۔ اور نہیں کی
نہیں سہ سکتا تو تُم ضرور سدا سلامت نر آکار شوروپ ہی ہو۔
عکس کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عکس تو مِتھیا ہے۔ جھُوٹ ہے۔
وہم و گمان ہے۔

لہ اے آنکہ تو خُدا را جوئی ہر جا ۔ چہ تو خُدا نۂ؟ خدائی بہ خُدا

Some thousand thousand times or more [۲]
Unto myself I witness bore,
"Gladly gives Nature all her store." She
Knows not kernel, knows not shell.
For she is all in one.
But thou,

لہ (۱) اے شخص کہ تو ہر جگہ خُدا کو ڈھونڈتا ہے۔ کیا تو خود خُدا نہیں ہے؟
خُدا کی قسم تو خدا ہے ۔

لہ ہزاروں بلکہ لاکھوں مرتبہ میں نے اپنے اندر آتو بھو کیا دیا اپنے آپ کی بابت
گواہی دی) کہ قدرت دیر کرتی) خوشی سے (اپنے اِلک انسان کو) اپنا سارا سرمایہ دیتی (حوالہ
کرتی) ہے وہ باہر کے چھلکے اور اندر کے گُودے میں کوئی امتیاز نہیں کرتی۔ کیونکہ وُہ سب
ایک میں ہے (یعنی چُونکہ وُہ سب جگہ سب رُوپ اور ہر ایک میں مکمّل ہے۔ اس
لئے وہ باہر کے نام رُوپ اور اندر کے آتما وغیرہ کا امتیاز نہیں کرتی) لیکن تُو اَے
اِنسان اپنے گریباں میں مُنہ ڈالکر دیکھ (اپنے آپ کو اچھی طرح ملاحظہ کر) کہ
تُو خود آیا اندر کا گُودا (مغز اصلی ذاتِ تمام) ہے یا باہر کا چھلکا (تمام اسماء و اشکال) ہے
دیکھئے)

Examine thou thine own self well

Whether thou art kernel or art shell

(Goethe)

نمک حرامی (treason) بادشاہ کو گالی دینا اور الزام لگانا بڑا جُرم مانا گیا ہے۔ تو کیا شاہِ شاہاں سُلطان السلاطین۔ اپنی ذات پاک خاص خدا کو کلنک لگانا پاپ نہ ہوگا؟

ا حق دانم و حق گویم و در راہِ اناالحق
منصُور صفت سر بسرِ دار فروشم

توبہ کرو بندہ بننے سے! نہ اپنے تئیں فانی اور محدُود مانو۔ نہ جسم کے جیلخانہ میں سزا بھگتو۔

دائرۂ کائنات میں جمادات و نباتات کے طبقوں سے گزر کر پرکرتی کا حیوانی جامہ اوڑھنا گویا عالمِ مثال (خواب) پر نزول کرنا ہے۔ یوروپین لوگوں کا اختیار ہے اُسے صعُود ہی سے نامزد کردیں۔ اِس موقع پر دیش۔کال۔وستُو کا جالا دماغ میں تننا شروع ہوتا ہے۔ مادۂ فطرت میں صفائی آتے آتے یہاں تک نوبت آ جاتی ہے کہ جرمن لیمپ پر چینی کی ہنڈیا (globe) کے ایسا نیم شفاف پن (Translucency) نکل آتا ہے۔ اور پُرش کا پرکاش (نُور) رہ رہ کر کچھ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ کچھ رُکا رہتا ہے۔

ے مخفی نہیں ہے چہرۂ جاناں نقاب میں ❊ مہتاب آگیا ہے حجابِ سحاب میں

ا مَیں حق جانتا ہُوں۔ اور حق کہتا ہُوں۔ اور اناالحق کے راستے میں منصُور کی طرح پھانسی کے اُوپر اپنا سر بیچتا ہُوں ❊

س ہے چشمِ نیم باز عجب خواب ناز ہے ٭ فتنہ تو سو رہا ہے درِ فتنہ باز ہے
ساتویں سکھی (کرشن) باریک ساڑھی پہن کر آ جاتی ہے اور گھونگھٹ
کی آڑ میں سے آنکھیں مار مار کر عقل و فکر کو گول مال کرنا شروع کرتی
ہے۔ پر یہ بھی کوئی بات ہے بھلا ؟
ملہ بہر رنگے کہ خواہی جامہ میپوش ٭ کہ من آں قدِ موزوں می شناسم
س کیوں اوہلے بہ بہ جھاکیدا ٭ ایہہ پردہ کس توں راکھیدا ؟ ٭
جاگرت چلئے استقبال کی تیاری کیجئے۔ وہ حضرتِ انسان تشریف فرما
ہوئے۔ ویلکم !! پرکرتی اب کھری خاصی جاگی ہوئی ہے ٭ دیش۔
کال۔ وستو میضۂ امکان کو پھوڑ چکے۔ اور جدھر دیکھو اُدھر ہی بازو
پھیلائے اڑ رہے ہیں ٭ پرکرتی کے ماتوے ہیں صفائی کا یہ عالم
ہے کہ اب اُسے چینی کی ہنڈیا سے نہیں بلکہ بالکل شفاف شیشے کی
چمنی سے نسبت دے سکتے ہیں۔ پرش کا نور صاف صاف جھلک رہا ہے
کیا پردہ بالکل ٹوٹ گیا۔ پرش عریاں ہے ؟ گمان تو ایسا ہی ہوتا ہے
بھلا دیکھیں تو سہی۔ آے لو! عشق (پریم) کے پروانہ نے پرش روپی شمع
کا رُخ کیا۔ اسکی دانست میں کوئی سدِّ راہ نہیں۔ جاں بازکیں پھڑتی
سے آ رہا ہے ٭ وائے قسمت ! چمنی سے ٹکریں مار مار کر رہ گیا۔
ملہ خاک برجانِ ہوا دارِ یئے فانوس فتاد
کہ ازو شمع جُدا سوزد و پروانہ جُدا

ملہ جس رنگ میں تو چاہے کپڑے پہن۔ میں تو وہی تیرا موزوں قد پہچانتا ہوں ٭
(۲) فانوس کی خیر خواہی پر خاک پڑے کہ اُس کی وجہ سے شمع الگ جلتی ہے
اور پروانہ الگ جلتا ہے ٭

پُرش ابھی پرکرتی کی چار دیواری میں گھرا ہے۔ آزاد نہیں ہُوا۔ آزاد تو جب ہو جب عشق (اَدویت) کا پروانہ اُس کے ساتھ یکجاں ہو سکے۔ ابھی تو ما ومنی کی دیوار عشق کو روکے کھڑی ہے ﴿

عالمہائے خوابِ گراں (جمادات و نباتات) خواب (حیوان)۔ اور بیداری (انسان) کو پرکرتی کی کثافت کے درجوں کی رُو سے علی الترتیب تموگن۔ رجوگن اور ستوگن والا بیان کیا گیا ہے۔ اور ہانڈی رچینی وغیرہ کے حیثیتِ مادّہ کی مثال دی گئی ہے۔ پر یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ عالمِ خواب (حیوان) اور عالمِ بیداری (انسان) میں پُرش رُوپی شمع کے واسطے پرکرتی صُورت بھی ہانڈی اور چینی کی سی رکھتی ہے۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ عالمِ خواب (حیوان) اور عالمِ بیداری (انسان) میں پرکرتی خالص، رجوگن اور خالص ستوگن سے موصُوف ہوتی ہے بلکہ ہر حالت میں تینوں حالتیں برتتی ہیں ﴿ جہاں نُطق اور کلام کی دال نہیں گلتی۔ وہاں استعارے سے تھوڑا بہت کام نکل سکتا ہے زبانِ استعارہ (metaphorical language) میں پرکرتی کی ہیئت مادّہ خواہ کثیف (تم۔رج والی) رہے۔ خواہ چینی کی مانند لطیف (ستوگن والی) لیکن پرکرتی کی صُورت اور ترکیب (crystallization۔ بلّور) ہمیشہ ایک مثلثی منشور (prism) کی سی رہتی ہے جس کے تین پہلو تو ست رج اور تم ہیں۔ اور دونوں سرے نام اور رُوپ ﴿ جیسے آفتاب کی روشنی منشورِ مثلثی سے نکل کر طرح طرح کے الوان دِکھاتی ہے۔ وَیسے ست چت آنند پُرش کا نُور (جمال و جلال) اَودیا کے منشور میں سے نکل کر

گوناگوں اور بوقلموں ہو جاتا ہے۔ کثرت کے رنگ جاتا ہے۔ دُنیا بن کر نظر آتا ہے۔

ملہ مغربی آنچہ عالمش خوانند ؛ عکسِ رُخسارِ تُست در مرآۃ

ع تیرے رُوپ اَنُوپ کے پیارے ہیں سب ہیں جھکارے
پیارے! کہیں گُل بن کے ہو خنداں کہیں ہو بلبلِ نالاں
جھلکتا ہے یہاں سب ہیں ترا رنگِ طرحداری
تری صُورت کو جب دیکھا ہُوا حیران آئینہ
غرض کی گلشنِ ہستی میں تُونے خوب گلکاری

بیداری میں یہ منشور بہت صاف شفاف ہوتا ہے۔ اِس لئے سارے رنگ (دیش۔کال۔وستُو وغیرہ) نہایت شوخ اور تیز دِکھائی پڑتے ہیں۔ خواب میں یہ منشور دُھندلا سا ہوتا ہے۔ مُقابلۃً کثیف ہوتا ہے نُور باہر نِکلتا تو ہے لیکن رنگ (دیش۔کال۔وستُو) مدھم اور پتلے پتلے ہوتے ہیں ؛ خوابِ گراں (سُشُپتی) میں منشور بالکل سیاہ اور کثیف ہوتا ہے۔ اِس لئے کوئی رنگ باہر نہیں آتا۔ دُنیا نہیں بنتی ؛

روشنی صاف شفاف اشیاء پر پڑکر نہ صرف (۱) وار پار ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے لیمپ کی چمنی یا منشور میں {اِس کا نام انحرافِ روشنی ہے — refraction} بلکہ (۲) اکثر موقعوں پر شیشے کے پار نہیں جاتی اور مُڑکر شفاف شے کے پہلے ہی رُخ رہتی ہے جیسے آرسی میں یا پانی میں جھلملین کے عکس کی مانند {اِسکا نام انعکاس reflection ہے} ؛ منعکس چہرہ دکھائی تو پانی یا آئینہ کے بیچ میں دیتا ہے لیکن

ملہ اے مغربی! جسکو کہ دُنیا کہتے ہیں وُہ شیشے میں محض تیرے چہرے کا عکس ہے ؛

وہ نُور فی الحقیقت رہتا پانی یا شیشہ کے باہر ہی باہر ہے۔ اِس کی توجیہ
ہر ایک ریاضی داں بتا سکتا ہے ٭ وہ عکس جو پانی یا شیشہ کے
بیچ میں دکھائی پڑتا ہے۔ حقیقی نہیں ہوتا۔ اِس لئے ریاضی دانوں کی
اصطلاح میں عکس غیر حقیقی یا ورچوال راجح (virtual images)
کہلاتا ہے ٭ (۴) نیز روشنی اشیاء میں جذب بھی ہو جایا کرتی ہے۔ جسکے
باعث آرسی پانی وغیرہ خود نظر آتے ہیں۔ کئی دفعہ یہ تینوں عمل اکٹھے
ظہور میں آتے مشاہدہ کئے جاتے ہیں ٭
(اَوِدیا) نام رُوپ کا پنچ خود نظر آتا ہے یہاں تو پُرش (پرشوتم)
کا پرکاش مایا سے ہو کر بھاس رہا ہے ٭
خواب میں اشیا کا نظر آنا اور بیداری میں دُنیا کا محسوس ہونا یہ
پُرش کا پرکاش مایا کے منشور میں سے گُزر جانے (refraction)
کے باعث سے ہے ٭ شبد۔ سپرش۔ رُوپ۔ رس۔ گندھ الوانِ گوناگوں کیا
ہیں؟ فقط پرشوتم کے نُور کا ظہور مایا کے لینز یا منشور میں سے وار
پار گذرا ہُوا ٭ یہ منشور بیشمار ہیں۔ یعنی ابدان (انسان) کثیر التعداد ہیں
لیکن پُرشوتم (سُورج) ایک ہی ہے۔ ہر فرد بشر کے ضمیر (دِل۔انتہ کرن)
سے اُس ایک ہی پُرشوتم کا پرکاش نکل کر طرح طرح کی
بہار بنا رہا ہے ٭
اب آیئے۔ پرکاش کے انعکاس (reflection) [یعنی بجائے پار
ہو جانے کے پیچھے ہی طرف مُڑ سکنے] کی کیفیت دیکھئے گا۔ یہ حادثہ
(phenomenon) صرف عوارضِ انسانی میں دکھا دینا کافی ہوگا ٭
دیکھنا۔ سُننا۔ سُونگھنا۔ چھُونا۔ بولنا۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ لینا۔ دینا۔ وغیرہ یہ

عمل ظہور میں آنے وقت (اس سوال کے جواب میں کہ ان کا مصدر کون ہے؟) ایک "میں" کا خیال (ego)، حواس اور جسم میں متمکن جھلک مارتا ہے۔ "میں صاحب جسم۔صاحب حواس" یہ کر رہا ہوں۔ یہ بھوگ رہا ہوں۔ چلتا ہوں۔گاتا ہوں۔روتا ہوں وغیرہ۔ وہ کام فلاں شخص نے کیا۔ وہ فعل کسی اور سے سرزد ہوا۔ یہ عمل کسی تیسرے آدمی سے ظہور میں آیا۔"میں" علیحدہ ہوں۔ یہ اور ہیں۔میں اور ہوں۔ وغیرہ۔ اس قسم کا پابندِ جسم و جان جو "میں" (کا خیال) ہے یہ آہنکار روپ "میں" ویدانت والوں کے ہاں "چد آبھاس" کہلاتا ہے۔ یعنی چیتن (ذاتِ مطلق) کا ضمیر (انتہ کرن) میں غیر حقیقی (reflection) عکس۔ اسی کا نام "جیو" بھی لکھا ہے۔

اب دیکھئے افعال و حرکاتِ مختلفہ تو کیا عالم جبروت (سشپتی) ہیں۔کیا عالم ملکوت (سوپن) میں اور کیا ناسوت (جاگرت) میں صرف پُرشوتم کے حضور میں تین گنوں والی پرکرتی (اودیا) کے ایر پھیر رد و بدل اور ناچ کود کے سبب سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ لیکن "میں کرتا ہوں۔میں بھوگتا ہوں۔ میں۔میں۔میں" اس دھوکا بازی "میں" کے گلے پر چھری۔ یہ "میں" کا خیال خواہ مخواہ دامنگیر ہوئے جاتا ہے۔ اس "میں" (اہنکار) کے جال میں پھنسے ہوئے اصحاب! اگر تم (چد آبھاس) ہی سب کچھ کرنے والے ہو تو سشپتی (خوابِ گراں) کو اپنے اوپر کیوں غالب آنے دیتے ہو۔ یہ حالت تو تمہارے "میں ویں" کو ایک طرح اڑا ہی دیتی ہے۔اس وقت تو کرتا بھوگتا "میں" کا سراغ نہیں ملتا۔

اے "محدود میں"! ذرا دیکھ تو سہی۔ نہ تو نیند ہی تیرے بس میں ہے اور نہ بیداری۔ دورانِ خون۔ بالیدگی۔ پٹھوں۔ رگوں۔ ہڈیوں وغیرہ کی پرورش بھی اِس محدود خیالِ خودی کے کب اختیار میں ہے۔ جسم میں ہر وقت معرکۂ کارزار جو گرم رہتا ہے اے خودی! تجھے اُسکا پتہ ہی کیا؟ اے رچد آبھاس! اگر جسم تیرا ہے تو اِسے مرنے ہی کیوں دیتا ہے۔ بلکہ بیماری کے سمے ہی کیوں کشمکش پرپنچ میں پڑ جاتا ہے۔

اُف! محتالہ پرکرتی (اَودیا) کے داؤ میں آکر پری شیشے میں اُتر آئی۔ نہیں اِندر خود خُدائی کو چھوڑ کر خودی میں آگرا۔ جیو اور بندہ کہلایا۔ اے آتم دیو اِندر! تمہیں اپنے حقیقی راج پاٹ سلامت رہے۔ قیدی جیو بندہ بننا کیا مطلب؟ تم عکس تو نہیں ہو؟

بیا بر آسمانِ دل چو خورشید	زکوکب پاک کُن لوح و سمارا (۱)
سلیمانا بیار انگشتری را	مطیع و بندہ کُن دیو و پری را (۲)

سوال: - یہ تو مان لیا کہ جسم آتما نہیں ہے۔ پر کیا آتما کرتا۔ بھوگتا۔ نہیں ہے۔ اور آتما خواہش۔ نفرت۔ آرام۔ تکلیف۔ حرکت (یا کوشش) اور علم اِن چھ نشانوں والا نہیں ہے؟

इच्छा द्वेष प्रयत्न सुख दुःख ज्ञानान्यात्मनो लिंगमिति।

(نیائے درشن سوتر ۱۰)

اور کیا آتما جنم مرن میں بھی نہیں آتا؟

---

(۱) دل کے آسمان پر سورج کی طرح آ۔ تختۂ دل اور ہردیہ آکاش (دلِ صنوبری) کو ستاروں سے صاف کر (یعنی گیان کے زور سے شک و شبہ کو مٹا دے)

(۲) اے سلیمان اپنی انگوٹھی لا اور دیو و پری کو تابعدار بنا۔

رام: سوکشم شریر (پران مے-منو مے- بگیان مئے کوش) کے گن کرم سبھاؤ کو آتما میں آروپنے سے جیوپن آتا ہے جیسے ستھول شریر آتما نہیں ہے۔ ویسے سوکشم شریر (پران مئے کوش-منو مئے کوش-بگیان مئے کوش) بھی آتما نہیں- اتنی بات تو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جسم کثیف میں نہیں- لیکن "جسم لطیف میں نہیں" اسکو سمجھنے میں کچھ زیادہ غور و خوض درکار ہے-

یہ بھگوے رنگ کی ریشمی الفی پڑی ہے- اس کے پاس بلور کا ٹکڑا دھرا ہے* بلور بھگوا نظر آتا ہے (۱) پر کیا یہ بلور سچ مچ بھگوا ہے؟ نہیں* آپ نے کیونکر جانا کہ بلور بھگوا نہیں؟ بلور کو بھگوی الفی (کفنی) سے جھٹ پٹ علیحدہ کر دیا- تو بلور کا بھگوا رنگ جاتا رہا- جس سے فوراً معلوم ہو گیا کہ بلور کا رنگ صرف اپادھی کے باعث سے بھگوا تھا* (۲) کیا الفی بھگوی ہے؟ ہاں یہ تو ہے

جانِ من! الفی بھی بھگوی نہیں- الفی کے اجزا ریشم کے پاس بھگوے رنگ کے اجزا ویسے ہی جُدا پڑے ہیں جیسے بلور کے پاس الفی الگ پڑی تھی- دھو دینے سے یہ رنگ اتر بھی سکتا ہے- یعنی ذرا محنت سے رنگ کے بھگوے اجزاء کو ریشم سے ویسے ہی علیحدہ کر کے دکھا سکتے ہیں جیسے الفی کو بلور سے جُدا کر کے دکھایا تھا* ذرا اور غور سے دیکھو تو رنگ ونگ سب ایک سُوکھ ہی کی مایا ہیں* ظاہری بھگوے بلور کا فی الحقیقت رنگین نہ ہونا تو آسانی سے سمجھ میں آ گیا تھا- لیکن ظاہراً بھگوی الفی کا بھی در اصل رنگین نہ ہونا ذرا دیر سے اور مشکل کے ساتھ ذہن میں بیٹھا* ٹھیک اسی طرح جسم کثیف کا آتما نہ ہونا تو جھٹ

پٹ سمجھ میں آ جاتا ہے۔ لیکن جسم لطیف کا آتما نہ ہونا عام آدمی کی فی الفور سمجھ میں نہیں آتا۔ اِس کا باعث یہی ہے کہ قلب کو بیراگ کے پانی سے دھوکر دُوئی کی مَیل اُتارنا لوگ گوارا نہیں کرتے ؛

اعتراض :۔ آپ کے رُوء سے تو بیداری خواب میں سے نمُودار ہوتی ہے لیکن ہم روز دیکھتے ہیں کہ خواب اُنہیں اُمور کے متعلق ہوتے ہیں جن سے بیداری میں سروکار رہتا ہے۔ جیسے چمار کو کبھی یہ خواب نہیں آتا کہ میں گنگا کنارے سندھیا کر رہا ہُوں۔ ہندوستان کے آٹھ برس کے بچے کو کبھی یہ خواب نہیں آتا کہ میں سینٹ پیٹرز برگ کے بازار میں سَیر کر رہا ہُوں ؛

رام :۔ بعض عُلماء کے نزدیک اوّل تو یہ بات بھی آجتک کامل طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ خواب ہمیشہ جاگرت کے پس و پیش شُدہ واقعاتِ گُزشتہ سے بنتے ہیں۔ (کیونکہ بعض خواب مُستقبل کے مُتعلق سچ بھی نکلا کرتے ہیں۔ نیز آدم زاد کئی دفعہ خواب دیکھتا ہے کہ میں پرواز کر رہا ہُوں۔ آسمان میں اُڑ رہا ہُوں وغیرہ)۔ خیر اِس بات کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خواب کا مضمُون ہمیشہ حوادثِ ماضی کے ایر پھیر پر مبنی ہوتا ہے۔ تو پھر بھی اِس سے مذکورۂ بالا مسئلہ ویدانت پر کوئی حرف نہیں آسکتا ؛ بیج ہمیشہ درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ بیج والا پھل درخت ہی کو لگتا ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ درخت بیج سے پیدا ہوتا ہے۔ سارا درخت بیج میں سمایا ہوتا ہے۔ وَیسے ہی مان لیا کہ خواب میں بیداری کے سنسکار ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اِن کے بیج سے درخت کی طرح خواب سے بیداری کا پھَل آنا بجا ہی رہتا

ہے۔جب جسم کثیف مر جاتا ہے۔ تو عالم خواب والا جسم لطیف بیج کی طرح
کارن شریر دیا آودیا) کی زمین پر آتما روپی سورج کی روشنی میں از
سر نو اُگ آتا ہے۔یعنی ایک نیا جسم کثیف دھارن کر لیتا ہے۔ جیسے
دوسرے جنم کے وقت سوکشم شریر ستھول شریر کی پیدایش کا باعث
ہوتا ہے۔ ویسے ہی چھوٹے سکیل (scale-پیمانہ) پر ہر روز خواب کا
سوکشم شریر جاگرت کے ستھول سے مقدم ہوتا ہے ؛

بعض لوگ سوپن اور سشپتی کو جاگرت کی "تکان کا نتیجہ مانتے ہیں
اُن کو صرف یہ یاد کرا دینا ہے کہ اگر خواب تھکاوٹ سے آتی ہے
تو جاگرت بھی خواب کی تھکاوٹ ہی سے آتی ہے۔سوتے سوتے تھک
جاتے ہو تو جاگ آ جاتی ہے ؛

سب مذاہب کے دعوے درست

عالم بیداری کے بعد خواب کا عالم ہمیشہ آیا کرتا ہے۔
خواب سے پھر بیداری طلوع ہُوا کرتی ہے۔گویا موت
سے پھر اجیا (resurrection) ہُوا کرتا ہے ؛ عالم خواب کے مضمون
اکثر وُہی ہوتے ہیں جو دن بھر توجہ کو کھینچتے رہے ہوں۔یعنی جو خیالات
عالم جاگرت میں جسم لطیف کو مصروف و مشغول رکھتے رہے ہوں۔عموماً
وُہی عالم خواب میں ظہور پکڑا کرتے ہیں ؛ جو عمل ہر روز وقوع میں آتا
نظر آتا ہے وُہی بڑے سکیل (پیمانہ) پر مرنے کے بعد واقع ہوتا ہے ؛

ایک سچا اور پکا نماز جو پنجاہ سالہ زندگی کے تمام دن بھر میں بچپن
سے لیکر بڑھاپے تک پانچ وقت نماز پڑھتا رہا۔ اِس یقین کے ساتھ کہ
وہ جب موت کی رات پڑے گی مجھے بہشت بریں نصیب ہوگا۔ حور و غلمان
ہم آغوش ہونگے۔ آبِ کوثر پینے کو۔ باغاتِ عالی سیر کو۔ قصورِ نفیس

رہنے کو ملیں گے"۔ بیشک موت کی رات پڑنے پر ایسے مومن کے جسم لطیف کو یہ سب چیزیں ضرور ملنی چاہئیں ؛

جو شخص تمام عمر کے جاگتے روز میں مندروں میں ہاتھ جوڑ جوڑ کر اور ماتھے رگڑ رگڑ کر یہ نشچے (یقین) پکاتا رہا ہے کہ مجھ سے راس لیلا اور شری کرشن پرماتما کے درشن کبھی نہ چھوٹیں۔ ایسے بشواسنی بھگت کو رویئہ دراز میں (بعد مرگ) ضرور گئو لوک ملیگا ؛

جو شخص ہر اتوار اور بدھ وار کو گرجا میں صدق دل سے دعا مانگتا رہا ہے۔ ہر صبح و ہر شام دو زانو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سر جھکا کر اور ہاتھ اٹھا کر نماز ادا کرتا رہا ہے۔ اور مرتے وقت اپنے منجی (شفاعت کنندہ) کے دھیان میں جسم کثیف چھوڑتا ہے۔ وہ کیوں وقت انتقال خدا کے دائیں ہاتھ کو حضرت عیسیٰ کے زیر سایہ منتقل نہ ہو گا ؟

جو شخص ساری عمر مکت شلا پر لٹو رہیگا۔ وہ خواب مرگ میں مکت شلا ضرور گھڑ لیگا اور اس کو تختگاہ بنائے گا ؛

جس کے دل میں خوب جچ گیا ہوا ہے کہ میں گنہگار۔ نیچ۔ پاپی ہوں۔ دوزخ کے لائق ہوں۔ وہ خواہ مخواہ خواب دوزخ کا مستحق ہے۔

سوال۔ تم نے سب مذاہب کے منازل مقصود کو صرف خواب و خیال ہی بنا دیا۔ ان کی تضحیک کر رہے ہو ؛

رام :۔ نہیں پیارے! رام کے تو سب اپنا آپ ہیں۔ وہ کسی سے لگاوٹ کی بات کبھی نہیں کرتا۔ مگر کسی خوف و خطر سے جھجک کر راستی کو چھپانا بھی وہ نہیں جانتا ؛ سُرگ بہشت۔ جہنم وغیرہ بھوگتے وقت ویسے ہی سچ اور حقیقی معلوم ہونگے۔ جیسے اس وقت ذہن سچ اور

حقیقی نظر آ رہی ہے۔ خواب آتے وقت کسی کو خواب کبھی جھوٹ بھی معلوم ہوتا ہے؟
مذاہب کو آپس میں جنگ و جدل کی کچھ ضرورت نہیں کہ ہمارا شورگ سچا ہے اور تمہارا بہشت جھوٹا ہے وغیرہ ۔ جیسے ایک ہی کمرے میں لیٹے ہوئے دس آدمیوں کے لئے دس علیحدہ علیحدہ دُنیائیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک دُوسرے میں تداخل نہیں کرتیں۔ نہ باہم مزاحم ہوتی ہیں۔ ویسے ہی عیسائیوں کو اپنا جنّتِ معہود، مسلمانوں کو اپنی اُمید کے مُوافق بہشت و رضوان۔ سچّے پریمیوں اور بشواسی بھگتوں کو گئو لوک اور بیکنٹھ کا آنند "مَیں عاصی گنہگار پاپی اپرادھی" کے خیال میں مستغرق صاحبوں کو دوزخ یا نرک بلا کھٹکے بِلا روک ٹوک مُبارک ہوگا۔ جب اپنے اپنے دوزخ یا بہشت کے مزے لے چکیں گے تو پھر resurrection (دوبارہ جاگنا) ہوگا۔ اپنے اپنے افعال و اعمال کے مُطابق عالمِ کثیف میں نیا جنم ہوگا۔ مگر سچ پُوچھتے ہو۔ دوزخ و بہشت بھی تمہارا ایک کرشمہ ہے۔ اور یہ دُنیائے کثیف بھی تمہارا ایک عشوہ ہے۔ رندانِ جامِ وحدت تو روضۂ رضوان کو، جحیم سوزاں کو، زمینِ گرداں کو تین نوالے کرکے آپ ہی آپ رہ جاتے ہیں۔

^1 دوزخ بدرا بہشت مر نیکاں را۔ جاناں مارا و جانِ ما جاناں را (۱)
^2 نہ حرفِ شکوہ میخواہم نہ وصل از ہجر میدانم
دلِ بے آرزو افسانہ و افسوں چہ میداند (۲)

---

^1 دوزخ بُروں کے لئے ہے اور بہشت نیکوں کے لئے۔ معشوق ہمارے لئے ہے اور ہماری جان معشوق کیلئے
^2 ۔ تو مَیں کوئی شکایت کی بات کہتا ہُوں۔ نہ وصل و ہجر میں تمیز کرتا ہُوں بے خواہش دِل منتر جنتر (ٹونا) بھلا کیا جانتا ہے۔

ے زبانِ بُلبلاں آنانکہ میدانند میدانند
کہ زاغِ شُوم دشمن نالۂ موزوں چہ میداند (۲)
طپیدن ہا چہ میداند دلِ افسردۂ زاہد
ادائے کاوشِ نشتر رگِ بیخوں چہ میداند (۳)
فلاطوں علتِ بیتابیٔ مجنوں چہ میداند
تو ایں حکمت ز لیلیٰ پرس افلاطوں چہ میداند (۴)
تغافل ہائے یوسف با زلیخا دیدم و گفتم
کہ طفلِ نازپرور لذتِ شبخوں چہ میداند (۵)
گرامی خم نشینی دیگر ست و خم کشی دیگر
تو اسرارِ خم از من پرس افلاطوں چہ میداند (۶)

آواگون	لاہور کے ایک آدمی کو خواب آرہا ہے کہ "میں گنگا کنارے

ے (۲) بلبلوں کی زبان جو شخص کہ جانتے ہیں وُہی سمجھتے ہیں اور بد بخت کوا بُلبل کا موزوں نالہ بھلا کیا جانتا ہے ۔

(۳) پرہیزگار کا بجھا ہُوا دل تڑپنے کو بھلا کیا جانتا ہے۔ (یعنی نہیں جانتا)۔ نشتر کے چبھنے کی ادا بے خون رگ بھلا کیا جانتی ہے ؟

(۴) افلاطون مجنون کی بیتابی کا سبب بھلا کیا جانتا ہے۔ اِس حکمت کو تو لیلیٰ سے پُوچھ ۔ افلاطون بھلا کیا جانتا ہے ۔

(۵) میں نے یُوسف کی لاپرواہیاں زُلیخا کے ساتھ دیکھیں اور کہا کہ ناز پرور لڑکا شبِ خون کا مزا کیا جان سکتا ہے ۔

(۶) اے گرامی مٹکے پر بیٹھنا اور ہے اور شراب پینا اور ہے (یعنی عشق کا نام لینا اور ہے اور عشق کرنا اور ہے) تو مٹکے (عشق) کا حال مجھ سے پوچھ افلاطون بھلا کیا جانتا ہے؟ ۔

باغ میں لیٹا ہوں۔ شمیم کی لپٹوں سے دماغ معطر ہو رہا ہے۔ بادِ بہاری کے جھونکے غنچۂ دل کو شگفتہ کر رہے ہیں۔ ستار۔ طنبورہ کے ساتھ ربابی لوگ معرفت کے بھجن گا رہے ہیں۔ گنگا دھنی کے ساتھ بالا جلا اُنکا شبد نہایت ہی فرحت ناک اثر کر رہا ہے۔ عجب سماں بندھ رہا ہے۔ اِس آنند میں اُس کی آنکھ لگ چلی ہے۔ گلابی نیند میں چشم نیم باز سے رام کے درشن ہو رہے ہیں۔ لو اب میٹھی نیند آئی۔ بالکل سو گیا۔ یہ خواب در خواب ہے۔ پھر جاگ پڑا۔ سامنے وُہی رام ہے وُہی باغ ہے۔ وُہی گنگا۔ وُہی راگ رنگ" ۔ اتنے میں عورت نے آکر شانہ ہلایا۔ کیا دیکھتا ہے کہ لاہور میں اپنی حویلی کے ایک کمرے میں بستر پر سویا پڑا ہوں ۔

خواب در خواب میں اُس کے خیال کی شانِ کُلّی (objects) جو گنگا۔ باغ۔ راگ رنگ اور رام کے رُوپ میں نمودار تھی قائم رہی۔ اِلّا اُس کے خیال کی شانِ جزوی (subject) جسکی بدولت وہ ایک فردِ بشر بنا ہُوا تھا لین (محو) ہو گئی۔ خواب میں جاگ پڑنے پر یہ شانِ جزوی پھر ظاہر ہوئی۔ تو شانِ کُلّی (یعنی گنگا۔ رام۔ باغ وغیرہ) کو جُوں کا تُوں پایا ۔ اور جب عورت نے شانہ ہلایا تو شانِ جزوی (subjects) اور شانِ کُلّی (objects) دونوں خواب و خیال ہو گئیں ۔

اِسی طرح جاگرت اوستھا میں یہ پہاڑ۔ ستارے۔ دریا وغیرہ تمھارے خیال کی شانِ کُلّی ہیں۔ اور "میں ایک انسان ہوں" تمھارے خیال کی شانِ جزوی ہے۔ جب اگیانی پُرش مرتا ہے تو اُس کے خیال کی شانِ کُلّی (مُول اودیا) قائم

رہتی ہے۔ لیکن شانِ جُزوی (تُول اوِدیا) لین ہو جاتی ہے۔
اِس لئے پھر جہاں جنم لیتا ہے وُہی زمین۔ وُہی آسمان۔ وُہی
عناصر خمسہ موجود پاتا ہے۔ تناسخ کے چکّر میں لگا رہتا ہے
لیکن گیان وان وُہ ہے جس کو شُرتی بھگوتی نے
एतद्वैतत् एतद्वैतत् "یہی وُہ ہے۔ یہی وُہ ہے" کہتے کہتے شاہ
بنا کر جگا دیا ہے ۞ اُس کے لئے جُزوی (تُول اوِدیا) اور کُلّی (مُول
اوِدیا) دونوں خواب و خیال ہو گئیں۔ یہ "میرا جسم اور ہے۔ اور یہ
دُنیا اور ہے" دونوں ہی ریل کی طرح اُڑ گئے۔ نہیں نہیں شاخِ
خرگوش ہو گئے۔ ایسا مہاتما مُکت ہے ۞
جس کے اندر سراپا نُور अहं ब्रह्मास्मि "مَن خُدایم" کی اگنی
ہر وقت مشتعل ہے۔ اِس اگنی کُنڈ پر سِدّھ آسن جمائے اَچل
(مضبوط) براجمان ہے۔ اندر سے کوئی غیریت کا خیال (پھُرنا سنکلپ)
اُٹھتا ہے تو جھٹ اِس اگنی کی آہُوتی کر دیتا ہے۔ باہر سے مَن
رُوپی گھوڑے (آشو) کو چاروں طرف کُھلا چھوڑ دیا ہے۔ اِس گھوڑے
کے پیچھے اپنے سپہ سالار بِبیک (Discrimination) کو بھیج دیا
ہے۔ جہاں جہاں سے گھوڑا گُزرتا جائے وُہ علاقہ مفتوح ہوتا جائے گا
اگر کوئی اِس گھوڑے کو باندھ رکھّے (یعنی کسی چیز پر دل آ جائے)
تو اُسکو तत्त्वमसि "تَت توَم اسی" کے تیروں سے بِجے کیا جائیگا۔ جہاں جہاں
مَن (گھوڑا) پھرا وہاں وہاں اپنا آپ دیکھا۔ راجہ ہو یا ڈنڈی ہو۔ مرد ہو
یا رنڈی ہو۔ ہر ایک کا آتما۔ ہر ایک کا عزیز ترین اپنا آپ ہو گئے
رفتہ رفتہ تمام دُنیا کو فتح کر لیا۔ کوئی چیز غیر نہ رہنے پائی۔ سب

اپنے ہو گئے "سب میرے۔سب میرے۔ اور میں سب کا" یہ معاملہ ہو گیا۔ مجھ سے کچھ بھی جُدا نہ رہا۔ آرزوئیں خود بخود سب مِٹ گئیں۔

यत्र यत्र मनो याति तत्र तत्र समाधय: । عہ۱

عہ۲ ز فرش تا بہ فلک ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دِل میکشد کہ جا ایں جاست (۲)

اِس طرح مُلک گیری اور عالم گیری کرتے کرتے جب سپہ سالار اور گھوڑا تھک کر گھر آئے۔ تو अहं ब्रह्मास्मि کی اگنی سے ذرا نہ جھجکنے والے پُرش نے اپنے اس لاثانی گھوڑے کو از حد آنند کے ساتھ بلی (قربانی) دینے کے لئے کاٹنا شروع کیا اور من رُوپی گھوڑے کا انگ انگ اُسی گیان اگنی میں سواہا ہوتا گیا۔ ایسا یگیہ کرنے سے دُنیا کے راجے تو کیا تمام دیوتا۔اِندر۔برہما وغیرہ بھی قابو میں آ گئے۔ ستم کا اشومیدہ یگیہ تھا۔

सर्वभूतेषु चात्मानं सर्वभूतानि चात्मनि ।
समं पश्यन्नात्मयाजी स्वराज्यमधिगच्छति ॥ (منو سمرتی)

ترجمہ:۔سب میں اپنے آپ کو دیکھنے والا اور اپنے آپ کو سب میں پانے والا ایسا حق بیں جو آتم یگیہ میں لگا ہے۔ شاہنشاہیِ ذات کا تاج و افسر حاصل کرتا ہے"۔

سے کتے بلیسر چھوڑا پائی دا ۔ کتے جوڑا شان ہنڈائی دا

عہ۱ جہاں جہاں من جاتا ہے وہاں وہاں سمادھی لگتی جاتی ہے۔

عہ۲ زمین سے آسمان تک جہاں میں دیکھتا ہوں (تیری قدرت کا) کرشمہ میرے دل کے دامن کو کھینچتا ہے۔اور کہتا ہے (یعنی تمام دُنیا میری توجہ کو کھینچکر یہ سبق دیتی ہے) کہ اُس پیارے دلبر کا مقام یہیں ہے۔

کتے آتھے ملک لگائی دا	کتے بہانوں بھی بھل جائی دا
کیا واہ وا رنگ وٹائی دا	٭ پر کس رکھیں آپ چھپائی دا
برندا بن میں گئو چراویں	لنکا چڑھ کے ناد بجاویں
مکے دا بن حاجی آویں	آپے ڈھوں ڈھوں ڈھول بجاویں
کیا واہ وا رنگ وٹائی دا	٭ پر کس رکھیں آپ چھپائی دا
منصور تساں ول آیا ہے	تساں سُولی پکڑ چڑھایا ہے
میرا بیر نہ بابل جایا ہے؛	تسیں خون دیو میرے بھائی دا
ہن کس رکھیں آپ چھپائی دا	٭ کس گلوں رنگ وٹائی دا
بلہا شوہ ہن سہی سنجہاتے ہو	ہر صورت نال پچھاتے ہو
کتے آتے ہو کتے جاتے ہو	ہن میتھوں بھل نہ جائی دا

ہن کس رکھیں آپ چھپائی دا

جگت کو ست دیکھنے والے عزیزو! جس ترازو سے تم دنیا کی اشیاء کو تولتے ہو۔ وہ ترازو پرماتما کو نہیں تول سکتا۔ اِس جنسِ گراں کو تولتے وقت یہ ٹوٹ پڑتا ہے ÷ عارف کے کلام پر حال و قال سے ایمان لاؤ۔ پورا پورا یقین کرو ÷ ہیئت داں نے شاستر علیشو دیگاہِ علم سے جب یہ کہدیا کہ زمین گھومتی ہے تو بچوں کو خواہ گھومتی ہوئی دکھائی نہ بھی دے۔ پھر بھی اُن کا یہی پڑھنا پڑھانا مناسب ہے کہ "زمین متحرک ہی ہے"۔ جب زیادہ تعلیم پائیں گے خود بخود پورے پورے ثبوت کے قائل ہو جائیں گے ÷ غلطی کا رواج دنیا کسی صورت سے درست نہیں ÷

معترض:۔ ہے رام! یہ تم کیا غضب کرتے ہو کہ چنگے بھلے پرتیکش

نظر آتے سنسار کو کتنے ہو کہ متھیا ہے ۔ جگت کے بیاہ شادی۔ کارو بار۔ جوانی۔ رنگ ڈھنگ وغیرہ سب کے سر پر کھڑے ہو کر "رام رام ست ہے۔ ہر کا نام ست ہے" یہ شنکھ پور دیتے ہو۔ اگر جگت نہیں تو سامنے نظر ہی کیوں آتا ہے ؟

رام :۔ سراب کو دیکھ کر انجان آدمی کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ پانی نہیں ہے تو نظر ہی کیوں آتا ہے ؟ کہیں رسّی پڑی ہوئی تھی۔ ایک آدمی کو اندھیرے میں وہم کے باعث سانپ کا گمان ہوا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر سانپ نہیں تو سامنے نظر ہی کیوں آتا ہے ؟ عارف کا یہ جواب ہے کہ پیارے ! سانپ تجھ کو اس لئے نظر آتا ہے کہ رسّی تجھ کو نظر نہیں آرہی ۔ ویسے "جگت نہیں تو سامنے نظر ہی کیوں آتا ہے ؟" جواب یہ ہے :۔ "کیونکہ پرماتما ہے پر تم کو نظر نہیں آتا" ۔ جب پرماتما نظر آئیگا جگت خود نہ رہے گا ۔ گو وہم زدہ کو سانپ ہی دکھائی دے اور رسّی نظر نہ آئے۔ پر فی الواقع تو سانپ کبھی ہوا ہی نہیں ۔ ویسے پیارے ! گو اس وقت تجھے جگت دکھائی پڑا دے۔ پر فی الحقیقت تو ایک برہم ہی برہم جوں کا توں بلا تغیر و تبدلِ ذاتی اپنے جلال میں جلوہ گر ہے ۔

ہندوؤں کے جتنے فرقے جگت کو ست مانتے ہیں اُن سے اوّل یہ سوال ہے کہ بتاؤ کسی امر میں اندھے کی گواہی زیادہ قابلِ اعتبار ہوتی ہے کہ بینا کی ؟ ۔

سوال دوم :۔ آنند سروپ مکت پرش اندھے کی طرح ہوتا ہے یا حقیقی بینا ہوتا ہے ؟ پھر یہ پوچھتا ہے (سوال سوم) کہ اگر

مکت پرش حقیقی بنیا ہوتا ہے۔تو اُس کی گواہی بیشک زیادہ قابلِ اعتبار ہوگی کہ نہیں ؟

اب دیکھئے بموجب سانکھ شاستر مکت پُرش کے لئے کیولیہ میں جگت کہاں ؟

بموجب یوگ شاستر مکت پُرش کے لئے اسمپرگیات سمادھی میں جگت کہاں ؟

بموجب نیائے شاستر مکت پرش کے لئے اَپ ورگ میں جگت کہاں ؟

بموجب وَیسے شک شاستر مکت پرش کے لئے "نہ یشرے یس" میں جگت کہاں ؟

پس جب آنکھیں بن جانے پر یعنی مکتی اوستھا میں جگت نہیں رہتا۔تو بس متھیا ہی ہے ؛

ایک لڑکے کو کسی نے آئینہ دکھا کر یوں کہا کہ اِس میں "کاکا" (ننھا لڑکا) رہتا ہے۔جب بچے نے شیشے میں نظر کی تو فوراً لڑکا دکھائی دیا۔جب شیشہ ہاتھ سے چھوڑ دیا تو کاکا (ننھا) کہیں نہ پایا۔دل میں شُبہ گذرا کہ اِس چھوٹے سے آئینہ میں لڑکا کیونکر آ سکتا ہے ؟ شاید دھوکا ہی ہُؤا ہو۔پھر دیکھا تو آئینہ میں چہرہ نظر آیا۔اب تو یقین کامل ہو گیا کہ اِس میں ضرور لڑکا رہتا ہی ہے ؛

کسی پڑھے لکھے رشتہ دار نے آکر بتایا کہ مرآت میں کوئی لڑکا سچ مچ نہیں رہتا۔یہ صرف تمہارا گمان ہے۔تب وہ لڑکا بڑے ناز اور فخر کے ساتھ زور سے کہنے لگا (شیشے میں جھانک کر)

یہ لو۔ سامنے نظر آرہا ہے۔ ہے کہ نہیں ؟ پرتکیش ! تم کیسے کہتے ہو نہیں ؟ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے"؟ خوانده رشتہ دار نے عزیز لڑکے کو یوں سمجھایا :-

پیارے ! جب تم دیکھتے ہو تو شیشے میں لڑکا نمودار ہو آتا ہے۔ تم اِدھر کہتے ہو" یہ دیکھو۔ شیشے میں لڑکا" ! اُدھر وہ شیشے میں پڑ جاتا ہے۔ شیشے میں لڑکا دِکھانا ہی اُس میں لڑکا ڈال دیتا ہے۔ تم شیشے میں مت جھانکو اور پھر لڑکا دکھاؤ تو سہی ؛

ویسے ہی اُن لوگوں سے جو ہردم قال و حال سے کہتے رہتے ہیں کہ "دُنیا دُنیا دُنیا بالکل ست ہے۔ پرتکیش !" رام بڑے پیار سے یہ پوچھتا ہے کہ عزیزو ! تم اپنے خیال کو متوجہ مت کرو۔ اور دُنیا کا ایک ذرہ ہی کہیں دِکھا دو ؛

تمہارا ہاتھ سے اشارہ کرکے فخر کے ساتھ یہ کہنا کہ "وہ دیکھو۔ سامنے نظر آرہی ہے" یہ (عمل) ہی دُنیا کو نمودار کر رہا ہے ؛ تمہارا دِکھانا اور دیکھنا ہی دُنیا پیدا کرتا ہے۔ تمہارے کُن سے سب کچھ ظہور میں آتا ہے ؛

جب تم کسی دقیق معاملے کی چھان بین میں مستغرق ہوتے ہو۔ تو گو آنکھیں کھلی ہوں۔ سامنے سے خواہ کیا کچھ گذر جائے دِکھائی نہیں دیتا ؛ کان بند نہ ہوں۔ پر شور و غل سُنائی نہیں دیتا ؛ وجہ یہی کہ تم نے توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ تمہاری طرف سے "کُن" نہیں اِرشاد ہُوا ؛ اگر اشکال اور آواز تم سے علیحدہ کچھ حقیقت رکھتے ہوں تو آنکھیں جو کھلی رہتیں اور کان بھی کھلے رہتے دکھائی کیوں

نہ دیتے ؟ سُنائی کیوں نہ دیتے ؟

بعض معترض صاحب جب سوتے ہیں۔ تو آنکھیں کھُلی رہتی ہیں۔ کان تو سب کے کھُلے رہتے ہی ہیں۔ پر سامنے کی دیوار۔ چھت۔ درخت وغیرہ کھُلی آنکھوں کو نظر نہیں آتے۔ ساتھ سانپ لیٹ جاؤ۔ معلُوم نہیں پڑتا۔ نقارے بج رہے ہوں سُنائی نہیں دیتے۔ وجہ یہی کہ اُے معترض! سب کی ہستی تیری ذات پر قائم ہے۔ تیری کرن کی محتاج ہے۔

بچپن میں آنکھیں کان اور سب حواس کھُلے ہوتے ہیں۔ لیکن چھت۔ دیوار۔ گھر۔ باغ۔ مرد۔ عورت۔ چرندہ پرندہ وغیرہ (نام رُوپ) اسماء واشکال کچھ نہیں ہوتے۔ خوشبُو اور بدبُو کچھ نہیں۔ اگر یہ اشیاء دانندہ (ساکشی) سے علٰحدہ وجُود رکھتی ہوں۔ تو بچے پر بھی اپنی موجودگی ظاہر کر دیتیں۔ پر نہیں۔ ہمارا دانندہ (جاننے والا) بننا اور اُن کا موجُود ہونا لازم و ملزُوم ہیں۔ تمہاری دِرشٹی ہی پیدا ہوتی ہے دِرشٹی ہی میں سِرشٹی ہے۔ عالِم و معلُوم کبھی جُدا نہیں۔

معترض (پتھر کو انگوٹھے سے دبا کر) :۔ یہ دیکھو۔ شلا کیسی سخت ہے کیا میں نے اسے سخت بنایا؟

جواب :۔ ہاں! تم خود تو اِسے انگوٹھے سے زور کے ساتھ دبانے میں اپنی توجہ (خیال) کا زور مار رہے ہو۔ اور کہتے ہو "سخت پن مجھ سے باہر ہے"

سوال :۔ ہم میڈیکل کالج میں اناٹومی (علمِ تشریح الابدان) پڑھتے ہیں۔ تو کیا جسم انسان میں ہڈیوں۔ پٹھوں وغیرہ کی ساخت ہم بنا آتے ہیں؟ وہ تو پہلے ہی موجُود ہوتی ہے۔

جواب :- (۱) جسم انسان تمہارا ہے۔ کسی غیر کا تو نہیں ۔ اس جسم میں ہڈیوں۔ پٹھوں۔ رگوں۔ نسوں اور دماغ کی ساخت تم ہی سے سرزد ہوئی ہے۔ کوئی غیر دخل دینے والا تھا؟ وُہی تم ہر ایک جسم میں ہڈیوں۔ پٹھوں۔ رگوں۔ نسوں۔ اور دماغ کی ساخت کے موجب ہو۔ جب لاش کو چیر پھاڑ کر کالج میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے ہو تو اپنے ہی لگائے ہوئے باغ کو آپ دیکھتے ہو۔ اپنے ہی مکان کا خود امتحان کرتے ہو۔

(۲) خیر اِس بات کو جانے دیجئے۔ غور کر کے بتاؤ کہ لہو کا ہر ایک قطرہ اور جسم کی بوٹی بوٹی۔ ہڈی کا ریزہ ریزہ۔ چمڑے کا ٹکڑہ ٹکڑہ تمہارے خیال اور توجہ سے نکلتے ہیں کہ مُردہ لاش سے؟

ایک آدمی کے ہاتھ میں لالٹین (lantern) تھی۔ وُہ جہاں جاتا تھا اُجالا ہی اُجالا کر دیتا تھا۔ آن کر کہنے لگا کہ سڑک پر تو رنگا رنگ کی مینا کاری ہو رہی ہے۔ ویسے ہی پیارے! جب تم علمِ نباتات وغیرہ پڑھتے ہو تو سب پودوں اور پھولوں میں رونق تمہاری لالٹین سے آ جاتی ہے۔ تمہاری ہی روشنی رنگ روپ چوکور۔ گول ہو کر دکھائی دیتی ہے۔ کیلکس (کاسہ) نظر آیا تو تمہارا خیال تھا۔ کورولا (توبج) نکلا تو تمہاری لالٹین سے۔ سٹیمن دکھائی دیا تو تمہارا ہی نور تھا۔ سٹائل اور پولن (پراگ) کو مشاہدہ کرتے وقت تم نے اپنی روشنی ذرا آگے بڑھا دی۔ سارا پھول تمہارا خیال تھا۔ جزو تم تھے۔ کُل تم تھے۔

چمن میں سرو کہتے ہیں تمہارے سایۂ قد کو
فلک پر چاند رکھا نام عکسِ روئے تاباں کا

اس امر واقعی (eternal reality, patent facts) کو بھول جانا اپنے آپ سے بے خبر ہو کر بیرونی اشیاء کا محتاج ہونا بلائے جہد؟

س:۔ تو کیا ازل۔ ابد۔ چاہے بھی میں بنا آیا ہوں۔ میں محدود رجیو کیا کر سکتا ہوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ج عالم خواب میں خواب کا ماضی اور مستقبل تمہارے ذہن میں ہوتا ہے کہ باہر سے کسی اور طاقت کے ماتحت ہوتا ہے؟ خواب میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اُس کے آباء و اجداد ہفتاد پُشت تک معائنہ بناتے جاؤ گے۔ لیکن وہ سب تمہارے خیال میں موجود ہیں۔ اسی طرح جو کچھ نظر آتا ہے یہ تمہارا خیال ہے۔ معہ اُس کے ماضی و استقبال کے ❖

عالم خواب کی اشیاء اُسی وقت پیدا ہو کر نظر آنے لگتی ہیں۔ پر خواب دیکھنے والے کو معلوم ایسی ہوتی ہیں کہ میری پیدائش سے پہلے کی ہیں۔ حالانکہ وہ اُسی وقت پیدا ہوتی ہیں۔ پر مغالطہ سے ایسا سمجھا جاتا ہے کہ پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ ٹھیک اِس طور پر عالم بیداری کے سامان اور اُن کا علم بھی دونوں ایک ہی وقت پیدا ہوتے ہیں۔ اِلّا اوِدیا کے زور سے اُن اشیا کی نسبت یہ خیال بھی ساتھ ہی پیدا ہو جاتا ہے کہ اِن اشیاء کو قرار ہے یعنی یہ خیال کہ یہ چیزیں وہ ہی ہیں جو پہلے دیکھی تھیں ❖ نقشۂ ہندوستان سکول کے کمرے میں لٹکا کر طلباء دیکھ رہے ہیں۔ بدری ناتھ آشرم شمال میں ہے۔ شرنگیری دکن میں واقع ہے۔ جگن ناتھ مشرق میں ہے۔ دوارکا مغرب میں۔ گنگا خلیج بنگال میں گرتی ہے

بنارس بحیرۂ عرب ہیں وغیرہ" پیارے طلباء! کہیں انسپکٹر صاحب کے سہم کے مارے اِس امر کو بھُول نہ جانا کہ نقشہ پر کے کاشی۔ ہردوار رامیشور وغیرہ صرف تمہارے ذہن میں مفروض ہیں۔ اور نہ صرف یہ مقامات تختۂ کاغذ پر فرض کئے ہُوئے ہیں بلکہ اُنکے ارتباط فاصلے۔ شمال۔ جنُوب۔ مشرق۔ مغرب۔ طُولِ بلد۔ عرض بلد خُشکی۔ تری وغیرہ بھی نقشہ میں خیالی ہیں * ناظرین! ٹھیک اِس طور پر عالمِ بیداری کا نقشہ کھولتے ہی نہ صرف اشیاء گُوناگوں تمہاری مایا سے پیدا ہو آتی ہیں بلکہ اُن کے ارتباط مثل "مقدم و مؤخر ہونا" "علت و معلُول ہونا" "نیا یا پُرانا ہونا" "نزدیک یا دُور ہونا" بھی ساتھ کے ساتھ ہی نمُودار ہوتے ہیں * "یہ پانسو برس کا بڑ کا درخت ہے"۔ اِس میں نہ صرف بڑ تمہاری وِدیہ سے پیدا ہوتا ہے بلکہ اُسکے پانسو یا سات سو برس بھی معًا خیال سے اُبھر تے ہیں۔ اِس طور پر نہ صرف دُنیا تمہارا خیال ماتر ہے۔ بلکہ دُنیا کا ابتداء (آد۔ ازل) بھی تمہاری کلپنا ہے * نہیں! نہیں! دُنیا (جگت) تو انادی ہے۔ اِس کا ابتدا تو کوئی ہُوا ہی نہیں۔ بیشک دُنیا انادی ہے * پیارے! خواب کی نگاہ کو کبھی عالمِ خواب آغاز والا بھی معلُوم ہُوا ہے؟ خواب دیکھتے وقت عالمِ خواب ہمیشہ انادی ہوتا ہے * گیان کی حقیقی بیداری آنے تک جگت بعینہ خواب کی طرح انادی معلُوم ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو؟ جگت خواب ہی تو ہے *

لہ عشق چوں ساماں بصحرا زد * از ازل تا ابد کشید طناب

لہ جب عشق نے اپنا ڈیرہ جنگل میں لگایا تو اُس نے ازل سے ابد تک اپنی تانی *

ایک کاغذ پر دریا کی تصویر ہے۔ اِرد گرد نہایت خوبصورت سرسبز کنارے ہیں۔ بیچ میں کشتی چل رہی ہے۔ کشتی میں راجہ صاحب سوار ہیں۔ راگ سُن رہے ہیں۔ چھوٹا کنور راجہ صاحب کے پہلو میں کھیل رہا ہے۔ اب دیکھئے۔ کنور صاحب کے والدِ شریف تو مہاراج ہیں۔ لیکن کیا کنور اور کیا مہاراج۔ کیا کشتی اور کیا دریا۔ سب کا والد۔ (پیدا کنندہ) مصوّر کا ذہن ہے۔ اِسی طرح دُنیا کا بابا تو آدی منو یا آدم ہی سہی۔ لیکن پیارے! خلقت اور اُس کے بابا آدم کی اِس سب تصویر کا بابا تو ہے۔ کشتۂ دُنیا تیرے ذہن میں ہے۔ اور ناخدائے کشتی یعنی خُدا تیرے کُن سے ظہور میں آتا ہے۔

ع میں نے مانا دہر کو حق نے کیا پیدا ولے
میں وہ خالق ہُوں مری کُن سے خُدا پیدا ہُوا

पिताहमस्य जगतो माता धाता पितामहः।
वेद्यं पवित्रमोंकार ऋक् साम यजुरेव च॥ (بھگوت گیتا ۹-۱۷)

I am — of all this boundless Universe — ۱
The Father, Mother, Ancestor & Guard!
The end of Learning! That which purifies
In lustral water! I am Om! I am

۱ (۱) میں اِس تمام بعید کائنات کا پِتا ماتا داوا (جد امجد یعنی بزرگ) اور محافظ ہُوں۔ اور علم وفضل کا انجام ہُوں۔ یا جاننے کے قابل اور شُدھ (پوتر) کرنے والا جو "اوم" (پرنو) ہے وہ میں ہی ہوں۔ ایسے رِگ سام اور یجر وید میں ہُوں (یا ایسے ہی رِچائیں، ویدک گیت اور یجُس منتر تمام میں ہُوں)۔ (بھگوت گیتا ادھیائے ۹ شلوک ۱۷)

Rug-Veda, Sama-Veda, Yajur-Veda;

(Sir Edwin Arnold)

मनो दृश्यमिदं द्वैतं यत्किञ्चित् सचराचरम् ।
मनसो ह्यमनीभावे द्वैतं नैवोपलभ्यते ॥ (گوڑپاد)

ترجمہ :- "یہ سب قائم و متحرک غیریت جبھی تک ہے جب تک من دیکھنے والا بنتا ہے۔ من کے ثبات ہوسے غیریت کی بو باقی نہیں رہتی"۔

अनेन जीवेनात्मनाऽनुप्रविश्य नामरूपे
व्याकरवाणीति ॥ (سام وید چھاندوگیہ اُپنشد)

ترجمہ :- "اِن اجسام میں داخل ہو کر بہ حیثیت جیو آتما مختلف اسماء و اشکال کو ظہور دوں"۔

زبردست اعتراض :- Tennyson نے ایک جگہ لکھا ہے

I am a part of all that I have met.

"یعنی جو کچھ میں نے دیکھا یا سنا۔ میں خود اس کا ایک رُکنِ اعلیٰ تھا"۔ البتہ یہ مقولہ تو قابلِ تسلیم ہے کیونکہ کوئی چیز محسوس نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم اُس کی موجودگی میں ایک جزوِ عظیم (یعنی واشدہ) نہ بنیں۔ لیکن تمہارا یہ کہنا کہ "جو نظر آتا ہے۔ کُل میں ہی میں ہوں" یقین کا دامن توڑتا ہے۔ دیکھئے! اشیاء کے نظر آنے میں نہ صرف تمہارا دیکھنا لازمی ہے۔ بلکہ تمہارے جسم سے باہر کسی ہستی کا موجود ہونا بھی اشد ضروری ہے۔ اگر سامنے کچھ نہ ہوگا تو تمہیں پتھر۔ دریا۔ مکان وغیرہ کبھی نظر نہ آئیں گے۔

اگر تمہاری طاقتِ شنوائی پر کوئی باہر سے اثر ڈالنے والی قوت موجود نہ ہوگی تو لاکھ کان کھول کھول کر دھیان پڑے دھرو۔ کچھ شنائی نہیں دینے کا۔ اگر تمہارا ہی خیال سب کچھ ہے تو پانی کا تصور جمانے سے پیاس کیوں نہیں بجھا لیا کرتے؟

قانونِ قدرت ہے کہ جب کہیں کسی قسم کا action ایکشن عمل فاعلی ہوتا ہے۔ تو معاً عمل انفعالی دیا reaction ری ایکشن جواب عمل) بھی ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ جب تم پتھر کو دباتے ہو تو اُدھر آپ کی اُنگلی بھی اُتنی ہی دبتی ہے۔ گھوڑا گاڑی کو چلاتا ہے گاڑی گھوڑے کے اعضا و اعصاب کو ہلاتی اور ماندہ کر دیتی ہے۔ جھٹ تھکا دیتی ہے۔ رگڑ سے جب آگ نکلتی ہے تو دیا سلائی ڈبیا کی ریگ پر عمل کرتی ہے۔ ڈبیا کی ریگ دیا سلائی پر ویسا ہی جواب عمل کرتی ہے۔ ایک ہاتھ سے تالی بھی نہیں بجا کرتی۔ کرسی تمہارے جسم پر عمل کر رہی ہے۔ گرنے سے روک رہی ہے۔ بباعثِ دباؤ تم کرسی پر جواب عمل کر رہے ہو۔ اُسے کمزور اور ڈھیلا بنا رہے ہو۔

؎ گر حسن نہیں عشق بھی پیدا نہیں ہوتا۔ بلبل گلِ تصویر پہ شیدا نہیں ہوتا

الوانِ گوناگوں کے نظر آنے میں بھی ایکشن (عمل) اور ری ایکشن (جواب عمل) دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کان۔ آنکھ۔ ناک وغیرہ پر باہر سے کچھ اثر نہ پڑے تو بھی کچھ محسوس نہ ہوگا۔ اور اگر اندرونی طاقت عمل نہ کرے تو بھی اشیاء بوقلموں تاریکئ عدم میں رہیں گی۔ جیسے اِدھر ڈبیا کی ریگ اور اُدھر دیا سلائی کے مصالحے کی رگڑ سے

آگ نمودار ہو آئی۔ ویسے ہی یہ سرو کا بوٹا بہ حیثیت سرو باہر اور اندر سے عمل اور جوابِ عمل کی بدولت موجود ہو آتا ہے ؏

راقم :۔ آپ کے دہان میں گلاب دیگر راقم قطع کلام کرتا ہے۔ نہیں آپ کے کلام کو پورا کرتا ہے۔ سنئے :۔ معدنِ قوت یا چشمۂ انرجی (حرکت) کو "چیتن" نام دیا گیا ہے ؏

عید کا چاند بہ حیثیت چاند تب (نمودار) پرتیکش ہوتا ہے۔ جب میرا خیال وہاں لڑتا ہے۔ لیکن خیال لڑنے سے پیشتر بجائے چاند کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ جس نے بصارت پر عمل یا اثر کیا ؏

کیا یہ چاند تھا؟ ہرگز نہیں۔ چاند تو خیال لڑنے کے پیچھے ظہور میں آیا۔ خیال لڑنے سے پیشتر اس کی ہستی کی بابت صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ منبعِ تاثیر ہے۔ پس اس کو چیتن کہنا بجا ہے (باعثِ عید تو چیتن ہی ہے)

اِسی طرح مندر بہ حیثیت مندر تب موجود ہوتا ہے۔ جب تمہاری طرف سے جوابِ عمل (reaction) غور کی صورت میں سرزد ہوتا ہے۔ ورنہ در اصل پہلے چیتن ہی چیتن ہے ؏

کیرتن (نغمہ) بہ حیثیت کیرتن کب پیدا ہوا؟ جب تم نے خیال کا دم پھونکا۔ کیا پہلے نیست تھا؟ نہیں۔ عمل کنندہ چیتن ہی چیتن تھا ؏

گل و ریحاں بہ حیثیت گل و ریحاں کب نمودار ہوئے؟ جب تم نے سونگھا ورنہ فی الحقیقت چیتن ہی چیتن تھا ؏

سیب و انگور خوش ذائقہ کیسے تھے؟ جب تم نے توجہ مبذول فرمائی۔ ورنہ چیتن ہی چیتن ہے

ریشم اِس قدر نرم اور صاف کیسے ہوا؟ تمہارے سپرش

چھونے کے باعث۔ ورنہ چیتن ہی چیتن ہے۔

سوال:۔ مانا کہ ہماری توجہ دینے کے بعد ہیں چاند یا گنگا نظر آئی۔ اِلّا ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ چاند یا گنگا پہلے ہی سے موجود نہ تھے؟

جواب:۔ پدارتھ (شئے) بہ حیثیت پدارتھ تب موجود ہُوا جب باہر سے چیتن کے عمل کا تمہارے اندر سے (غور و توجہ کی شکل میں) جواب مِلا۔ جیسے شیشہ میں عکس صرف تب ہویدا ہُوا جب شیشہ میں مُنہ دیکھا گیا۔ شیشے میں مُنہ دیکھنے سے پہلے تُمہیں کوئی اختیار نہیں کہ شیشہ میں رُخسار کی موجُودگی کو فرض کر لو۔

پنجاب کے ایک گانو کے باہر رات کے وقت دیہاتی لڑکوں میں کھیلتے کھیلتے شرط بدی کہ جو نسا لڑکا اِس وقت قبرستان میں جاکر ایک کھونٹی گاڑ آئے اُس کی بہادری مانیں گے۔ ایک بنئے کا لڑکا شیخی کے مارے تیار ہو گیا۔ اور قبرستان کی طرف چلا۔ چلا تو سہی۔ پر مارے سہم کے جان مُٹھی میں آرہی تھی۔ دِل دھڑک رہا تھا۔ پہلے تو قبروں کے کُتّوں کو اندھیرے میں دیکھ کر ڈرا۔ جنگل کی سنسناہٹ سے سراسیمہ ہُوا۔ جب لکڑی کو پتھر سے ٹھوکنے لگا۔ تو تذبذب اور دہشت نے حواس باختہ کر دیئے تھے۔ اُس کی دھوتی (تہ بند) کا دامن کھونٹی کی نوک سے اڑ گیا۔ کھونٹی کو ٹھو نکتے ٹھونکتے دھوتی بھی زمین میں دھنستی گئی۔ جب کمال تعجیل سے واپس جانے کو اُٹھا تو کپڑے کو سخت کھینچ آئی۔ وہم سے ڈراؤنی صُورتیں تو پہلے ہی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھیں۔ کپڑا پکڑا گیا۔ دیکھ کر بے اختیار چیخیں مارنے لگا۔ سخت چِلّانے

لگا۔ پر مُنہ سے صرف بھو............بھو...........
ہی نکلا تھا کہ بیہوش ہو کر گر پڑا ﴿ کیا یہ بھوت باہر سے آیا کہ اندر سے؟
اَے غریب! بھوت کا مالک (وشو۔شنکر) تُو ہی ہے۔ جن تیری آنکھ سے پیدا ہُوا۔ تیرے اشارے سے موجود ہُوا ہے۔ کپڑا بھی کسی غیر نے نہیں پکڑا۔ تُو نے خود زمین میں گاڑا ہے۔ خود کردہ کرتُوت پر واویلا چہ معنی؟ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو جہل کی شب یلدا میں محسوسات کی قبروں پر شیخی (vanity) کے مارے کھُونٹی گاڑنا چاہتے ہیں۔ اندر سے قافیہ تنگ ہو رہا ہے اوسان خطا ہو رہے ہیں۔ شش و پنج میں پڑے ہیں۔ پر باہر سے چوٹ پر چوٹ لگائے جاتے ہیں۔ موہ اور کام کی کھُونٹی (حبابی الفت شہوت) گاڑے جاتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی نہیں کہ ایسا کرنے سے اپنی حقیقی عزت کو مٹی میں مِلا رہے ہیں۔ اور اپنے تئیں خود گرفتار کر رہے ہیں۔ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سے۔ ہوا کی سرسراہٹ سے دم میں دم نہیں رہتے پاتا۔ گاہ و بیگاہ چونک پڑتے ہیں "ہائے ظلم! وائے ستم! مارے گئے۔ لوٹے گئے!" اور محسوسات کی قبرستان سے مراجعت کرتے وقت (یعنی بوقت نزع) تو گویا سخت گھسیٹ اور رگڑ سے دُکھ پاتے ہیں ﴿
اے وارثانِ نُورِ معرفت! تم اپنے ہی وہم کی کیل سے خود مت جکڑے جاؤ ﴿ تمہیں کوئی کھینچنے والا نہیں ﴿ یہ پنج بھوت (عناصر) تمہارے بنائے ہوئے ہیں۔ تھپک اور خطرہ رفع کر دو

تمہارے کھونٹی گاڑتے گاڑتے بھوت نمودار ہوتا گیا۔ پہلے کوئی بھوت نہ تھا ؛

سوال :۔ جب ہم نے دیکھا تو چاند یا گنگا نظر آئے۔ اب کیا ہم انومان سے نہیں کہہ سکتے کہ وہاں پہلے بھی چاند اور گنگا ہی موجود تھے ؟

جواب :۔ انومان یہاں کیونکر چل سکتا ہے۔ ویاپتی دراس اوسط Middle Term-) کہاں سے لاؤ گے ؟ اُداہرن (مثال) کیسے پیدا کرو گے ؟ جو شے ہے وہ ہی چیتن ہے۔ تمہارے دیکھنے سے شے (پدارتھ) بنی ہے ؛

سوال :۔ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ دیوار میرے خیال (جواب عمل) کی بدولت پیدا ہوئی۔ اور صرف دِید پدید (درشٹی سرشٹی) ہی ہے ؟ میں اس کو ہاتھ سے محسوس کر سکتا ہوں۔ اِسے ٹھپکار کر آواز سن سکتا ہوں۔ جیبھ سے چاٹ سکتا ہوں۔ سونگھ سکتا ہوں ؛

جواب :۔ آنکھ کی راہ تمہاری برتی (عمل) دیوار کا روپ بنتی ہے۔ بصورتِ لامسہ تمہاری برتی (خیال) نرم یا سخت پن ہو آتی ہے۔ سامعہ کی شکل میں تمہاری برتی (غور) دیوار کا آواز بن نکلتی ہے۔ شامہ کی حالت میں تمہاری توجہ ہی بو محسوس ہوتی ہے۔ اِسی طرح ذائقہ بہ حیثیتِ ذائقہ باہر سے نہیں آتا ؛

سوال :۔ اگر ہمارے خیال سے سب ظہور میں آتا ہے تو جہاں چاند دیکھ رہے ہیں ہمارے کہنے سے وہاں سورج کیوں نہیں

دکھائی دے دیتا؟ ✤ جس کو آج ہم نے کالج دیکھا ہے وہ کل گنگا کیوں نہیں نظر آتا؟ ✤

جواب:- (۱) یہی تو آپ کہتے ہیں نہ کہ "جس مقام پر چاند نظر آتا ہے اُس مقام پر سُورج کیوں دکھائی نہیں دیتا؟"

اِس قضیہ (جملہ Proposition) کو ذرا آپنے لائیز (analyze تحلیل) کیجئے۔ آپ کے اِس جملہ سے یہ صاف پایا جاتا ہے کہ "مقام" (مکان ۔ دیش۔space) ہمارے خیال سے باہر کوئی شئے ہے۔ مکان کو آپ نے جُدا قرطاس ایسا تسلیم کیا ہے۔ جس پر خیال کی تصویریں ہمارے ذہن سے نکل سکتی ہیں ✤

اِسی طرح "جو آج کالج ہے وہ کل گنگا کیوں نہیں ہو جاتا؟" اِس سے ظاہر ہے کہ آپ نے ٹائم (آج یا کل وغیرہ) کو ہمارے اختیار سے باہر تسلیم کیا ہے۔ اور صِرف صُورِ مُتصوّرہ کا ہمارے خیال میں ہونا مانا ہے ✤

پس یہ سوال آنجناب کا ظاہر کر رہا ہے کہ آپ نے ویدانت کے دعوے کو سمجھا ہی نہیں۔ ویدانت تو یہ بتاتا ہے کہ نہ صِرف چاند۔ سُورج اور کالج۔ گنگا میرے ذہن سے برآمد ہوتے ہیں بلکہ خود دیش اور کال بھی میری پیدا کردہ ہیں ✤

اپنی طرف سے تو آپ نے ویدانت کا دعوے (پرہ از تبلیغ) preposterous سمجھ کر سوال کیا تھا۔ لیکن اِس سوال سے آپ کی غلط فہمی ٹپکتی ہے ✤۔ یہ غلط فہمی نہیں کہ آپ نے جو ویدانت کے دعوے کا اسٹیمیٹ (تخمینہ) لگایا وہ اصلی دعوے سے

زیادہ ہے بلکہ غلطی یہ ہے کہ آپکا اسٹیمٹ حقیقی دعوے سے بہت ہی کم ہے اور اسی غلط فہمی پر مبنی آپکا سوال ہے ٭ اگر ویدانت کا دعوےٰ حقیقت میں ویسا ہی محدود (دیش کال کے جیلخانہ کے اندر با اختیار ہونیکا) ہو۔ جیسا کہ آپکے ظن میں آیا ہے۔ تب تو آپ کا سوال چل سکتا ہے۔ لیکن اس سلطنتِ حقیقت میں تو چون و چرا کو دخل نہیں ٭ ویدانت یہ اُپدیرو (ارتھ) نہیں کرتا کہ سرب شکتی مان کا ارتھ (معنی) کرے وہ بندہ و مقیدِ زمان و مکان جو دیگر ہمجنسوں (غلامانِ مکان و زمان) پر میٹ (matte) کا اختیار رکھتا ہو ٭ میں تو وہ قادرِ مطلق لامحدود پاکِ خدا ہوں کہ نہ صرف چاند سورج گنگا کالج قرۃ العین میں پیدا کرتا ہوں بلکہ اُنکا آد۔انت۔ دیگر اجسام اور اُنکے باہمی تعلقات۔ نیز یہ سب سوالات و جوابات۔ کُل مکان۔ زمان۔ چون و چناں میں ہی میں ہوں۔ تعجب و حیرت مجسّم یہ سب دُنیا میرا معجزہ ہے ٭

اِس رمز کو نہ سمجھنے کی وجہ عمومًا یہ ہوتی ہے کہ لفظ "میں" کا مفہوم اصلی عام لوگوں کی سمجھ میں جھٹ پٹ نہیں آتا۔ بار بار اس لفظ "میں" کے معنوں میں گڑ بڑ کر جاتے ہیں "میں" کا ارتھ جُوتی اور پگڑی کے درمیان واقع نہیں ہے "میں" کی وسعت ساڑھے تین ہاتھ نہیں "میں" کا حدود اربعہ لا انتہا ہے۔ جیسے سوپن میں اس "میں" کے اندر اِدھر ایک بندہ۔ فقیر یا امیر بن جاتا ہے (ویشٹی)۔ اُدھر مُلک و صحرا کوہ و دریا موجود ہو جاتا ہے (سمشٹی) ویسے جاگرت میں اِس ایک "میں" کے اندر اِدھر (mukteche)

ایک شخص پن (individuals) ظاہر ہو آتا ہے اُدھر تمام دُنیا نمودار ہو آتی ہے (objects) اِدھر دیش کال وستو (Forms of thought) ایک نرد بشر (subjects) کے اندر (دماغ میں) اُگ پڑتے ہیں۔ اُدھر دُنیا بھر میں موجود ہو آتے ہیں *

خواب میں اگر آپ شیر سے مغلوب ہو جاتے ہو۔ تو کیا شیر آپ کا خیال خواب نہیں تھا؟ اِدھر مغلوب جسم آپ کا خیال تھا۔ اُدھر غالب شیر آپ کا خواب تھا۔ حقیقتاً آپ کے اپنے آپ میں سب کوتک مفروض ہے۔ جاگو اپنے آپ میں۔ تُم ہی سرب شکتی مان۔ شُدھ چیتن۔ خالقِ مکین و مکان ہو *

سوال :۔ بات بات میں آپ تو ایک خواب کی مثال ٹھونس دیتے ہیں۔ یوروپین فلاسفر تو اِس کو پسند نہیں کرتے *

جواب :۔ اچھا! ہم خواب کا ذکر نہ لایا کرینگے۔ آپ اور آپ کے گورو یوروپین پنڈت عالم خواب میں ہر روز بلاناغہ مارے پھرنا ہی بند کر دیں *

بڑے تعجب کی بات ہے۔ آٹھ نو بجے تک تو ہر روز خواب میں جھوٹ کو سچ مان کر کہیں کے کہیں حیران و سرگردان فٹ بال کی گیند کی طرح لُڑھکتے پھرتے ہیں۔ اور دس بجے جاگ کر پھر دوسرے خواب (دُنیا) کے چکر میں ایسے پھنستے ہیں کہ ظاہری محسوسات (empirical phenomena) کی بھول بھلیاں میں مبتلا ہو کر ایک امر واقعی (stern reality, solid fact) کا نام لینا

بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ خواب میں اگر معلوم ہو جائے کہ یہ خواب ہے تو وہ خواب نہیں رہتا۔ جاگ آجاتی ہے ۔ عام یوروپین لوگ اور اُن کے چیلے چانٹے بعض ہندو اگر محسوسات کے خواب و خیال ہونیکا ذکر سُن کر ہنس دیتے ہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اُن کو جاگنا بُرا معلوم دیتا ہے۔ خواب کا خرگوش بننے میں سواد لیتے ہیں۔ رات سے خاص اُنس رکھتے ہیں اور اندھیرے میں چلنا پھرنا پسند کرتے ہیں۔

آدھی دُنیا پر ہر وقت رات رہتی ہے اور آدھی دُنیا پر دن۔ بالفاظ دیگر آدھی دُنیا ہر وقت خواب (سوپن) میں رہتی ہے اور سوپن اور سُشپتی کی سلطنت عالمگیر ہونے میں کچھ شبہ نہیں ۔ بڑے آشچریہ کی بات ہے کہ یورپ والوں نے آتما کی حقیقت بیان کرتے وقت سوپن اور سُشپتی کو کسی شمار و قطار میں نہیں لیا اور ناممکل data, hypotheses (بنا۔ بنیاد) پر اپنے فلسفہ کو چلانا چاہا ہے۔ شرائط سوال کو ادھورا رکھکر عقدۂ حقیقت کو حل کیا چاہتے ہیں جاگرت کے جسم کثیف و پرتکش سنسار میں اہلِ مغرب کا تگ و تاز بیشک ایک لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ لیکن مانسک سنسار اور جسمِ لطیف میں اُنکی تحقیقات کو بہت کم دخل ہے۔ تجاربِ رُوحانی اور ساکشات کار یا انُوبھو کا اُنکے ہاں پتہ نہیں مِلتا ۔ پیغمبرِ مذہب (Prophet) یورپ میں ابھی تک ایک بھی نہیں پیدا ہُوا۔ دُنیا کے پیغمبرانِ مذاہب سب کے سب ایشیا سے نکلے ہیں۔ با ایں ہمہ خاص اوقات پر سچ تو ہر ایک کی زبان سے نکل ہی جاتا ہے شیکسپیر (Shakespeare) کہتا ہے ۔

"We are such stuff as dreams are made of"[1]

---

[1] ہم اس مادے (یا قماش) کے بنے ہُوئے ہیں۔ جس سے خواب بنے ہیں ۔

ٹینی سن (Tennyson) لکھتا ہے۔

Dreams are true while they last, and do we not live in dreams?

سوال:۔ دیش۔ کال۔ وستو تو قائم قارد اور ثابتہ ہیں۔ دیگر اشیا تبدیل ہوتی ہیں۔ یہ تبدیل نہیں ہوتے۔ باقی سب چیزیں دیش۔کال۔ وستو کے ذریعہ بیان کی جاتی ہیں۔سب بیوہار (دواد وستد) وغیرہ کا مدار انہیں پر ہے۔ آپ دیش۔کال۔وستو کو دیگر اشیاء کے زمرہ میں کیوں گردانتے ہیں؟

جواب:۔ آپ یہ بتلائیے تمہارے دیش۔کال۔وستو کا قیام قرار اور اثبات خواب اور سشپتی میں کہاں جاتا ہے؟ جاگرت کے تجربہ کو راست تسلیم کرتے ہو۔ پر کیا سشپتی تمہاری ویسی ہی بلکہ جاگرت سے بھی بڑھ کر زبردست حالت نہیں ہے؟ سشپتی کا حکم پر حق نہیں ہے؟ جتنی دیر جاگرت رہتی ہے۔ تقریباً اتنی ہی دیر سشپتی کا راج رہتا ہے بچپن کا زمانہ تو سارے کا سارا ایک لمبی سشپتی ہوتا ہے۔موت کے بعد بہت دیر سشپتی کا عہد رہتا ہے۔ اس سشپتی کے تجربہ کو کسی شمار قطار میں نہ لانا انصاف کا خون کرنا ہے سشپتی تمہاری مشکیں کس کر ہاتھ پاؤں باندھ کر یہ سبق روز پڑھاتی ہے کہ دیش۔کال۔وستو حقیقی نہیں حقیقی نہیں۔صرف نمودی ہیں۔نمودی

---

[1] خواب سچے یا حقیقی ہوتے ہیں جب تک کہ وہ رہتے ہیں (یعنی جب تک خواب کی حالت طاری رہتی ہے وہ خواب سچا حقیقی معلوم دیتا ہے) اور کیا ہم خود خواب میں نہیں رہتے؟

ہیں. س ۵ پول نکالیو جگت کا سشپتی وستھا مانہ
نام روپ سنسار کی جانہ گنرہ بھی نانہ

اگر سوپن اور سشپتی کے تجربہ کو آپ جاگ کر کہہ دیتے ہو کہ یہ جھوٹ ہے۔ تو جاگرت کے تجربہ کو بھی جھوٹ قرار دینا لازم ہے۔ کیونکہ سوپن اور سشپتی کے اعتبار سے یہ بھی اُڑ جاتا ہے۔ جاگرت کی دُنیا اگر سچی ہوتی تو عالمِ سشپتی میں بھی بر قرار رہتی۔ کیونکہ "حق تو وُہ ہے جو سدا ایک رس دائم و قائم رہے۔"

एक रूपेण ह्यवस्थितो योऽर्थः स परमार्थ.।। (شنکر شاریرک بھاشیہ ۲-۱-۱۱)

یہ جو آپنے کہا کہ دیگر اشیا کے مقابلہ میں دیش کال وستُو قائم قارہ اور ثابتہ ہیں ✤ اِسی سے تو کینٹ (Kant) نے ثابت کیا ہے کہ دیش کال وستُو محض ذہنی ہیں ✤ ہاں اگر بیوہار ہیں اِن کو بمقابلۂ دیگر اعیان کے قائمٗ قارہ اور ثابتہ تسلیم کیا جائے۔ یتن پر سُنیئے گا۔

ہندسہ بالجبر (Analytical Geometry) میں تمام نقاط کُل خطُوط جملہ سطُوح اور سب اجسام کے مقامات (محدّدین - Coordinates) مفروضہ محوروں کے لحاظ سے قائم اور مقرر ہوتے ہیں۔ سب مسلئے اور سوالات انہیں محوروں پر مبنی ہوتے ہیں۔ سب عُقدے انہیں محوروں کی بدولت حل ہوتے ہیں۔ جملہ علمہائے ریاضیہ انہیں محوروں پر موقوف ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو سہی۔ لیکن بورڈ پہ ڈسٹر (جھاڑن-تولیا) پھیرا تو مٹ جتنے گئی سوہنی او تھے مہینوال" مزیدار اشکال ہندسیہ عجیب و غریب خطوط منحنی (curves)۔ تراشہائے مخروطی - (Conic Sections) قلنیہ (Catenary) لوگارتمی- خطِ منحنی

لِٹ-ذی لِٹ (evolutes, involutes) خطوطِ پیچاں (spirals) یہ
سب کے سب محوروں کو اپنے ساتھ ہی لے مرے ٭ جہاں کشتی ڈوبی
کھینے کے اَوزار چپّو بانس وغیرہ بھی ساتھ ہی غرقاب ٭

جانِ من! تیرے شیام سُندر سروپ کے بورڈ پر اوِدیا کی کھریا
مٹّی سے اَنیک پرکار کی شکلیں صورتیں (دُنیا) کھِچی ہُوئی ہیں۔ کئی
سوالات حل ہو رہے ہیں۔ کئی مجہول لا ء ی جمع ہیں۔ بیشمار
معروفوں (Known quantities) کی بھر مار ہے ٭ آخر حل کرتے کرتے
ریاضی کی رُوحِ رواں نے ثابت کر دیا ہے کہ

لا (ٹائم) = ۱
ء (کال) = ۱
ی (وستُو) = ۱

ہاں! ٹھیک ہے۔ بالکل درست ہے۔ دیش۔کال۔ وستُو کی تمیز مجھ
देशकालानवच्छिन्न (پاک از تقسیمِ مکان و زمان) اور
सर्व विक्रिया रहित (مبرّا از ردّ و بدل) میں کہاں؟
सत्यमित्येतावदिदं सर्वमिदं सर्वमसि
رگ وید کی شُرتی کا فرمان ہے۔ "اِس کلام سے سچ کہا جاتا ہے جو کچھ
کہ یہ سب ہے۔ یہ سب تُو ہے" ٭ اب خوشی سے بغلیں بجاؤ۔ آنند کرو
بورڈ کو صاف کرو۔ اور محوروں کو بھی ساتھ ہی مٹا دو ٭ چلو۔
پاس! پاس ہو گئے۔ مُبارک ہو! گو پاس تو پہلے ہی تھے سوُوری
کا تو نام و نشان ہی نہ تھا ٭

نظم

ل (۱) ایکہ عُمرے درپئے او میدویدم شو بشو
ناگہانش یافتم با دِل نشستہ رُو برُو (۱)

آخرالامرش بدیدم معتکف در کُوئے دِل
گرچہ بسیاری دویدم در پئے او کوبکُو (۲)

دِل گرفت آرام چُوں۔ آرام دِل در بر گرفت
جاں چو جاناں را بدید آسودہ گشت از جُستجُو (۳)

ایکہ عُمرے آرزُوئے وصل او بُودت چرا
از پئے آں آرزُو نگزشتی از ہر آرزُو (۴)

تابکے سرچشمۂ خود را بگل انباشتن
جُوئے خُود را پاک کن۔ تا آید آب آبجُو (۵)

ت (۱) مَیں جو ساری عُمر اُس کے پیچھے ہر طرف دوڑتا تھا مَیں نے یکایک اُس کو اپنے دِل میں سامنے بیٹھا ہُؤا پایا ⁂

(۲) آخر کار مَیں نے اُسکو دِل کے گوشہ میں معتکف (گوشہ نشین) دیکھا۔ اگرچہ مَیں اُسکی خاطر کوچہ بکوچہ بہتیرا بھاگا ⁂

(۳) جب میرے دِل نے دِلبر کو پہلُو میں پالیا۔ تو اُس کو آرام مِل گیا۔ اور جان نے جب جاناں (اپنے پیارے) کو دیکھا تو جُستجُو سے رہائی پائی ⁂

(۴) اَے طالب (جگیاسُو)! تُجھے جو ساری عُمر اُس کے وصل کی آرزُو تھی تو تُونے اُس آرزُو کے پُورا کرنے کے لئے کیوں نہ ہر ایک آرزُو کو چھوڑ دیا ؟

(۵) تُو کب تک اپنے چشمہ کے مُنہ کو کیچڑ سے بند کرتا رہے گا (پاٹتا رہے گا) اپنی نہر کو صاف کر (یعنی اپنے قلب (انتہ کرن) کو صاف کر) تاکہ (حقیقی) ندی کا پانی اُس میں آ سکے ⁂

سے آبِ حیواں در درون و انگہ برائے قطرۂ

ریختہ در پیشِ ہر ناداں و دانا آبِ رو (۶)

مطربِ آں مجلسی دَف را مینہ ہر جا گرو

طالبِ آں بادۂ بشکن صراحی و سبو (۷)

ناظرِ آں منظری بردار از عالم نظر

عاشقِ آں شاہدی بر دوز چشم از غیرِ او (۸)

نیست بے او ہیچ تابے رُوسئے از وَے بر متاب

بے وَے ہیت چوں نیست آبے دست را از وَے مشو (۹)

ٹھوکر کھا کھا ٹھاکر ٹوٹھا ٭ ٹھاکر ٹھیکر مانہ

ٹھیکر بھیدا ٹھاٹا سٹر ڈا ٭ ٹھاکر اکسے نھانہ

سے (۶) آبِ حیات تیرے اندر ہے اور پھر تو اُس کے ایک قطرے کے لئے ہر ایک عقلمند اور بے وقوف کے سامنے اپنی بے عزتی کر رہا ہے ٭

(۷) اگر تُو اُس (حقیقی) مجلس کا مطرب (گانے والا) یعنی اگر تُو حقیقی راز کی خبر دینے والا ہے تو دف کو ہر ایک جگہ گروی مت رکھ (یعنی ہر ایک جگہ اُس رازِ حقیقی کا شور مت ڈال) اگر تُو اس (حقیقی شجانند روپی) شراب کا طالب ہے تو دُنیوی شراب کا صُراحی و مٹکا توڑ ڈال ٭

(۸) اگر تُو اُس منظر (قابلِ دید اوستھا یا حالتِ انکشاف) کا دیکھنے والا ہے تو دُنیا کی طرف سے مُنہ پھیر لے۔ اگر تُو اُس (اصلی) شاہد (ساکھشی بھگوان) کا عاشق ہے تو جو کچھ اُسکے سوائے ہے اُس کی طرف سے آنکھ سی لے (بند کر لے)

(۹) اُسکے بغیر کوئی چیز نُورانی نہیں ہو سکتی۔ اُس کی طرف سے مُنہ مت پھیر چونکہ اُسکے بغیر تیرے لئے کوئی نُور (زندگی یا چمک) نہیں اِس لئے اُس سے ہاتھ مت دھو (یعنی علیحدہ مت ہو

ٹھوٗر ٹھوٗر وِچ ٹھہریا ٹھاکر ٭ ٹھاکر باہر نانہ
ٹھاٹ ٹھیک ٹھاکر ہی ٹھاکر ٭ ٹھاکر ہی جہان نانہ
ٹھاکر رام نچاوے ناچے ٭ بہ جاندا جان بانہ

٭

مان۔ مان۔ مان کہیا مان سے میرا ٭
جان۔ جان۔ جان۔ سروپ جان لے تیرا ٭
جاسنے پہ سروپ غم نہ جاویگا کبھی ٭
کہتے ہیں بار بار بید بات یہ سبھی ٭
نیَن کے نین جو ہے سو نہیں کے بین ہے ٭
جس کے بغیر شریر میں نہ پلک چین ہے ٭
اے پیاری مان! جان تو محبوبوں کا محبوب ہے ٭
ناچت ہے پرکرتی سدا مجرا انوپ ہے ٭

معترض :۔ ابھی ابھی آپ نے تسلیم کر لیا تھا کہ ایکشن (عمل) اور ری ایکشن (عکس عمل) دونوں سے دُنیا نمودار ہوتی ہے۔ اِس سے تو صاف دوئیت باد سِدھ ہوتا ہے۔ اب آپ نتیجۂ لازمی سے گریز کرتے ہو۔ ایکتا (وحدت) ہی کی بات کو دبائے جاتے ہو ٭

رام :۔ ہاں ہاں! وہ ذکر ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ آپ نے اور سوال پیش کر دیئے ٭ نیز سے تم تو کہتے ہو رہے پاس ادب لیکن یہاں حرفِ مطلب کا زباں پر بار بار آنے کو ہے
خیر اب ایکشن اور ری ایکشن کی کیفیت سُنو :۔
ایکشن اور ری ایکشن ہمیشہ مساوی اور متقابل

ہوتے ہیں (equal and opposite) بلکہ ایک ہی ہوتے ہیں۔
علم جرِّ ثقیل کے اکثر سوالات میں ایک پہلو سے جسے ایکشن گنا جاتا ہے اُسی کو دوسرے پہلو سے ری ایکشن بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ایک ہی حادثہ یا فعل باعتبار ایک جسم کے ایکشن کہلاتا ہے۔ اور باعتبار دُوسرے جسم کے ری ایکشن نام پاتا ہے۔ ایکشن (عملِ فاعلی) اور ری ایکشن (فعلِ انفعالی) والے اجسام ہمجنس ہی ہوتے ہیں۔ اب دُنیا جو ایکشن اور ری ایکشن کا پھل مانی گئی ہے۔ اور ایکشن باہر سے چیتن کی جانب سے تسلیم کیا گیا ہے۔ اور ری ایکشن اندر (subjects) کی طرف سے ۔ یہاں پر یہ لازم آتا ہے کہ ایکشن کا منبع جو چیتن ہے تو ری ایکشن کا چشمہ بھی چیتن ہی ہونا چاہیئے۔

{موٹی مثال :۔ سنسکرت تقریر کرنے والا اگر سنسکرت داں ہے۔ تو اُس سنسکرت تقریر کو سمجھنے والا بھی ضرور سنسکرت داں ہونا چاہیئے
ے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۔ کبوتر با کبوتر باز با باز}۔

باہر (داوائے ایکشن) اگر چیتن ہی چیتن ہے تو اندر (داوائے ری ایکشن) بھی چیتن ہی چیتن ہونا چاہیئے ۔

ے (۱) نہ آسمان و نہ مہ آفتاب و خُلدِ بریں
نہ انجم و نہ ملائک نہ کس عیاں نہ نہاں (۱)

---

(۱) نہ آسمان ہے نہ چاند ہے نہ سُورج اور نہ بہشتِ اعلیٰ ہے۔ نہ وہ تارا ہے نہ فرشتہ نہ کوئی ظاہر ہے نہ پوشیدہ ۔

نہ دوزخ و نہ بہشت و نہ ملک نے مملوک[1]

ولے یکے ست کہ درجملہ ظاہر ست و نہاں (۲)

دو کون اوست و لے بوالعجب کمال است ایں

نہ عقل داند و نے وہم نے خرد نہ بیاں (۳)

چگونہ عقل برد پے کمال حسرت اوست

نہ ظاہر ست و نہ باطن نہ آشکار و نہاں (۴)

معترض:- خیر اتنا تو مان لیا کہ اندر بھی چیتن ہے اور باہر بھی چیتن ہے۔ لیکن ادویت اِس سے بھی سِدّھ نہیں ہوتا ۔ گو حقیقت میں چیتن ہی ایکشن کا باعث ہے اور چیتن ہی رہی ایکشن کا۔ اور اس باہمی عمل سے دُنیا نمودار ہوتی ہے۔ لیکن چیتن پھر بھی دو رہتے ہیں۔ ایک اندر والا۔ اور دُوسرا باہر والا ۔

رام:- چیتن دو نہیں

جب کسی کو قطب تارا دکھانا ہوتا ہے۔ تو شمال کی جانب اُس کا مُنہ کرکے کہا کرتے ہیں۔ وہ دیکھ سات رشی (مجموعۂ انجم

---

[1] (۱) نہ دوزخ ہے نہ بہشت۔ نہ ملکیت ہے نہ مملوک۔ لیکن وہ ایک ہے جو سب میں ظاہر اور پوشیدہ ہے ۔

(۳) دونوں جہان وُہی ہے۔ لیکن تعجب و کمال یہی ہے کہ نہ اُسکو عقل جانتی ہے نہ سمجھ اور نہ طاقتِ بیان ۔

(۴) عقل اُس (ذات) کا کھوج کیسے لگا سکتی ہے (یعنی ہرگز نہیں لگا سکتی) اِس لئے اُس کو اِس بات کی نہایت حسرت ہے کہ وُہ (ذات) نہ ظاہر ہے نہ باطن ہے اور نہ عیاں ہے نہ نہاں ہے ۔

جو اہلِ مغرب کے ہاں Bear سے) ۔ یہ سپت رِشی پہلے دکھا دینے سے دھرو (قُطب) کا پتہ لگنا آسان ہو جاتا ہے ۔ تو ویسے "اندر چیتن" اور "باہر چیتن" یہ ظاہری دُویت (ثنویت) صرف اِس لئے دکھائی گئی ہے کہ وحدت (دھرو۔ قُطب) کا ٹھیک ٹھیک پتہ آسانی سے لگ جائے ۔

(۱) الفاظ "اندر" اور "باہر" باعتبار انتہ کرن (بُدّھی۔ من۔ intellect and understanding) کی حدِ فاصل (partition) کے بولے گئے تھے۔ لیکن انوبھو کے پرکاش سے من (انتہ کرن) کی حقیقت دیکھی جائے تو یہ حدِ فاصل (پردہ) ایسے معدوم ہے جیسے اندھیرے کو چراغ سے دیکھا جائے تو مفقود ہوتا ہے۔ حقیقت میں حدِ فاصل (line of demarcation) ہی کوئی نہیں ہے تو باہر اندر کیسا۔ "باہر کا چیتن" اور "اندر کا چیتن" یہ دُویت کیونکر ہو سکتی ہے ؟

اِس معاملہ کو پُوران کی ایک کتھا خُوب واضح کرتی ہے۔ بھسماسُر دَیت کو شِوجی (کارن شریر کے پرکاشک) سے یہ بَر (boon) دان دیا کہ "جس پر تو ہاتھ دھریگا وہ فنا ہو جائیگا" ۔ یہ قدرت پاتے ہی بھسماسُر نے اپنے محسن پر طاقت آزمائی کرنی چاہی۔ یعنی شوجی پر ہاتھ صاف کرنے کی سوجھی۔

[1] کس نیاموخت علمِ تیر از من ۔ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد ۔

---

[1] کسی ایسے آدمی نے مجھ سے تیر اندازی کا علم نہیں سیکھا کہ جس نے مجھ کو انجامِ کار نشانہ نہ بنایا ہو ۔

شوجی آگے آگے دوڑنے لگے اور بھسماسُر ہاتھ بڑھائے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ شو شنکر بھگوان وہ پکڑا گیا۔ وہ جل کر راکھ ہُوا۔ وہ قابو آگیا۔ وہ بھسم ہُوا۔ نہیں نہیں بچ نکلا ۔ بھسماسُر کس ناپاک نگاہ سے شنکر کی مایا کا لالچ کر رہا ہے ۔ کیا سچ مچ شوجی کو فنا کرے گا ؟

آہا ! کیا رُوح فزا سُرود سُنائی دیا ! نغمۂ جان بخش کدھر سے آیا ؛ وہ دیکھو۔ پاکیزگی مجسّم سراپا نُور سرتاج دلبراں نازنیں زُہرہ جبیں۔ رشکِ قمر "من موہنی" کس اندازِ دلربائی سے رقص کناں ہے ("یہ موہنی اوتار" بھگوان وِشنو دستوگُن کے پرکاشک) نے شوجی کی جان بچانے کے لئے دھارا ہے) بھسماسُر (من) موہنی کی دلفریب پاکیزگی پر آنکھ ڈالتے ہی از خود رفتہ ہو گیا۔ موہنی نے اُس وحشت کے ناپاک دل سے دُوئیت (دُوئی) کو ایسا دھویا اور اُس کے ہر سرِ مُو میں ایسا حیرت انگیز نزول کیا کہ بھسماسُر گویا موہنی کی عکسی تصویر بن گیا۔ موہنی ناچتے ناچتے ہاتھ پاؤں کو جس طرح حرکت دیتی تھی اُسی کی نقل بھسماسُر کرنے لگا۔ موہنی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو نصف دائرہ بناتے ہلایا۔ بھسماسُر نے بھی ایسا ہی کیا۔ موہنی نے ایک بازو سے خوبصورت قوس بنائی۔ بھسماسُر نے بھی یہی کیا۔ رفتہ رفتہ موہنی نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا۔ بیخودی کی ترنگ میں بھسماسُر نے بھی اپنے سر پر ہاتھ دھرا۔ ایلو ! جھٹ بھسم ۔ فیصلہ ۔

اس ورشٹانت کا دارشٹانت (یعنی مثالِ مذکورۂ بالا کی تعبیر) یہ ہے :۔ تم مے کارن سریر (داگیان) پر آتما رُوپی آفتاب کی نگاہِ عنایت پڑی۔ تو جیسے خورشید کی تمازت (تیج) سے برف پگھل پڑتی ہے

ویسے ہی شو (آتما) کی رکرپا درشٹی کی بدولت کارن شریر سے
من دشوکشم شریر) روپی بھسماسُر پیدا ہؤا ۔ اب فی الحقیقت تو
سارے شو ہی شو ہے۔ آتما ہی آتما ہے۔لیکن من (بھسماسُر) کو
آتما ہی کی بدولت یہ طاقت (ستا) حاصل ہے کہ جہاں ہاتھ ڈالے
راکھ بنا دے ۔ تمہاری آنکھ کے سامنے کیا ہے ؟ آتما (شو)۔من (بھسماسُر)
نے وہاں سایہ ڈالا تو درخت نظر آنے لگا۔ آتما (شو) بھسم ہو گیا ؟
نہیں۔ بھاگ گیا ۔ وائیں جانب کیا ہے ؟ آتما (شو)۔من (بھسماسُر) نے
سایہ ڈالا۔ دیوار نظر آنے لگی۔ آتما (شو) گم۔ لیکن آتما (شو) مرا کسی
صورت سے نہیں۔ کیونکہ درخت اور دیوار کے نام روپ میں بھی ست
چت آنند روپ سے جھلک مار رہا ہے ۔ تمہارے سر کی جانب کیا
ہے ؟ آتما (شو) ۔ من (بھسماسُر) نے سایہ ڈالا۔ چاند نظر آنے لگا۔
آتما غائب ۔ بازار سیر کو جاؤ۔ چاروں طرف کیا ہے ؟ آتما ہی آتما۔
لیکن من (بھسماسُر) ہاتھ پھیرتا جاتا ہے۔ مُردہ میٹر ہی میٹر۔ (مادہ
نام روپ) دکھائی پڑتا ہے۔ آتما مفقود ۔

بچپن سے لیکر بڑھاپے تک خواہ عالم خواب میں خواہ عالم بیداری
میں جو کچھ دیکھا سُنا کیا کرایا محض آتما ہی آتما ہے۔ لیکن من (بھسماسُر)
نے آتما نہ دیکھا ۔

سنسکرت جوتش شاستر والوں کے ہاں ایک ہی سُورج علیحدہ علیحدہ
بُروج میں علیحدہ علیحدہ نام پاتا ہے۔ ویسے ہی ایک آتما جو بلحاظ
(اگیان سشُپتی) کارن شریر پہ تجلّی فشاں ہونے کے شو کہلاتا ہے
باعتبار جاگرت اوستھا پہ نُور افگن ہونے کے وِشنو موسوم ہوتا

ہے۔ مَن بھسما سُر کا خاتمہ کرنے کے لئے جاگرت اَوستھا (عالمِ بیداری) میں ستوگُن کی کثرت کے وقت یہی آتما (وشنو) موہنی اَوتار سے نغمۂ یزدانی سُناتا شروع کرتا ہے۔ یعنی شُرتی (اُپنشد) رُوپی موہنی اوتار من (بھسما سُر) کو بیخود بناتی ہے۔ اپنے ساتھ ساتھ ناچ نچاتی ہے۔ کئی قسم کے ابتدائی کلاموں سے بہلاتی بہلاتی آخر میں سر پر ہاتھ دھرتی ہے یعنی तत त्वमसि। अहं ब्रह्मास्मि। حقّا کہ خُدائید حقّا کہ خُدائید۔ اس موقع پر بھسما سُر بھی اپنے سر پر ہاتھ دھرتا ہے۔ "من خُدایم من خُدایم من خُدا" अहं ब्रह्मास्मि۔ یہ برہماکار بِرتی من بھسما سُر کا ناش کرتی ہے اور شِو ہی شِو اِک شِو ہی شِو باقی رہ جاتا ہے

ٹُوٹی گرنتھی آودیا ناشی	ٹھاکر ست رام اوِ ناشی
لے مجھ میں سب گیو رہے باقی	واسدیو سو ہم کر جھاکی

Then shall I be free &c
When I shall cease to be. &c

(۲) اندر اور باہر ایک ہی چیتن ہونے کا عام فہم ثبوت:۔ ایک شخص (ا) کی گردن پر کھجلاہٹ ہوئی۔ اب اُسی شخص کا ہاتھ تو عین مناسب مقام پر حسب ضرورت کھجلائیگا۔ غیر شخص (ب) ٹھیک ٹھیک طور پر درست موقع پر کبھی نہیں کھجلا سکتا۔ البتہ پہلے شخص (ا) کے بتلانے اور جتلانیسے دوسرا آدمی (ب) اگر کسی قدر سُود مند ہو سکے تو ہو سکے۔ پر خود بخود کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

لہ (۱) میں برہم ہوں (۲) تُو وہ (حق) ہے۔

(۳) خُدا کی قسم کہ تم خُدا ہو۔ خُدا کی قسم کہ تم خدا ہو۔

(۴) جب آہنکار میرا معدوم ہوگا (دُور ہوگا) تب آزاد ہُونگا۔

لیکن شخص اوّل (ا) کی خواہش سے مُعاون ہونا تو یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ شخص (ا) خود اپنی اعانت کر رہا ہے۔ شخص ثانی (ب) تو ایک گونہ اُس (ا) کے اَوزار یا ہاتھ کا کام دے رہا ہے۔

پس جیسے گردن (یعنی حاجت محسُوس کرنے والا) اور ہاتھ (یعنی حاجت رفع کرنے والا) اِن دونوں کا اِدھشٹان چیتن (تکیہ گاہ و پُشتِ پناہ) ایک ہی ہے (خواہ انسان سویا پڑا ہو۔ اِدھر مُنہ پر مکھّی بیٹھتی ہے اُدھر ہاتھ خود بخود اُسے اُڑانے کے لئے اُٹھ آتا ہے) ۔

ویسے ہی اَے عزیز! وہ ستّا (چیتن) جو (تیرے) اس ایک جسم کے اندر حکمراں ہے۔ وُہی سُورج چاند وغیرہ تمام کائنات کی مالک ہے۔ ساری رات تُم نیند بھر سو لیتے ہو۔ اُدھر صُبح کے وقت تُمھارے اِس جسم کے اندر نُور کی حاجت (کھُجلی) محسُوس ہوتی ہے اِدھر اِس کھُجلی (ضرُورت) کو دُور کرنے کے لئے آفتاب ہاتھ کی طرح جھٹ آ موجُود ہوتا ہے۔ عزیز من! شک و شُبہ دِل سے مٹادو۔ جس تُمھارے حقیقی اپنے آپ کا کھُجلی (حاجت) محسُوس کرنے والا یہ جسم ہے اُس ہی تُمھارے حقیقی اپنے آپ کا سُورج رُوپی کھُجلانے والا ہاتھ ہے۔

مغربی

(۱) آں ماہِ مُشتری نیست بہ بازار آمدہ	خود را ز دستِ خویش خریدار آمدہ (۱)
محجُوب گشتہ است مُحبِّ جمالِ خویش	مطلُوب خویش راست طلبگار آمدہ (۲)

(۱) وہ پیارا (معشوق) خود بازار میں خریدار ہو کر آیا ہُوا ہے۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنی ہی خریداری کر رہا ہے۔ (۲) اپنے ہی حُسن کا عاشق وُہ (پریمی ہی) خود ہو گیا ہے اور اپنے مطلُوب کا خود ہی طلبگار بن رہا ہے۔

گفتم کہ کیست؟ گفت کہ در باز کن توئی (۳)	۱؎ رو حلقہ دوش بر در دل یارِ معنوی
ما ئی نہاں شدہ است دریں نقش معنوی (۴)	نقاش گشتہ نقش و نگار است بیگماں

۲؎ دوش آں صنم بیگانہ وش بگذشت از من چوں پری
کردم سلامش لیکن او دادہ جواب سرسری (۱)
گفتم چرا بیگانۂ؟ گفتا کہ تو دیوانۂ
من کیستم تو کیستی در خود چرا می ننگری (۲)
تو اوّلی و آخری تو باطنی و ظاہری
تو قاصدی و مقصدی تو ناظری و منظری (۳)
کوّے کی دونوں آنکھوں میں ایک ہی مردمک ہوتی ہے۔ بائیں آنکھ سے دیکھتا ہے تو مردم چشم اِدھر پھیر لیتا ہے۔ دائیں آنکھ سے دیکھتے وقت اُدھر پھیر لیتا ہے۔ تم ہی سورج ٹروپا دائیں آنکھ میں نور

۱؎ (۲) میرے دل دوست (یارِ غار) نے کل رات کو دل کے دروازے پر کنڈی کھڑکائی۔ میں نے پوچھا کہ کون ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ دروازہ کھول۔ تُو ہی ہے ⁂
(۴) نقاش (ایشور) ہی بیشک یہ نقش و نگار ہو گیا ہے۔ اور اس معنوی نقش میں اصلی مصوّر (مائی) خود چھپا ہوا ہے ⁂
۲؎ (۱) کل رات وہ پیارا غیروں (بیگانوں) کی طرح میرے پاس سے پری کی مانند گذر گیا میں نے اُس کو سلام کیا لیکن اُس نے سرسری (معمولی) جواب دیا ⁂
(۲) میں نے کہا کہ تُو بیگانہ (غیر) کیوں بن گیا؟ اُسنے جواب دیا کہ تُو پاگل ہو گیا ہے۔ میں کون ہوں تُو کون ہے۔ یہ اپنے اندر کیوں نہیں دیکھتا ہے ⁂
(۳) تُو ہی اوّل ہے تُو ہی آخر ہے۔ تُو ہی ظاہر و باطن ہے۔ تُو ہی قاصد و مقصد ہے۔ اور تُو ہی دیکھنے والا اور قابلِ نظارہ ہے ⁂

اُنگن ہو۔ تُم ہی انسان رُوپی بائیں آنکھ میں تماشائے حیرت ہو ❖
ڈائنمو (dynamo) سے جو شکتی نکلتی ہے وُہی دائرہ پُورا کرکے
اُس ہی میں واپس آتی ہے۔ اِدھر لڑکا جنم لیتا ہے۔ اُدھر لڑکی جنم لیتی ہے
مردوں اور عورتوں کی تعداد بہ حیثیت مجموعی برابر رہتی ہے۔ جن
ملکوں میں انتہا کی سردی پڑتی ہے اُن ممالک کے جانوروں کے بدن
گرم پشم دار ہوتے ہیں۔ گویا لحاف توشک ساتھ ہی لیکر پیدا ہوتے ہیں ❖
دُنیا کے ہر ایک حادثے کا اپنے عوارض کے عین موزون ہونا
(The fittest thing in the fittest place) جس کا نام
خواہ غلط ہو خواہ درست ڈیزائن design رکھا گیا ہے۔ صاف ثابت
کرتا ہے کہ کلی اور ناخن رُوپی تمام کائنات میں ایک ہی چیتن ہے ❖
حوادث (phenomena) میں وُہی چیتن جلوہ افروز ہوتا ہے
جو اُن کے عوارض (circumstances) ہیں۔ سب
ایک ہی ایک کا ظہور ہے۔ وہ جو تیرا حقیقی اپنا آپ ہے وُہی تمام کائنات
کا آتما ہے ❖ جو سانحہ غیر موزوں معلوم دیتا ہے جو وقوعہ
نا مناسب خیال میں آتا ہے۔ جو حادثہ نا زیبا سمجھا جاتا ہے۔ وُہ صرف
سائینس کا کافی علم نہ ہونے کے باعث سے ہے۔ حوادث کی تہ
سے بے خبر ہونے کے سبب سے ہے۔ واقفیت کی کوتاہی کی وجہ سے
ہے ❖ ورنہ اَے عزیز! ہر وقوعہ۔ ہر حادثہ۔ ہر سانحہ۔ ہر امر۔ ہر برگ
ہر انجم ساتوں سُر ملا ہوا گیت آلاپ الاپ کر سُنا رہا ہے کہ ذاتِ
کُل میری ہی ذات ہے۔ کُل کی رُوح میری ہی رُوح ہے۔ سب کا
آتما میرا ہی آتما ہے۔ ایک۔ ایک۔ ایک ❖

There is not the smallest orb which thou behold'st[1]
But in his motion like an angel sings,
Still quivering to the young eyed cherubim.
(Merchant of Venice)

جانِ من! یہ ایک چھوٹا سا جسم ہے۔ اِس کو تم کہتے ہو "میرا ہے"
خواہ تجھے اِس کے اعضا و اعصاب و جوارح کی پُوری پُوری حقیقت معلُوم
ہے تو بھی تیرا ہے۔ اور اگر تُو نے کالج میں اِسقدر تعلیم نہیں پائی کہ
رگوں پٹھوں وغیرہ کی تمام حرکات و سکنات سے کما حقّہٗ علم حاصل
کرلیا ہو۔ اس لاعلمی کے باوجُود بھی جسم تیرا ہے۔ اس میں تُجھے کچھ شُبہ نہیں۔
وَیسے ہی تمام جہاں خواہ تمہیں اِس کے ہر ایک کُنج و صحرا کا علم ہو
تمہارا ہے۔ اور خواہ تمہیں ایک گاؤں کی بھی پُوری پُوری واقفیت نہ
ہو پِتس پر بھی تمہارا ہے۔ تمہارے شاہنشاہِ عالَم ہونے میں کچھ شُبہ نہیں۔

[2] نیست غیر از ہستئ تو در جہاں موجُود ہیچ
خواہ در انکار کوش و خواہ در اقرار باش

اگر تجھے رُخ انوَر اپنا نظر نہیں آتا تو بھی تیرا ہے۔ اور اگر آرسی میں نظر آجائے
تو بھی تیرا ہے۔ خواب میں اگر مرغوب و دلکش حوادث و عوارض جمع ہیں تو
تیرا خیال ہیں۔ اور اگر سخت ہیبتناک بھیانک ڈراؤنی صُورتیں موجُود
ہیں تو تیری کرتوت ہیں۔ وَیسے ہی دُنیا میں خواہ

---

[1] چھوٹے سے چھوٹا کُرّہ بھی جو تُو دیکھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ اپنی حرکت میں فرشتے کی طرح
نہ گاتا ہو۔ اور ابھی تک ایک روشن آنکھ (تیز نگاہ) والے فرشتے کی مانند تھرتھراتا
(یا تیر لگاتا) نہ ہو۔ [2] تیری ہستی کے سوائے جہان میں کچھ موجُود نہیں ہے۔ خواہ
تو اِس امر کا اِنکار کر اور خواہ اقرار کر۔

دِل پسند وارداتیں ہوں خواہ مُصیبتیں اور آفتیں ہوں سب تیری ہی بنائی ہُوئی ہیں *

Joy! Joy! I triumph now; no more I know
Myself as simply me I burn with love
The centre is within me, and its wonder
Lies as a circle everywhere about me.
Joy! Joy! no mortal thought can fathom me,
I am the merchant and the pearl at once.
Lo! time and space lie crouching at my feet
Joy! Joy! when I would revel in a rapture.
I plunge into myself and all things know

ملہ آنند! آنند!! (ہرسے ہرسے) مَیں نے اب فتح پائی ہے۔ اب مَیں اپنے آپ کو محض ایک جُزوی "بَس" (اہنکار) نہیں سمجھتا۔ میرے اندر اب پریم (محبّت یا عشق) کے شُعلے بھڑک اُٹھے ہیں۔ مرکزِ کُل میرے اندر ہے۔ اور اُس کا کرشمہ مانند دائرے کے ہر جگہ میرے گرد واقع ہے * آنند! آنند!! اب کوئی فانی (انسانی) خیال (وچار) میری تہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مَیں ہر دو سوداگر (جوہری) اور جوہر ایک ساتھ ہی ہُوں۔ دیکھو زمان و مکان میرے قدموں میں گِر رہے ہیں *

آنند آنند!! اب جب مَیں عالمِ وجد (محویت) میں مسرُور ہونا چاہتا ہُوں۔ تو جھٹ اپنے اندر غوطہ لگاتا ہُوں (یعنی اپنی ترقی کو اپنے اندر سے کرتا ہُوں۔ اور ہر چیز کو جان لیتا ہُوں (یعنی سروگیہ ہو جاتا ہُوں) *

لے (۱) گفتمش خواہم کہ بینم مر ترا اے نازنیں
گفت گر خواہی مرا بینی برو خود را بہ بیں (۱)

گفتمش بانو نشستن آرزو دارم بسے
گفت گر باشد ترا ایں آرزو باخود نشیں (۲)

گفتمش کاں نقش گوئی بر مثالِ نقش تو
گفت ظاہر شد بہ نقشِ خویشتن نقش آفریں (۳)

گفتمش گوئی کہ آدم جمعِ کُلِّ عالم است
گفت جمعِ عالم است و جمعِ ربّ العالمین (۴)

گفتمش ہم من تو ام ہم جملہ تو۔ خندید و گفت
بر تو و بر دیدنت بادا ہزاراں آفریں (۵)

لے (۱) میں نے اُس (یار) کو کہا کہ میں اے پیارے! تجھ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ اُس نے جواب دیا کہ اگر تُو میرے دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے تو جا! اپنے آپ کو دیکھ۔ (جو تیری اصل ذات ہے وُہی میں ہوں) +

(۲) میں نے اُس کو کہا کہ اے پیارے! میں تیرے پاس بیٹھنے کی بہت خواہش رکھتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اگر تجھے یہ خواہش ہے تو جا اپنے ساتھ بیٹھ (میں وہیں ہی ہوں)

(۳) میں نے اُس کو کہا کہ اے پیارے! تو ایسا نقش بتا کہ جو تیرے نقش (صورت) کی مانند ہو۔ اُسنے جوابدیا کہ میرے اپنے نقش (اسماء و اشکال) سے اصلی نقاش آپ ظاہر ہُوا ہُوا ہے۔

(۴) میں نے اُسکو کہا کہ کیا تُو یہ کہتا ہے کہ آدمی کُل جہان کا مجموعہ ہے؟ اُسنے جوابدیا کہ جہان کا مجموعہ تو کیا بلکہ جہانوں کے مالک (سب لوکوں کے مالک ایشور پرماتما) کا بھی مجموعہ ہے۔ (یعنی خُدا کی ذات و صفات کا بھنڈار بھی یہ آدمی ہے) + (۵) میں نے اُسکو کہا کہ پھر میں ہی تُو ہوں۔ اور سب کچھ بھی تُو ہے تِسپر وہ ہنسا اور بولا کہ تیرے پر اور تیرے ایسے دیکھنے پر ہزار ہزار شاباش +

اگر یہ جسم خوبصورت ہے تو اُسے دیکھ دیکھ تو پُرسن ہوتا ہے۔ خوشی سے کِھل جاتا ہے۔ اگر یہ کالا ہے تو اَسے کرشن! تو اس سیاہ فام ہی کو "میرا" ہونے کے باعث خوبصورت قرار دیتا ہے۔

سہ کالا ہرنا جنگل چرنا اوہ بھی چنچل بل خوب کرے
کالا ہستی رہے نوجن میں فوجن کا منڈگار کرے
کالا باوَل گرجے گرجے جہاں پڑے تہاں جَھل کرے
کالا کھانڈا رہے میان میں جہاں پڑے دو ٹوک کرے
کالی ڈھال مَرد کے کندھے جہاں لڑے تہاں اوٹ کرے
کالا ناگ پانی کا راجہ جس کا کاٹا تُرت مرے
کالا ڈول کنوئیں کے اندر جس کا پانی شانت کرے
کالی بھینس بھیر کا بچّو۔ دُودھ شکتی بل آدھک کرے
کالا توا رسوئی بھیتر۔ کھاکر روٹی خلق جیئے
کالی کوکل کُوکے ہُوکے جس کا شبد تن من ہرے
کالا ہے تیرے نین سُرمہ تُو کالے کا نام دھرے
کالا ہے تیرے نینن تارا تُو کالے کا نام دھرے
کالے تیرے بال سانپ سے تُو کالے کا نام دھرے

سہ گوری رہی تُم گور گوری	بات کرے گورو گیان کی چیری
دانت دامنی چمک دمک ہیں	نین بنے جانو آم کی کیری
اِتنا گمان بلی کہا کرے رادھا	کھول گھونگھٹ مکھ دیکھن دے رہی

جاناں ہو لباسِ بشری میں بخدا نُورِ خُدا
سُننے بھی ہو کچھ؟ عارف تمہیں کیا کہتے ہیں

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ بھجن بھگتی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑینگے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

نقاب روئے شیریں سے دُور کرو۔ ضد اب چھوڑو۔ ہٹ انکار اچھا نہیں۔ مان جاؤ۔ تمام کائنات کا آتما تم ہی ہو۔ تم ہی نے

مُسدّس

تال بڑہنس

کہیں کیواں ستارہ ہو کے اپنا نور چمکایا
زحل میں جا کہیں چمکا کہیں مریخ میں آیا
کہیں سُورج ہو کیا کیا تیز جلوہ آپ دکھلایا
کہیں ہو چاند چمکا اور کہیں خود بن گیا سایا
تُو ہی باطن میں پنہاں ہے تُو ظاہر ہر مکاں پر ہے
تو مُنیوں کے منوں میں ہے تُو رندوں کی زباں پر ہے

ترا ہی حکم ہے اِندر جو برساتا ہے یہ پانی
ہوا اٹکھیلیاں کرتی ہے تیرے زیر نگرانی
تجلّی آتشِ سوزاں میں تیری ہی ہے نُورانی
پڑا پھرتا ہے مارا مارا ڈر سے مرگِ حیوانی
تُو ہی باطن میں پنہاں ہے تُو ظاہر ہر مکاں پر ہے
تُو مُنیوں کے منوں میں ہے تُو رندوں کی زباں پر ہے

تُو ہی آنکھوں میں نُورِ مردمک ہو آپ چمکا ہے
تُو ہی ہو عقل کا جوہر سروں میں سب کے دمکا ہے
تیرے ہی نُور کا جلسہ ہے قطرہ میں جو نم کا ہے۔

تو رونق ہر چمن کی ہے تو دلبر جام جم کا ہے
تو ہی باطن میں پنہاں ہے تو ظاہر ہر مکاں پر ہے
تو منیوں کے منوں میں ہے تو مستوں کی زباں پر ہے

کہیں طاؤس زریں بال بن کر رقص کرتا ہے
دکھا کر ناچ اپنا مورنی پر آپ مرتا ہے
کہیں ہو فاختہ کوکو کی سی آواز کرتا ہے
کہیں بلبل ہے خود ہے باغباں پھر اس سے ڈرتا ہے
تو ہی باطن میں پنہاں ہے تو ظاہر ہر مکاں پر ہے
تو منیوں کے منوں میں ہے تو رندوں کی زباں پر ہے

کہیں شاہیں بنا شہپر۔ کہیں شکرہ ہے مستانہ
شکاری آپ بنتا ہے۔ کہیں ہے آب اور دانہ
لٹک سے چال چلتا ہے کہیں معشوق جانانہ
صنم تو۔ برہمن ناقوس تو۔ خود تو ہے بتخانہ
تو ہی باطن میں پنہاں ہے تو ظاہر ہر مکاں پر ہے
تو منیوں کے منوں میں ہے تو رندوں کی زباں پر ہے

تو ہی یاقوت میں روشن تو ہی پکھراج اور دُر میں
تو ہی لعل بدخشاں میں تو ہی ہے خود سمندر میں
تو ہی کہسار و دریا میں تو ہی دیوار اور در میں
تو ہی صحرا میں آبادی میں۔ تیرا نور نیّر میں
تو ہی باطن میں پنہاں ہے تو ظاہر ہر مکاں پر ہے
تو منیوں کے منوں میں ہے تو رندوں کی زباں پر ہے

(برج لعل لشتو)

پیارے! تمہارا کیا حق ہے اپنے تئیں ایک جسم کی انانیت میں پُرا گلانے کا؟ تمہیں کب بجا ہے خودکشی کرنا؟ تمام کون و مکان تمہارا ہی جسم ہے تُم ہی ہو۔ جدھر نگاہ ڈالو تمہاری ہی شان ہے۔ اگر دُنیا بُری دکالی) ہے تو تُم ہو۔ اگر بھلی (گوری) ہے تو تُم ہو۔ سب تمہارا ہی جلال ہے۔

خواہ کوئی تارے گن سکے۔ خواہ کوئی سر کے بال بھی نہ گن سکے لیکن ہو سب تُم ہی تُم۔ یہ بھی تُم اور وُہ بھی تُم۔ خواہ کہیں ایسی کل ایجاد ہو جائے جس سے سُورج اور تاروں تک رسائی ممکن ہو۔ خواہ آنکھ کے تارے کو بھی دیکھنا نصیب نہ ہو سکے۔ لیکن ہو سب تُم ہی تُم۔ یہ بھی تُم اور وُہ بھی تُم۔ خواہ تُم کو ہر برگ و گُل کی ساخت سے پُوری پُوری آگاہی ہو جائے۔ خواہ تُم کو گُلِ اندام انسان کا بھی پتہ نہ لگے لیکن ہو سب تُم ہی تُم۔ یہ بھی تُم اور وُہ بھی تُم۔

بعض دِل (heart) کو سُلطان الحواس قرار دیتے تھے۔ بعض دماغ کو شاہنشاہی کا لقب دیتے ہیں۔ نیز بعض آسمان کو گھُومتا مانتے تھے۔ بعض زمین کو گرداں ثابت کر بیٹھے۔ لیکن خواہ یُوں ہو خواہ وُوں ہو۔ عقل اِدھر چکر کھاتی ہُوئی جائے۔ خواہ اُدھر گھبراتی ہُوئی پھرے۔ (بچپن اور ضعیفی میں) کچھ تمیز و فکر نہ ہو۔ یا (جاگرت میں) زمین و آسمان کے قلابے ملائے جائیں۔ تمہاری ذاتِ پاک سدا ایک رس بیچوں و بے چرا بے زوال۔ بے بدل۔ غیر متغیر برتر از اوصاف[1] Spirit, Infinite, Eternal, Unchangeable in its Being.

[1] آتما اپنی ذات میں لامحدود۔ دائم۔ غیر متغیر۔ عین علم عین طاقت۔ عین پوِتّرتا (پاکیزگی) عین انصاف۔ عین نیکی و سچائی (حق) ہے۔

"Wisdom, Power, Holiness, Justice, Goodness & Truth"

ہے وہ سے خواہ پھرتا ہے فلک اور خواہ پھرتی ہے زمیں
دخل میری ذات میں ہرگز تغیّر کو نہیں

اگر سائنس میں کوئی نئی بات دریافت ہوئی ہے تو وہ تیرے ہی روئے تاباں کے کسی خال کا پتہ لگا ہے۔ تیری ہی شان آشکارا ہوئی ہے۔ تیرا ہی جمال ہویدا ہوا ہے ❊

حکما کے فرقے زمانۂ گذشتہ میں ایک دوسرے سے شرطیں باندھ باندھ کر مسائلِ وحدت کو ثابت کرتے رہے۔ اور زمانۂ مستقبل میں فلاسفر لوگ وحدت کو ثابت کرتے کرتے پاگل ہو جائیں گے۔ فلاسفی کے ہزاروں دَور ہو چکے اور لاکھوں آئیں گے۔ رسومات کے سینکڑوں طبقے دب چکے اور آیندہ بیسیوں اپنے اپنے موقع پر سرسبز ہو کر آئے دن پتھر کے کوئلوں کی کانیں (fossils) بن جائیں گے۔ بیشمار سلطنتیں روئے زمین پر ہو گئیں اور کروڑوں اپنے اپنے وقت پر بہار دکھا کر پھر تباہ ہو جائیں گی ❊ پیچھے عقل کے طوطے اُڑتے آئے اور آگے کو ہوش اُڑتے رہیں گے ❊ خواہ فلاسفی اسکو ثابت کرنے میں کامیاب ہو سکے خواہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لیکن ایک ذاتِ حق مطلق بے ردّ و بدل۔ عین علم و عین سرور میری ذاتِ پاک جُوں کی تُوں چلی آئی ہے اور رہیگی ❊

لحظہ لحظہ بگوشِ ہوش خطاب	لہ ندائے شد کہ میرسد از غیب
بحقیقت کسے دگر موجود ❊	کہ بجز او نیست در سرائے وجود

لہ مدت ہوئی کہ غیب سے ہر لحظہ ہوش کے کان (دانستہ کرن) میں یہ آواز سُنائی دیتی رہتی ہے کہ اُسکے سوائے اِس ہستی کی سرائے میں دراصل اور کوئی موجود نہیں ہے ❊

بس سا سب سے سربجارتو کوئی نہ رہسی عاقی ہے
اُوَ سے اَست لو رَج جہاں دا یسو بھی رلسن خاکی ہے
کال کلا تے بچپت نہ کوئی بر ہما بشنو پناکی ہے
اِک آنند راشی آج انباشی ہم رہ جانا باقی ہے[1]

اَلْحَقُّ وُجُوْدٌ مُّطْلَقٌ وَمَا سِوَاہُ خَیَالٌ مُّزَخْرَفٌ بَاطِلٌ

اگر کریہ المنظر زبوں پیشانی ترش رو سیاہ فام شخص ہے تو وہ تمہارا ہی اپنا آپ ہے۔ اِس امر سے گریز نہیں۔ پس نفرت کیسی؟ اور اگر پری پیکر زُہرہ جمال زینتِ کائنات سرمایۂ ناز حور وش ہے تو تمہارا ہی اپنا آپ ہے۔ وہ خود تم ہی ہو۔ تم ہی ہو۔ تم ہی ہو۔ پس عشق کس سے؟ موہ کیوں؟ تمہارے حواسِ خمسہ جو اُسے الگ دکھاتے ہیں سراسر دروغ گو ہیں۔ اِن کا اعتبار مت کرو۔ تم سب اجسام کی زندگی ہو۔ کُل تم ہو۔ کُل تم ہو۔

Space & Time! now I see it is true, what I guessed at
What I guessed when I loaf'd on the grass,
What I guess'd while I lay alone in my bed,
And again as I walk'd the beach under the
paling stars of the morning.

---

[1] (۱) حق تعالیٰ ایک وجودِ مطلق ہے اِس کے ماسوا خیال کرنا محض تمسخر و باطل ہے۔

(۲) او مکان و زمان! جو کچھ میں نے قیاس کیا تھا اُسے اب میں سچ نکلا دیکھتا ہوں۔ یعنی جو قیاس کہ گھاس پر پھرتے ہوئے یا اکیلے اپنے بستر پر لیٹے ہوئے یا صبح کے وقت غائب ہوتے ہوئے (مدھم پڑتے ہوئے) ستاروں کے تلے۔ ساحل پر آوارہ گردی کرتے

.. ..,.,.........,. .. ..

Where the panther walks to and fro on a limb overhead, where the buck turns furiously on the hunter,
Where the rattle snake suns his flabby length on a rock, where the otter is feeding on fish,
Over the growing sugar, over the yellow flowered cotton plant, over the rice in its low moist field.

. . . .

Scaling mountains, putting myself cautiously up, holding on by low scragged limbs,

---

ہُوئے مَیں نے (اپنے دِل میں) کئے تھے وہ سب کے سب سچ نکلے (اُترے)

....

جہاں کہ چیتا اپنے سر پر کے اعضا کے سہارے (یعنی سر کے بل) اِدھر اُدھر ہَوا خوری کرتا ہے۔ جہاں نارہ سنگھا (یا خرگوش و مینڈھا) تُندی سے شکاری پر اُلٹا حملہ کرتا ہے۔ جہاں چھنکارے مارنے والا سانپ ایک چٹان پر دُھوپ میں لیٹتا ہے۔ جہاں اُود بلاؤ (اُتّر) مچھلیوں کو گڑپ کر رہا ہے (یا مچھلیوں پر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے)۔ اُگتے ہُوئے گنّے پر زرد پھُول والی رُوئی کے پَودے پر نشیبی و مرطوب دھان کے کھیتوں میں

....

پہاڑوں پر احتیاط سے اپنے چھوٹے و دُبلے بازوؤں (ہاتھوں) سے پکڑ پکڑ کر چڑھتے ہُوئے جہاں جھُنڈ جنگلوں و کھیتوں کے بیچ میں سیٹی بجاتا ہے۔ جہاں چشمہ (نالہ) پُورا سے

Where the quail is whistling betwixt the woods
and the wheat-lot.
Where the brook puts out the roots of the old tree
and flows to the meadow,
Under Niagra, the cataract falling like a veil
over my countenance,
At the festivals, with black guard gibes, ironical
license, bull dances, drinking, laughter,

درخت کی جڑوں کو اکھاڑتا ہے۔ اور مرغزاروں کی طرف بہتا ہے۔ جہاں نیاگرا کے تلے
آبشار اس طرح گرتا ہے۔ جیسے میرے چہرے پہ نقاب۔ اُن میلوں میں جہاں بدمعاش دشنام سے
طعنے مارتے ہیں۔ جہاں پھبتیاں و طنزآمیز بولیاں کھلے طور پر اُڑتی ہیں۔ جہاں سانڈوں
کا ناچ ہوتا ہے۔ جام کا دور چلتا ہے۔ ہنسی مذاق ہوتا ہے۔ سیب چھیلتے ہوئے لوگ اُن
تمام سرخ پھلوں کا بوسہ چاہتے ہیں جو مجھے ملتے ہیں ؛

... .

جہاں ایک قبرستان کے محراب دار دروازے میں (مُردہ) لاش والی گاڑیاں داخل ہوتی ہیں
جہاں تیراکوں اور غوطہ خوروں کے نہانے کی چھینٹوں سے دوپہر ٹھنڈی ہو جاتی ہے جمناسٹک
یا ورزش کی جگہ میں سے پردہ دار کشادہ کمرے میں سے دفتر یا پبلک ہال میں سے دیسی اور
پردیسی نئے اور پرانے ہر دو سے خوش ہوتے ہوئے

....

موسی سہ پہر کو بادلوں کی طرف اوپر گشت کرتے۔ کبھی کوچے کے نیچے (جنوب کی طرف) اور کبھی
سمندر کے کنارے کنارے آوارہ پھرتے ہوئے میرے دائیں اور بائیں بازو دو دوستوں کے

At apple-peelings wanting kisses for all the red fruits I find,

. . . .

Where the burial coaches enter the arched gates of a cemetary

Where the splash of swimmers & divers cools the warm noon,

Through the gymnasium, through the curtain'd saloon, through the office or public hall;

Pleas'd with the native, and pleas'd with the foreign, pleas'd with the new and old,

. . . .

Wandering the same afternoon, with my face turn'd up to the clouds, or down a lane or along the beach,

My right & left arms round the sides of two friends and I in the middle.

پہلوؤں کے گرد (یعنی دوستوں کو اپنے پہلو میں لئے ہوئے) اور میں اُنکے بیچ میں ہو کر
ہسپتال میں تپ زدہ مریض کی چارپائی کے پاس لیمو نیڈ پہنچاتے ہوئے۔

. . . .

ساتوں سیاروں، چوڑے حلقے میں سے اور اسّی ہزار میلوں کے ٹکڑوں میں سے تیز گذرتے
ہوئے دُمدار شہابوں کے ساتھ جو ماقبوں کی طرح آگ کے گولے پھینکتے ہیں تیز جاتے ہوئے اُس
ہلال (نئے چاند) جیسے بچّے کو لیجاتے ہوئے جو اپنی ماں کو پُورا پُورا اپنے ساتھ پیٹ میں لئے ہوئے

By the cot in the hospital reaching lemonade to a
feverish patient.

. . . .

Speeding amid the seven satellites & the broad ring,
and the diameter of eighty thousand miles.
Speeding with toil'd meteors, throwing fire balls
like the rest,
Carrying the crescent child that carries its own
full mother in its belly,
Storming, enjoying, planning, loving, cautioning,
Backing and filling, appearing and disappearing,
I tread day and night such roads
I fly those flights of a fluid & swallowing soul,
My course runs below the soundings of plummets

(Walt Whitman)

ہوتا ہے۔ غل شور مچاتے ہوئے، خوشی مناتے ہوئے۔ تجاویز کرتے ہوئے۔ عشق کرتے ہوئے۔ احتیاط
کرتے ہوئے۔ آشرا (سہارا) دیتے ہوئے۔ لبریز و جمع کرتے ہوئے۔ ظاہر اور غائب ہوتے ہوئے میں
رات دن ایسے راستوں میں چلتا ہوں (یا ایسے راستے طے کرتا ہوں): میں ایک سیال اور
مقید (دبی ہوئی) روح کی اُڑان اُڑتا ہوں (یعنی جیسے ایک سیال فوراً گرمی سے اُڑ جاتا
ہے۔ اور اُڑتا نظر نہیں آتا ہے۔ جیسے ایک مقید روح تن سے بروقتِ مرگ اُڑ جاتی ہے مگر اُڑتی
نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی میں بھی اُڑتا پھرتا ہوں)، میرا راستہ پلمٹ (زمین کی کشش ناپنے کا آلہ) کی
آوازوں سے بھی نیچے جاتا ہے (یعنی میرے چلنے کا راستہ اتنا دور اور گہرا ہے کہ کوئی تھاہ
ہی نہیں پا سکتا اور نہ کوئی پار بتا سکتا ہے) + (والٹ وٹمین)

سله تجلی ہاست حق را در نقاب ذاتِ انسانی
شہودِ غیب گر خواہی وجوب اینجاست امکانی (۱)

حجاب بر جلوہ ہم یکسر ہجوم جلوہ ہست ایں جا
نقابے نیست دریا را مگر طوفانِ عریانی (۲)

کمالِ خودشناسی شد دلیلِ قدرتِ عارف
تو گر ایں رمز بشناسی تو نیز اے بیخبر آنی (۳)

چمن را شوخی از نازت۔ فلک ہا پردہ سازت
دو عالم محو اندازت بہ فہم آ اے قطرہ نادانی (۴)

सर्वं खल्विदं ब्रह्म

سوال

سلہ (۱) انسانی ذات کے پردے میں انوارِ الہیٰ پوشیدہ ہیں۔ اگر تو اُس غیب کی شہادت چاہتا ہے (یعنی اگر تو اُس پوشیدہ ذات کا اظہار کرنا چاہتا ہے) تو یہاں ہی اُسکا ظہور (انکشاف) ہونا ممکن ہے ٭

(۲) یہاں جلوہ کا ہجوم ہی جلوہ کا پردہ بنا ہُوا ہے (یعنی نور کی زیادتی نے ہی منبع نور کو چھپا رکھا ہے) جیسے دریا کو کوئی پردہ چھپائے ہُوئے نہیں ہے۔ سوائے اُسکی عریانی کے طوفان کے ٭

(۳) عارف (گیانی) کی طاقت دلیل اُس کی خودشناسی (اُس کے ننگا ہونے) کا کمال ہے۔ تو اگر (اس بھید کو جان لے تو اے غافل! تو بھی وُہی ہو جائیگا ٭

(۴) باغ کو شوخی تیرے ہی ناز کی وجہ سے ہے۔ اور آسمان تیرے ہی باجے کے پردے ہیں۔ اے نادانی کے قطرے! (اے بھولے پُرش!) تو سمجھ کہ دونوں جہان تیرے ہی انداز پر لٹُو ہوگئے ہیں (یا مٹ گئے ہیں) ٭

ملہ یہ تمام (نام رُوپ) کائنات برہم (ذاتِ حق) ہی ہے۔

ترجمہ:- ہرچہ آید در نظر از خیر و شر ÷ جملہ ذاتِ حق بُوَد اے بے خبر[لہ]

"بِن ترن پربت ہے پار برہم"

ایک ہی چیتن ہر ایک شئے میں بلا کم و کاست جُوں کا تُوں موجود ہے ÷

[سے] ۵۲ بہ نام آں کہ او نامے ندارد ÷ بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد

اِن کی تشریح مختصراً ذرا کردو

جواب:- پہلے مجمل طور پر بیان ہو چکا ہے کہ

(ایشاواسیہ اپنشد) तदन्तरस्य सर्वस्य तदु सर्वस्यास्य वाह्यत:।

یعنی ایک ہی چیتن (آتما) سب کے اندر ہے اور وُہی چیتن سب کے باہر ہے ÷ اور یہ چیتن میرا حقیقی اپنا آپ ہے ÷ جیسے سوپن میں ایک ہی پُرش اُدھر اشیاء (objects) بن جاتا ہے۔ اور اِدھر دیکھنے والا (subjects) بن جاتا ہے۔ ویسے جاگرت میں بھی یہی چیتن اُدھر مطلع ایکشن (عمل) بن کر آتا ہے۔ اور اِدھر ری ایکشن (جواب عمل) بنتا ہے۔ یہی چیتن ایکشن اور ری ایکشن کے ذریعہ انواع و اقسام کے اسماء و اشکال میں جلوہ دکھاتا ہے۔ اِس ایک ہی چیتن کے ظاہر میں دوَیت پن (اثنیت) پہ دُنیا کا تماشا منحصر ہے ÷ ایک ہاتھ اِدھر سے آیا۔ ایک اُدھر سے آیا۔ تالی بجی۔ لیکن دونوں ہاتھ ایک ہی پُرش کے تھے ÷ ویسے ہردو

لہ اے بیخبر جو کچھ بھلائی اور برائی نظر آتی ہے وُہ تمام ذاتِ حق ہے ÷

سے باوجود اِس کے کہ وُہ کوئی نام نہیں رکھتا۔ پھر بھی جس نام سے تُو اس کو بلائے (پکارے) تو وہ سر نکالتا ہے (ظاہر ہو جاتا ہے) ۔

جانب چیتن ایک ہی ہے۔

گنگا کی ایک لہر اِدھر سے آئی۔ دُوسری اُدھر سے آئی۔ دونو کے ٹکرانے سے پھین (جھاگ)، بُلبلے وغیرہ پیدا ہو گئے۔ لیکن ہر دو لہریں ایک ہی گنگا کی ہیں۔ وَیسے دُنیا رُوپی پھین بُلبلے نظر آنے ہیں ایکشن (عمل)، اور ری ایکشن (جوابِ عمل)، رُوپی لہروں کا مصدر ایک ہی چیتن ہے۔

مایا
شام

گنگا کی ٹھنڈی چھاتی سے آتی ہے خوش ہوا
ہے بھینے بھینے باغ کا سانس اس میں مل رہا
گنگا کے روم روم میں رچنے لگا وُہ بحر
آیا جوار زور کا لہروں پہ لے کے لہر
دیکھو تو کیسے شوق سے آتے جہاز ہیں
مارے خوشی کے سیٹی بجاتے جہاز ہیں
شادی زمیں کی اہلو! فلک سے ہُوئی ہُوئی
وُہ سائباں قنات ہے جب ہی تنی ہُوئی
دُولہا کے سر پہ تاروں کا سہرا کھلا کھلا
دُلہن کے برق دِلبہا نے چراغاں کھِلا دیا
مقام (ایڈن گارڈن کلکتہ) بجلی کی روشنی
ہے کیا سُہانا باغ میں میدانِ دِلکشا

اور حاشیہ ہے بنچوں کا سبزہ پہ واہ واہ
مجمع ہجوم لوگوں کا بھر کر لگا ہے یہ
میدان آدمی سے لبالب بھرا ہے یہ
بنچوں پہ بعض بیٹھے ہیں۔ اکثر ہیں خوش کھڑے
بانکے جوان باغ میں ہیں ٹہلتے پڑے
میدان کے پار سڑک پہ ہے بگھیوں کی بھیڑ
گھوڑوں کی سرکشی ہے لگاموں کی دے نپیڑ
شوقین کلکتہ کے ہیں موجود سب یہاں
ہر رنگ ڈھنگ وضع کے ملتے ہیں اب یہاں

کام

ہم سب کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھتے کہاں ؟
آنکھیں تنی ہوئی ہیں۔ یہ کیا پیر کیا جواں
مرکز ہے سب نگاہوں کا اُجلا چبوترہ
خوش بینڈ باجہ گوروں کا جس میں ہے بج رہا
گاتے پھلا پھلا کے ہیں وہ گالیں گوریاں
کیا روشنی میں سرخ دمکتی ہیں کرتیاں!
اے لوگوں تم کو کیا ہے جو ہلتے ذری نہیں
کیا تم نے لال کرتی کو دیکھا کبھی نہیں ؟

پردہ

اسرار اِس میں کیا ہے کرو غور تو سہی
اِس دلکشی میں کیا ہے کرو غور تو سہی

گوروں کی کُرتیوں کو ہیں گو، تک رہے ضرور
لیکن نظر سے کُرتیاں گورے تو سب ہیں دور
کترا رہا ہے پردہ سا سب کی نگاہ پر
اِس پردہ سے پروئی ہے ہر ایک کی نظر
یہ پردہ تن رہا ہے عجب ٹھاٹ باٹ کا
جس میں زمیں۔زمان و مکاں ہے سما رہا
پردہ کھلا ہے چھید کہ سیون کہیں نہیں
لیکن موٹائی جو پُوچھو تو اصلا نہیں نہیں
پردہ ستم ہے سحر کے نقش و نگار ہیں
ہر آنکھ کے لئے یاں علیحدہ ہی کار ہیں
سب سامعیں کے سامنے پردہ ہے یہ پڑا
ہر ایک کی نگاہ میں نقشہ بنا دیا
پردوں سے راگ کے ہے یہ پردہ عجب پڑا
کن ضرب شہر کا ہے کہ معراج کا مزا
جادو ہے پھونک زم ہے۔پردہ شراب ہے
کیا سچ ہے۔رنگ ڈھنگ یہ سب نقش آب ہے
رمتے تو یار پردہ میں دیکھیں تو کیفیت
آنکھیں کھلی ہیں پردہ سے کیوں ؟ کیا ہے ماہیت؟
دیدوں میں اور رنگوں میں کیا ہے مناسبت؟
سہ لاٹھی ہے ہوا سے دھر۔ پردے پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو۔ مگر ایک رہو۔

ساتھ ہے صُورت کے صُورت آفریں
نقش پر نقّاش شَیدا ہو گیا

ثبوتِ طبعی :- مَیں ساکھشی چیتن (اور نقشِ عالم ریز) ہُوں۔ وہ مسئلہ ہے جس کی تردید ہو نہیں سکتی۔ لیکن اپنے تئیں فقط شاہد مُطلق۔ لاتعلق محض قرار دینا تسکین نہیں لاتا۔ بیابانِ تنہائی کی طرح ناگوار گُذرتا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری فطرت اِس امر کی روادار نہیں کہ اپنے تئیں خالی ایکشن (عمل) یا صرف ری ایکشن (جوابِ عمل) کا مصدر ماننے پر اکتفا کی جائے۔ جب تک ذاتِ محسُوسات کے ساتھ یگانگت نہ ہو گی دِل کو کل نہیں پڑنے کی۔

آپ ذرا غور کیجئے ؟
گلاب کا پھُول سامنے دھرا ہے۔
اِس کی رنگت اِس کا ایک گُن (وصف) ہے
یہ گُن دیکھنے والے (subjects) کی طرف سے ری ایکشن کا نتیجہ ہے ۔ جیسے آرسی میں لبِ پان خوردہ معشوقہ کے آرسی دیکھنے کا نتیجہ ہے ۔

پھُول کی بُو اُس کا ایک گُن (وصف) ہے یہ بھی دیکھنے والے (subjects) کی طرف سے ری ایکشن کا نتیجہ ہے ۔
پھُول کی نزاکت بھی ایک گُن ہے جو دیکھنے والے کے ری ایکشن کا نتیجہ ہے۔ پھُول کی شکل بھی ایک گُن ہے جو دیکھنے والے کے ری ایکشن کا نتیجہ ہے ۔ الغرض پھُول کے سب اوصاف (گُن۔ نام۔ رُوپ) دیکھنے والے کی جانب سے عمل وقوع میں آنے کے

بعد میں محسوس (پرپیار) ہوتے ہیں۔ اب خوب فکر اور تامّل کر کے بتایئے کہ مد آیا پھول صرف اِن اوصاف (گنوں۔ نام روپ) ہی کو بہیئت مجموعی کہتے ہیں کہ پھول میں کچھ اور حقیقت بھی ہے"؟

بادی النظر میں تو یہی معلوم دیتا ہے کہ اگر پھول کی رنگت جو شکل نزاکت ذائقہ وزن وغیرہ اوصاف کا تصوّر ذہن سے رفع کر دیا جائے تو باقی کچھ بھی نہ رہے گا۔ لا شئے (عدم) ہی ہاتھ آئے گی ؛ شروع میں تو یہی گمان غالب آتا ہے کہ پھول صرف اوصاف ہی کے مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن ویدانت یہ فرماتا ہے۔ کہ پیارے ! پھول کے جملہ اوصاف (نام روپ) تو بے شک تم نے ایک گونہ اپنے اندر سے اُگلے ہیں۔ اور پھول بہ حیثیت پھول تیرے ری ایکشن (فعل) کے دیئے ہوئے اوصاف کا مفروض ہے۔ اِلّا جس کو تو پھول مان رہا ہے اُس نے بہ حیثیت پھول محسوس ہونے سے پیشتر تیرے ناک پہ اثر کیا۔ تیری آنکھ پر عمل کیا۔ تیری قوتِ لامسہ پہ ایکشن کیا۔ تیری قوتِ ذائقہ پہ تاثیر کرنے کی قابلیت اُسی میں تھی۔ وہ تو چیتن ہے نیستی نہیں پس پھول کے نام روپ گنوں (اوصاف) سے پرے عدم (لا) نہیں ہے۔ بلکہ چیتن (١) ہے۔ اور پھول صرف مجموعۂ اوصاف ہی کا نام نہیں ہے بلکہ پھول کی حقیقی ہستی تو چیتن ہے ؛

One stupendous whole

....

(١) ایک عظیم کُلّی طاقت (ایک مہا پُورن شکتی یا پرماتما) دھوپ میں گرمی کا آنا یقینی ہے ؛

Warms in the sun, refreshes in the breeze,
Glows in the stars, and blossoms in the trees
Lives through all life, extends through all extent,
Spreads undivided, operates unspent;
Breathes in our soul, informs our mortal part,
As full, as perfect in a hair as heart;
As full, as perfect, in vile man that mourns,
As the rapt seraph that adores and burns:
To him no high, no low, no great, no small;
He fills, he bounds, connects, and equals all.

(Alex: Pope)

نسیم سحری میں تر و تازہ ہوتی ہے۔ تاروں میں چمکتی ہے۔ اور درختوں میں بطور کلیوں کے
کھلتی ہے۔ تمام زندگی (یا زندہ چیزوں) میں وہ بطور زندگی کے رہتی ہے (یا زندہ ہے)
اور تمام وسعت میں وہ پھیلی ہوئی (پھیلاوٹ ہو رہی) ہے۔ غیر منقسم ہوئی وہ پھیلتی ہے اور
بغیر ضائع ہوئے وہ عمل کرتی ہے۔ ہماری آتما غیر فانی۔ اعلیٰ زندگی میں وہ سانس
لیتی ہے (یعنی اپنا دم پھونکتی ہے) اور ہمارے فانی حصہ (جسم) میں وہ جان ڈالتی ہے
بال میں بھی اتنی ہی بھرپور (پورن) و کامل ہے جتنی کہ ہمارے دل میں۔ بد سرشت آدمی
جو ماتم کرتا رہتا ہے اس میں بھی ویسی ہی کامل و بھرپور ہے جیسی کہ ایک بیخود (خوش)
فرشتہ میں جو عبادت و سجدہ کرتا رہتا اور (عشق میں) جلتا رہتا ہے۔ اس (پورن آتما) کی نگاہ
میں نہ کوئی اعلیٰ ہے نہ ادنیٰ۔ نہ بڑا ہے نہ چھوٹا۔ وہ سب کو پُر (پورن) کرتی ہے۔ مقید کرتی
(یا خود اچھلتی و بکھرتی) ہے۔ سب کو ملاتی (جوڑتی) ہے اور سب کو یکساں (ہموار) کرتی ہے ؂

امر مذکورۂ بالا کو ہم کنایت ذیل سے تعبیر کرینگے:۔

پھول = گن پھول + ا

{ رمز گن پھول سے مراد ہے وہ گن یا اوصاف جن کی بدولت 'پھول' نام دیا جاتا ہے۔ اور ا سے مراد ہے چینن (ذاتِ مطلق)، جو گنوں سے پرے ہے }

وہ آم کا پھل نظر آ رہا ہے ۔ یہ گلاب کے پھول سے کیوں مختلف ہے؟

بباعث اپنے گنوں کے۔ پھل کے اوصاف اَور ہیں۔ پھول کے اَور ۔ پھول سونگھنے کی چیز ہے۔ پھل کھانے (یا چوسنے) کی۔ رنگت میں۔ شکل میں۔ نام میں۔ لطافت یا کثافت میں۔ تاثیروں میں اور استعمال میں تفاوت ہے۔ اِس لئے پھل اور پھول دونوں ایک ہی نہیں کہلا سکتے ۔ فی الجملہ باعثِ تفریق علیحدہ پن صفات (differentiation) (گن نام روپ) ہیں جو کہ ری ایکشن منجانبِ محسوس کنندہ کا نتیجہ ہیں ۔ کیا پھول کی حقیقی ہستی چینن موجب ایکشن سے (جو پھول کے گنوں سے پرے ہے) پھل کی حقیقی ہستی چینن موجبِ ایکشن سے (جو پھل کے گنوں سے پرے ہے) اختلاف نہیں رکھتی؟

ویدانت کا یہ جواب ہے کہ پھول کی ذاتِ اصلی اور پھل کی ذاتِ اصلی میں کوئی فرق نہیں ۔ جیسے انگوٹھی اور کنگن میں تفاوت صرف صفات کی وجہ سے ہے۔ ذات (سونا) میں کچھ اختلاف نہیں ۔ انگوٹھی انگلی میں پہنی جائے گی۔ کنگن کلائی میں۔ دونوں کے اشکال اور طرح وضع الگ الگ ہیں۔ لیکن ہیں دونوں

سونا واحد ۔ تو بیسے ایک ہی ذاتِ مطلق چینن (ا) گلاب کی حقیقی ہستی ہے۔ و نیز آم کی ماہیت اصلی ہے ۔ پس از رُوئے ویدانت آم کی مساوات کتابتِ مذکورۂ بالا کے مطابق حسبِ ذیل ہوگی ۔

آم کا پھل = گُن + ا
پھل

{ گُن سے مراد ہے وہ صفات مثل مٹھاس زرد رنگت مدوّر شکل
پھل
وغیرہ جو اِس پھل کو دُنیا کی تمام دیگر اشیاء سے ممتحب۔ نیارا کرتی ہیں ۔ یہ بھی یاد رہے کہ جملہ صفات محسوس کنندہ کے ری ایکشن کا نتیجہ ہی ہوتی ہیں }

اگر آم کے پھل کی حقیقی ہستی (ا) کو گلاب کے پھول کی حقیقی ہستی سے ابھید (ایکی) ماننے میں عُذر ہو۔ تو لیجئے اِسے اَ سے تعبیر نہیں کر لیجئے۔ اُسے اِس کا نرالا پن جتلائیں گے ۔ اس صُورت میں آم کی مساوات حسب ذیل ہوگی ۔

آمب کا پھل = گُن + اَ
پھل

علیٰ ہٰذا مصری کو مصری قرار دینے والے۔ مُستعار گنوں (گُن) سے پرے جو مصری کی ذات ہے۔ اُسے پھول اور پھل کی ذات سے جُدا اُ ماننے پر مصری کی مساوات حسب ذیل ہوگی۔

مصری = گُن + اُ
م

نوٹ :۔ گنوں کے مُستعار ہونے کے بارے میں چند حروف اور لکھ دینا مناسب ہے ۔ مصری کا (سب سے بڑا گُن) میٹھاپن کھانے والے کی حالت پر موقوف ہے۔ چنانچہ بعض حالتوں میں مصری

اِس حساب سے اَ - اَ - اَ - اَ وغیرہ سے تعبیر شُدہ چیتن (ذات مُطلق) لاتعداد قرار پاتے ہیں - اور مختلف ماننے پڑتے ہیں ٭
لیکن چیتن (ذاتِ مُطلق - ماہیت اصلی) کو گُنوں سے پرے (مبترا از اوصاف) تسلیم کرچکے ہیں ٭

نیز امر طے شُدہ ہے کہ اختلاف کا موجب صرف اوصاف دگُن) ہوتے ہیں ٭ گُنوں ہی کے مُقابلے سے تفریق دبھید) کا پتہ لگتا ہے ٭ کیونکہ مُقابلہ کرنا اور اشیاء کے اختلاف کو قائم یا تسلیم کرنا بُدھی یا تمیز کا کام ہے اور بُدھی یا تمیز کی دَوڑ گُنوں سے پرے نہیں ٭

کڑوی لگتی ہے ٭ وہ آئینہ جو آدمی کے لئے صاف شفاف ہے چیونٹی کی آنکھ کو گردا ہی گردا نظر آتا ہے - جہاں آدمی کے واسطے پتہ لگانا ناممکن ہوتا ہے - بُودار سگ جھٹ شکار کو سُونگھ لیتا ہے ٭ چیونٹیاں آنے والی بارش کو جان جاتی ہیں - انڈے مُنہ میں لئے دَوڑتی جاتی نظر آتی ہیں ٭ کسی شئے کی جسامت اور طُول و عرض جسے آدمی کچھ تصور کرتا ہے اُلّو کی آنکھ اسے کچھ اور ہی ٹھانتی ہے - مینڈک کی آنکھ یہ شہادت دیتی ہے کہ پانی میں تو سب اشیا صاف صاف ہوتی ہیں - پر پانی کے باہر سب پر دُھندلاپن چھا رہا ہے ٭ جو چیزیں ہم اشخاص کو سفید سفید نظر آتی ہیں - بعض حالتوں میں بعض

پس چیتن جو گُنوں سے پرے ہے اختلاف و تفریق کے احاطہ میں نہیں۔ اِس لئے چیتن مختلف نہیں ہو سکتے۔ اور جب چیتن میں اختلاف کو راہ نہیں تو لاتعداد ہونا یعنی چہ ؟

لیکن فرضِ بالا رموزِ ا- اَ- اُ- اِ- آ- وغیرہ سے مختلف اجسام میں مختلف چیتن قرار دیتا ہے۔ یعنی ایک لغو نتیجہ تک پہنچاتا ہے ÷ پس فرض بالا غلط ہے۔ یعنی آم کے نام رُوپ (اوصاف) میں جو (ست چت آنند) چیتن سنسرگ کر رہا ہے۔ اُسے اَ سے تعبیر کر کے پھر مصری کے نام رُوپ (اوصاف) میں جو چیتن (اُ) سنسرگ کر رہا ہے اُسے آ چیتن سے مختلف قرار دینا اور بھنورا (اِ) شیر (آ) گنگا

کو پیلی پیلی دکھائی دیتی ہیں ÷ والدین کو کواڑ دیوار چارپائی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ننھا بچہ کچھ محسوس نہیں کرتا۔ خواہ اُس کی آنکھیں کھُلی ہوں۔ اور جاگ رہا ہو ÷ آنکھوں کی ساخت اور بناوٹ اگر خوردبین۔ دُوربین۔ کیلائڈ اسکوپ (Kaleidoscope) یا Look and laugh (دیکھو اور ہنسو کھلونا) کے اُصول پر ہو تو دُنیا بالکل اور کی اور ہو جائے۔ کانوں کی ساخت میں ذراسی ردّ و بدل سماع کا نقشہ ہی پلٹ دے ÷ جہاں کیڑی سے بڑھتے بڑھتے آدمی تک ایوولیوشن (ارتقاء) ہوا ہے تو کیا معلوم آیندہ کو کسی ایسے طرح ایوولیوشن (صعود) کا دَور آجائے کہ آدمیوں کے حواس اور دماغ الٹ پلٹ کر نئے رنگ ڈھنگ محسوس کرنے لگیں۔ اِن نظائر سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اشیا کے گُن (اوصاف) حقیقی نہیں ہوتے۔ بلکہ محسوس کنندہ

(آ) وغیرہ میں الگ الگ چیتن ماننا بالکل بیجا ہے ۔ ایک ہی چیتن ۔ گلاب میں ۔ آم میں ۔ مصری میں ۔ بھنورا ۔ شیر ۔ گنگا وغیرہ میں جلوہ فرما ہے ۔ متمیزہ ڈیشین ا پر ڈالنی ناروا ہیں

۵ ا = آ = اً = ا″ = (آ = آ = ...

सर्वं खलु इदं ब्रह्म ॥ [لھ] (سام وید چھاندوگیہ اپنشد پرپاٹھک ۳ کھنڈ ۱۴ منتر ۱)

एकस्तथा सर्वभूतान्तरात्मा रूपं रूपं प्रतिरूपो [لھ]
बहिश्च ॥ (یجروید کٹھ اپنشد ولی ۵ ادھیائے پہلا منتر ۹)

پر موقوف ہوتے ہیں ۔ اور اُن کی نمود محسوس کنندہ کی سراسر محتاج ہے ۔ }

مختلف اشیاء میں ذاتِ حقیقی کو مختلف ماننے پر ہر ایک پدارتھ (شے) کے لئے ایک نئی مساوات ہوگی ۔

بھنورا = گن + آ

شیر = گن + آ

گنگا = گن + آ

ہمالیہ = گن + آ

قلم = گن + آ

....

....

لھ یہ سب (نام روپ جگت) برہم ہی ہے ۔ لھ جیسے آگ سب سنسار میں داخل ہو کر نانا روپ پرکٹ ہو جاتی ہے) ویسے ہی ایک آتما (ذاتِ حقیقی) سب اسماء و اشکال کے اندر محیط ہوا ہر ایک نام روپ میں ہو کر باہر پرکٹ ہوا ہے ۔

ایک ہی گیلی میں ترکھان چار جوڑی کواڑ تیار کرنے کا اندازہ لگاتا ہے۔ اگر میزیں بنانی منظور ہوں تو اسی گیلی میں تین میزوں کا اسٹیمیٹ (تخمینہ) نکالتا ہے۔ ترکھان کے ذہن میں نو کرسیاں اسی گیلی سے برآمد ہوتی ہیں۔ اسی گیلی سے چھ بنچ نکل آتے ہیں ۔ اسی گیلی میں ۱۵ اسٹول متصور ہوتے ہیں۔ اسی گیلی میں دو تخت پوش پائے جاتے ہیں۔ اور چیرنے پھاڑنے کے بغیر اسی گیلی میں بارہ بلیک بورڈ نظر آتے ہیں۔ ویسے ایک ہی برہم (چیتن) روپی گیلی۔ جس میں ازروئے حقیقت کوئی کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اشکال گوناگوں و الوانِ بوقلموں کا ماخذ ہے ۔
پھر جیسے ایک ہی سفید کاغذ پر اپنے دِل میں مصوّر کبھی رام کی کبھی کرشن کی کبھی چشمۂ ویری ناگ کی۔ کبھی برندابن کی۔ کبھی کاشی کی تصاویر کھینچ رہا ہو۔ اور اسی سفید کاغذ پر ریاضی داں اپنے ذہن میں مثلثیں۔ مربعے۔ دائرے۔ بیضوی بعید البیضوی وغیرہ اشکال پڑا مرتسم کر رہا ہو۔ اور اسی سفید کاغذ پر کوئی اور شخص مردم شماری اور خانہ شماری کی جدول بنا رہا ہو۔ ویسے ایک ہی چیتن (برہم) ذاتِ واحد میں بیکنٹھ باسی اپنے بہشت و رضوان کے رنگا رنگ نقشے جما رہا ہے۔ اور اسی چیتن (برہم) ذاتِ واحد میں دنیا کا باشندہ اشکالِ گوناگوں کا تصوّر باندھ رہا ہے۔ اور اسی چیتن (برہم) ذاتِ واحد میں دوزخی اپنے جہنّم کی آتش سوزاں دیکھ رہا ہے ۔
مختلف مذاہب میں بہت سی ایسی روایتیں چلی آتی ہیں کہ وہ اشخاص جو حد سے پرے نیک ہو گئے۔ پرلے درجے کے پاکیزہ بن گئے۔ دنیوی خواہشات و تعلقاتِ جسمانی سے سراسر آزاد ہو گئے۔ غضب کے شدھ ہر گئے مطلقاً اور کے اَور ہو گئے۔ وہ دفعتہً سورگ (بہشت) کو چڑھائے گئے ۔ عام

طور پر ایسی روایتیں خواہ غلط ہوں۔ لیکن ازروئے ویدانت نا ممکنات سے نہیں ہیں ۔ سورگ کو چڑھ جانے کے یہ معنی ہیں کہ اُنکے باطن میں اسقدر تبدیلی واقع ہوگئی کہ سفید کاغذ روُپی چیتن میں بجائے اشکال ریاضیہ (یہ دُنیا) دیکھنے کے تصاویر دلکش (بیکنٹھ) بہشت) دیکھنے لگے۔ اور نیز اپنے جسم کو بندہ دیکھنے کے بجائے دیوتا کا جسم پایا ۔

پر یہ دُنیا دیکھی تو کیا اور نرک سورگ دیکھے تو کیا۔ اصل حقیقت نہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ جتنی دوئیت یا کثرت اور اختلاف بینی ہے ازروئے حقیقت بے بُنیاد ہے ۔

"متھیا" کس کو کہتے ہیں؟ جو چیز نظر تو آئے لیکن جب اُس کے محل کو دیکھا جائے تو نہ رہے۔ جیسے چاندی جو سیپ میں نظر آتی ہے سیپ (محل) کو دیکھنے پر نہیں رہتی۔ یا سانپ جو رسّی میں نظر آتا ہے رسّی (محل) کو دیکھنے ہی نہیں رہتا ۔ پس بالفاظ بیدانت شاستر متھیا وُہ ہے جو اپنے محل میں اتینت ابھاؤ کا پرتیوگی ہو" ۔

सर्वेषामपि भावनामाश्रयत्वेन सम्मते।

प्रतियोगित्वमत्यन्ताभावं प्रतिमृषात्मता ॥११॥

अंशिनः स्वांशगात्यन्ताभावस्य प्रतियोगिनः।

अंशित्वादितरांशीव दिगेषैव गुणादिषु ॥१२॥ {چت سُکھی}

ترجمہ (۱۱) دُنیا کی جملہ اشیاء کے لئے محل (آسرے) کا ہونا ضروری ہے لیکن ہر شے کے اپنے محل میں اُس شے کا اتینت ابھاؤ (عدم کلّی) پایا جاتا ہے۔ پس اشیائے عالم کا وجود اصل محل میں اُن کے عدم مطلق کا پرتیوگی (عکس۔ ضد) ہے ۔ اور یہی ہے

چیزوں کا مِتّھیا یعنی نمُود بے بُود ہونا ÷

تفسیر:۔ عام نگاہ سے کنگن کا محل (آشرے) سونا ہے۔ جامہ کا آشرے ریسمان ہے۔ وغیرہ ÷ جامہ کے مِتّھا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس محل (یعنی سُوت) میں موجُود ہونے کا جامہ کو دعوےٰ ہے۔ اُس محل یعنی سُوت کا تار تار پُکار رہا ہے کہ مجھ میں جامہ ندارد ہے ÷

نگاہِ زرگر سے جو کنگن موجود ہے اُس کا محل سونا ہے۔ لیکن نگاہِ صرّاف کہتی ہے کہ۔ رُوئے زر کبھی کنگن ہُؤا ہی نہیں ÷

اب جامہ وغیرہ کا وجُود اپنے محل (ریسمان) کے بغیر اور کہیں ہرگز متصوّر نہیں ہو سکتا (اِس بات سے انکار کرنا ایسا ہے جیسے دوات کا ہاتھی ہو جانا قبول کر بیٹھنا ÷

نیز جامہ وغیرہ کے ہر محل (مثل تار ہائے ریسمان۔ زر) کی ہستی اُن اشیاء کو اپنے میں ہرگز پناہ نہیں دیتی ÷ پس اشیاء کی نمُود کا بے بُنیاد (مِتّھیا) ہونا لازم آتا ہے۔ اور اِس نتیجہ سے کسی طرح گُریز نہیں ہو سکتا۔ اگر روٹی نہ کھائی جائے تو پیٹ پر باندھنی ہوگی ÷

اُوپر دِکھا آئے ہیں کہ سنسار کی تمام چیزوں کا حقیقی محل (آشرے) ایک برہم ہی برہم ہے۔ جس کو ا سے تعبیر کیا جا چُکا ہے۔ اِس برہم کو تمام گُنوں کا محل اور تمام چیزوں کا اودِشٹان کیُوں کہا گیا تھا؟ حسب اقتضائے اشیاء عالم ÷

ورنہ از رُوئے ذات واحد (برہم) محل (آشرے) ہونا ہوانا یعنی چہ؟

(ا) برہم کو نرگُن (بری از صفات) تسلیم کیا گیا تھا ÷ جب برہم میں گُنوں کا دخل ہی نہیں تو محل (آشرے) ہونے کا گُن بھی اُس میں

کیوں ؟ برہم کا رُوپ۔ ریکھ۔ لیکھ نہیں۔ اُس کا اکار نہیں اور اُس میں کوئی راہ نہیں۔ کوئی سوراخ (چھدر) نہیں تو دُنیا اُس میں کدھر سے گھس سکتی ہے ؟ جگت کی اُس میں گنجایش کہاں ؟

جُملہ اسماء و اشکال (اشیاے عالَم مجمُوعہ ہائے صفات) اِدھر تو بغیر محل (آشرے) کے رہ نہیں سکتے۔ اور اُدھر محل (آشرے - برہم) غیر کو ہرگز پناہ نہیں دیتا ٭ اِدھر تو تیز دُھوپ اور آبِ شمشیر خلق تر کرنے کو کھڑے ہیں۔ اور اُدھر چُوہے مَشکیں کُتر گئے ہیں۔ آخر نام رُوپ سنسار کو العطش العطش کہتے ہُوئے متھیا پن کے کربلا میں کھیت رہ جانا (متھیا ہو جانا) لازم آتا ہے ٭

حریص آدمی سیپ کو چاندی پڑا دیکھے۔ ڈرپوک شخص رسن کو سانپ پڑا کہے۔ پر سیپ چاندی کو اور رسن سانپ کو اپنے بیچ میں کب گھُسنے دیتے ہیں ٭ رام (ذاتِ باری) میں دُنیا و مافیہا کو دخل دخل چہ معنی ؟

مطلب شلوک (۱۴) جو چیزیں اجزاء سے مُرکب ہیں۔ (اور اجزاے مُرکب دُنیا میں کیا نہیں ہے ؟) پرتیوگی (ضد) ہیں اپنے اتینت ابھاؤ (عدم محض) کی جو اُن کے محل (اجزا) میں ہے ٭ جتنی تجزیہ پذیر اشیاء کا امتحان کرو گے۔ اُن کا یہی حال پاؤ گے۔ پس سب کی سب چیزوں کا متھیا ہونا ظاہر ہے ٭

تشبیہ :- زمین ذرا ذرا سے ذرّوں سے مُرکب ہے۔ پانی ننھے قطروں کا بنا ہوتا ہے۔ وقت (ٹایم) سکینڈ۔ پَل وغیرہ اجزا سے بنتا ہے۔ طاقت (Force) ہمیشہ اپنے بے تعداد اجزاے منفصلہ

(components) کا حاصل (resultants) یا مُرکب ہوتی ہے۔

دُوسے شئے شک مت کا یہ سِدّھانت (مقولہ) ظاہراً تمام موجودات پر حاوی ہے ۔ ویدانت کا اِس میں یہ ارشاد ہے "مانا کہ تمام اشیاء کا علے الظاہر آشرے (آدھار۔ محل) اُن کے اجزا ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ از رُوئے محل محاوُل کبھی ہُوا ہی نہیں" ۔

(۱) برف پگھلی۔ پانی بن گیا۔ پانی سے بھاپ بن گئی۔ اِلّا باعتبار محل یعنی H_2O (ہیڈ روجن + آکسیجن) نہ برف تھی۔ نہ پانی اور نہ بھاپ۔ H_2O (ہیڈ روجن + آکسیجن کا مُرکب) جوں کا تُوں ہُو بہو بنا رہا۔ تبدلات (پریِنام) صرف اسم و شکل (مایا) میں واقع ہُوئے ۔

(۲) ہیرا۔ صاف و شفاف۔ غضب کی چمک دمک۔ بَلا کی آب و تاب۔ پرلے درجے کا سخت۔ کمیاب۔ قیمتی ۔ ایک مرتبہ کوہِ نُور کی قیمت آدھی دُنیا کی دَولت پڑی تھی ۔

گرے فائٹ۔ کوئلہ اور چراغ کا کاجل۔ بلا کے کالے اور ایسے نرم کہ کاغذ وغیرہ پر اپنا نشان چھوڑ دیں۔ سب جگہ بکثرت موجود اور مُفت کے بھاؤ دستیاب ۔

سائینس دکھاتا ہے کہ باعتبارِ اصل یہ متضاد اوصاف (دھرم) والی چیزیں بالکل ایکی ہیں۔ ایک ہی کاربن ہیں ۔ اگر ایک ہی ہیں تو اِن میں متغیر کرنے والے اختلافات کہاں سے آئے؟ صرف اجزاء کی لگاوٹ۔ بناوٹ۔ ساخت شکل (Form مایا) کی بدولت ۔ Form (مایا۔ شکل) عجب آفت انگیز ہے۔ جو ایک ہی کاربن کو اِدھر ہیرا اور اُدھر کوئلہ کر دکھاتی ہے ۔

(۳) ڈاکٹر پال کیرس کی ایک مثال اس مایا کی ساری مایا کھول دیتی ہے
فرض کرو ہمارے پاس کاغذ یا لکڑی کی بنی ہوئی ایک مستطیل
(۵×۳) ہے اور دو ایک جیسی مساوی الساقین تکونیں ہیں جن کے
قاعدے ۵ ہیں اور برابر ضلعے ۳ ہیں ؛
مستطیل کے دونوں جانب مثلثوں کو اس طرح لگاؤ کہ مستطیل
کے بڑے ضلعوں پر مثلثوں کے قاعدے منطبق ہو جائیں۔ ایسا
کرنے سے ایک مسدس بن جائیگی۔ جس کا ہر ایک ضلع ۳ ہے ؛
مستطیل بہ حیثیت مستطیل مفقود ہو گیا۔ اور مثلثیں بہ حیثیت مثلثوں
کے نہ رہیں۔ ایک نئی شکل ظاہر ہوئی۔ ایک مسدس حاصل ہوئی
جو اپنے اجزا (مستطیل اور مثلثوں) کے خواص کھو بیٹھی ہے۔ اور ایسے
گن رکھتی ہے۔ جو اُس کے اجزاء (مستطیل اور مثلثوں) میں موجود
نہ تھے ؛
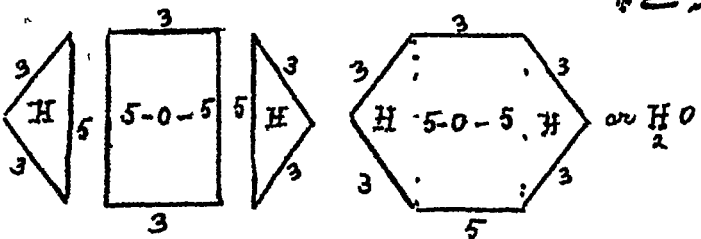
مثلثوں کے اور مستطیل کے لمبے ضلعے ۵ موجودہ مسدس میں بالکل
ندارد ہیں ؛ مسدس چھ منفرجہ زاویئے (obtuse) رکھتی ہے
حالانکہ مثلثوں میں دو دو حادے زاویئے (acute) پائے جاتے
تھے۔ اور مستطیل میں چار قائمے ؛ نہ تو مثلثیں متساوی الاضلاع
تھیں اور نہ مستطیل۔ لیکن مسدس متساوی الاضلاع ہے ؛۔

(۴) ہیڈروجن کے اوصاف اور ہیں۔ آکسیجن کے اور۔ لیکن اُن عناصر سے مُرکّب پانی بالکُل الگ تھلگ ہے۔ چیز ہی نرالی ہے یہ نرالا پن یہ انوکھاپن (بجتر تا) کہاں سے آئی؟ صرف شکل (Form - ایا) سے بعض کا خیال ہے کہ مُرکّب کے خواص (گن)، پہلے کسی نہ کسی مخفی رُوپ سے آشرے (محل) میں ضرور موجود رہتے ہیں۔ لیکن مندرجۂ بالا ہندسیہ مثال اِس خیال کی صاف تردید کرتی ہے۔ مستاین ایک مُطلق نئی شکل ہے جو نہ تو اپنے اِس جزو میں مخفی تھی۔ اور نہ اُس جزو میں چھپی بیٹھی تھی ؛

پس مجملہ عالم صرف نام رُوپ کا کھیل ہے اور سب کے حقیقی آشرے (برہم) میں نِشٹھا (قیام) ہُوئے پر تو جگت وگت نہ کبھی ہُوا تھا۔ نہ ہے نہ ہوگا ؛

سہ آپ ہی آپ ہُوں یاں غیر کا کچھ کام نہیں
ذاتِ مُطلق میں مِری شکل نہیں نام نہیں

भेदोऽयं भिन्नधर्मा प्रतिभटविषय ज्ञानजन्मा न वस्तो
धर्म्यादेर्भेदसिद्धः पुनरपि च तथेत्यापतेच्चानवस्था।

"سوراجیہ سِدھی" من تصنیف وارتک کار سُریشور آچاریہ (منڈن مِشر)

ترجمہ:- اشیاء کی باہمی تمیز (اختلاف) تو تب پیدا ہوتی ہے جب اُن کا آپس میں مقابلہ کیا جائے ؛ لیکن آپس میں مُقابلہ تب ہو سکتا ہے جب اُن چیزوں میں پہلے اختلاف اور تمیز ہو ؛ اِسی طرح یہ اختلاف اور تمیز مقابلہ کا نتیجہ ہے۔ اور مقابلہ پھر اختلاف اور تمیز کے ما بعد آتا ہے ؛ یہ چکّر (انوستھا دوش)، کثرت (دوئیت) کو محیط کئے ہُوئے ہے

گوبند پاو آچاریہ:-

उत्तमादीनि पुष्पानि वर्तन्ते सूत्रके यथा।
उत्तमाद्यास्तथा देहा वर्तन्ते मयि सर्व्वगे॥

ترجمہ:- جیسے ایک تاگے میں اعلےٰ اوسط اور ادنیٰ درجوں کے پھول پروئے ہوئے ہیں۔ ویسے سب میں سمانے والے مجھ (آتما) میں اعلےٰ اوسط اور ادنےٰ ابدان منسلک ہیں ؛

यथा न सम्प्रृशेत् सूत्रं पुष्पानामुत्तमादिता।
तथा नैकं सर्व्वगं मां देहानामुत्तमादिता॥

ترجمہ:- جیسے پھولوں کا اعلےٰ پن۔ اوسط پن اور ادنےٰ پن تار پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ ویسے اجسام کا اعلےٰ اوسط اور ادنےٰ پن مجھ واحد کُل شئے محیط آتما کا ذرا بگاڑ نہیں کر سکتا ؛

पुष्पेषु तेषु नष्टेषु यद्वत् सूत्रं न नश्यति।
तथा देहेषु नष्टेषु नैव नश्यामि सर्व्वगः॥

ترجمہ:- جیسے اُن تمام پھولوں کے برباد ہو جانے پر تار کو کچھ نقصان نہیں۔ ویسے جسموں کے نیست ہو جانے سے مجھ حاضر و ناظر آتما کو ذرا ضرر نہیں پہنچتا ؛

رکیہ کردا ہی رکیہ کردا ؛ کوئی پچھو کھاں دلبر رکیہ کردا

اِکسے گھر وچ وسدیاں رسدیاں۔ نہیں ہوندا وچ پردا ؛ رکیہ کردا ہی رکیہ کردا۔الخ
وچ مسیت نماز گذارے۔ بُت خانے جا وڑدا ؛ رکی کردا ہی کی کردا۔الخ
آپ اِکو کئی لاکھ گھراں وچ۔ مالک ہے گھر گھر دا ؛ رکی کردا ہی کی کردا۔الخ
میں جتول دیکھاں اُتول توہیں۔ ہر اک دی سنگت کردا ؛ رکی کردا ہی کی کردا۔الخ

موسے اپنے فرعون بنا کے ۔ دو ہو کے کیوں لڑدا ۔ ٭ کی کروا ئی کی کروا ئی

پُھٹّا رہیا وچ ہر ہر گھر دے ۔ کُھلّی پھرے لوکائی ہے ٭ کی کردا بے پرواہی ہے

I looked above and in all spaces saw but one, له
I looked below and in all billows saw but one;
I looked unto its heart, it was a sea of worlds;
A space of dreams all full, & in the dreams but one.
Earth, air, & fire and water in thy fear dissolve,
Ere they ascend to thee, they trembling blend in one.
The heavens shall dust become, & dust be heaven again,
Yet shall the one remain and one my life with thine.

ایک فقیر کی گُدڑی (कन्था) چوری ہو گئی ۔ کِس نے چرائی ؟
کون چور پکڑا ؟ ایک کانسٹیبل ۔ (شاید امتحان کے لئے چرا لی ہو گی)

له میں نے اوپر نگاہ اُٹھا کر دیکھا اور تمام خلا (آکاش) میں مجھے ایک ہی دِکھائی دیا ۔ میں نے نیچے نظر کی اور تمام موجوں میں ایک ہی نظر آیا ۔ میں نے اُس کے دِل میں (یعنی اندر) دیکھا ۔ اُس میں دُنیائیں بھری ہُوئی تھیں ۔ اور ایک خلا خوابوں سے بھرپور اُس میں پایا ۔ اور اُن خوابوں میں سوائے ایک کے اور کوئی نہ تھا دیا اور کوئی نظر نہ آیا) ٭ اے پیارے ! خاک ۔ باد ۔ آتش و آب تیرے ڈر کے مارے پِگھل جاتے ہیں ۔ اور تُجھ تک صعود کرنے (پہنچنے) سے پہلے کانپتے ہُوئے ایک میں مِل جاتے ہیں ٭ آسمان خاک ہو جائیں گے ۔ اور خاک آسمان ہو جائے گی تاہم وہ ایک ویسا ہی رہے گا اور میری زندگی تیرے ساتھ ایک ہو گی ٭

پاسبان ہی چور بن گیا (نہ معلوم کس خیال سے) *

فقیر پولیس سٹیشن (تھانہ) کے کہیں آس پاس ہی رہتا تھا۔ موقع میں آکر رپورٹ لکھوانے گیا * لٹ گیا! لٹ گیا!! غریب لٹ گیا!!!

مالِ مسروقہ کی رپورٹ

تھانہ دار :۔ تمہارا کیا کیا کھویا گیا ہے ؟

فقیر :۔ سب کچھ * ایک تو رضائی گم ہو گئی ہے

تھانہ دار :۔ اور کیا ؟ فقیر :۔ بچھونا

" اور کیا ؟ " چادر

" اور کیا ؟ " کوٹ اور انگرکھا

" اور کیا ؟ " تکیہ

" اور کیا ؟ " آسن

" کچھ اور ؟ " ہاں چھڑی بھی جاتی رہی ہے

تھانہ دار :۔ بس اتنا ہی۔ کچھ اور تو نہیں ؟

فقیر :۔ حضور تہ بند (دھوتی) بھی چوری ہو گیا۔

تھانہ دار :۔ خوب یاد کر لے۔

فقیر :۔ اور............ اور....................

وہ کانسٹیبل جس نے چوری کی تھی پاس ہی کھڑا ہوا تھا مالِ مسروقہ کی اتنی لمبی فہرست سن کر بے اختیار ہنس پڑا۔ اور گالی دے کر بولا :۔ "اور اور اور بولے جاتا ہے! تیرا مالِ مسروقہ بس بھی ہو گا کہ نہیں ؟ تیری جھونپڑی ہے کہ سوداگر کی کوٹھی ؟ اتنا اسباب آ کہاں سے گیا ؟"

یہ کہکر پولیس مین دکانسٹیبل، فقیر کی گُدڑی اُٹھا لایا اور تھانہ دار کی طرف مُخاطب ہو کر کہا:۔"حضُور! بس اتنا تو اِس کا کُل مال مسروقہ ہے۔ اور اِس نے درجن چیزیں گِن ماریں" ٭

تھانہ دار دفقیر کو):۔کیا تُو پہچان سکتا ہے؟ یہ گُدڑی تیری ہے؟

فقیر:۔"ہاں میری ہے۔ اور کِس کی؟"

اتنا کہا اور جھٹ پٹ گُدڑی کندھے پر ڈال تھانہ سے باہر دوڑ چلا ٭

تھانہ دار نے سپاہیوں کو حُکم دیا۔ اِسے فوراً گرفتار کرلو۔ جانے نپائے ٭ اور فقیر کو دھمکا کر کہا " تیرا چالان ہوگا۔ تُو نے جھوٹی رپورٹ کیُوں لِکھوائی؟ ہم کو دھوکا دینا چاہا؟"

فقیر جو فکرِ جسم و جان اور بندِ کُفر و ایمان سے بالکل آزاد تھا۔ گرفتارِ بیم و رجا دتھانہ دار) کی تُرشروئی کو کیا سمجھتا تھا۔ تبسّم کُناں جواب دیا کہ "ہم جھوٹ بولنے والے نہیں ہیں"

یہ کہا اور اُسی گُدڑی کو اُوپر اوڑھ کر بتایا۔ "یہ دیکھو میری رضائی" ٭ اُسی گُدڑی کو نیچے بچھاکر بتایا۔ یہ دیکھو میرا بچھونا ٭ دُھوپ میں وُہی گُدڑی سر پر رکھ کر کہا۔ یہ دیکھو چھتری ٭ گُدڑی کو تہ کرکے زمین پر ڈالا اور اُوپر بیٹھ کر کہا۔ یہ دیکھو آسن وغیرہ۔

وُہ شخص جس نے پُشتِ پناہ و تکیہ گاہِ عالم دبرہم) کو جانا ہے۔ اُس کا تو سبھی کچھ برہم ہی برہم ہو گیا۔ خویش و اقارب ہیں تو برہم۔ حاکم و محکُوم ہیں تو برہم۔ محبّت کرنے والے یا عداوت رکھنے والے ہیں تو برہم۔ ماتا بہن بھائی ہیں تو برہم۔ اُس کے باغ

و گلزار برہم۔ اُس کے قلم و تلوار برہم ۔ اُس کے لئے تو برہم ہی فقیر کی گدڑی ہے۔ سارا گھر بار جائداد برہم ہے ۔ ع اپنی تو سحر ہے یہی اور شام یہی ہے ۔

ع لب ساقی مرا ہم جام و ہم نقل ست و ہم بادہ [1]

(۱) تیں بن میرا سگا نہ کوئی	آتا بابل بھین نہ بھائی
پیارے تیں کر بھتی ہوئی	تیرا عشق میری دلجوئی

میں وچ میں نہ رہ گئی رائی
جب کی پیارے سنگ پریت لگائی

(۲) کدے جا آسمانے بہندے ہو	کدے اس جگ دے دکھ سہندے ہو
کدے پیر مغاں ہو بہندے ہو	میں تاں اِکسے ناچ نچائی

میں وچ میں نہ رہ گئی رائی
جد کی پیا سنگ پریت لگائی

(بیبا فقیر لاپرواہ گدائے شاہنشاہ اپنے تجربہ سے تصدیق کرتا ہے کہ ایک ہی ذاتِ مطلق ہر رنگ میں نمودار ہو رہی ہے۔ وہی سورج بن کر چمکتا ہے۔ وہی بحرِ ظلمات بن اُچھلتا ہے۔ گل میں۔ خار میں۔ طوطی و بلبل کی منقار میں۔ آب میں۔ غار میں۔ شہر میں۔ صحرا میں۔ ہر مکان میں۔ ہر زماں میں ایک ہی ذاتِ مطلق بلا تجزیہ و تقسیم جلوہ گستاں ہے ۔ اُس ایک ہی اِندر جالی (مداری) کے پٹار (تھیلے) میں سے ہر شئے برآمد ہو رہی ہے ۔

सप्त द्वारवकीर्णां च न वाच मनृतां वदेत् (منوسمرتی ادھیائے ۶)

مطلب:۔ اِس عرفان والا پانچوں حواس اور من بدھی (ان سات‌وں

---

[1] ساقی (مستی کی شراب پلانے والا) کا ہونٹ جو ہے وہی میرا پیالہ نقل و شراب ہے ۔

دروازوں) سے راستی (حق۔ برہم) کے بغیر کچھ بیوہار نہیں کرتا۔ یعنی دیکھتا ہے تو برہم۔ سُنتا ہے تو برہم۔ سونگھتا ہے تو برہم۔ جو کچھ چھُوتا ہے اُس کو برہم ہی جانتا ہے۔ جو کچھ چکھتا ہے اُسے برہم ہی پہچانتا ہے۔ سوچتا ہے تو برہم۔ سمجھتا ہے تو برہم"۔ ؛

سے کھانڈ کا کُتا گدھا چوہا بلا + مُنہ میں ڈالو ذائقہ ہے کھانڈ کا

گیان وان کھانڈ ہی سے بیوہار رکھتا ہے۔ کُتا۔ گدھا۔ چوہا۔ بلا۔ وغیرہ اسماء و اشکال سے جنگ و جدل نہیں رکھتا ؛

غایت درجہ کی نظر فریب (optical illusions) اور عجیب و غریب تصاویر دیکھنے سُننے میں آئیں :۔

(۱) دائیں رُخ سے دیکھو تو راجہ صاحب ہاتھی پر سوار جا رہے ہیں۔ بائیں پہلو سے ملاحظہ کرو تو گھوڑے کی لگام پکڑے سائیس کھڑا ہے۔ طُرفہ یہ کہ تصویر ایک ہی ؛

(۲) تصویر کمرے میں لٹک رہی ہے۔ لیکن خُوبی یہ کہ سارے کمرے میں کوئی خواہ کہیں کھڑا ہو۔ یہی یقین ہو گا کہ مجھ سے آنکھ لڑا رہی ہے۔ مجھ سے ہم چشمی کر رہی ہے ؛ اگر سو آدمی ایک ہی وقت وہاں موجود ہوں تو اُن میں سے ہر ایک کو پُورا پُورا اعتقاد ہو گا کہ آنکھیں صرف میرے ہی ساتھ دو چار ہیں۔ میری ہی طرف ٹکٹکی لگائے گھُور رہی ہے ؛

(۳) لیکن حیرت کی بات ہے ایک انگریزی اخبار میں ایک حیرت افزا انوکھی تصویر کا نوٹس پڑھا۔ جس کا نام (title) تھا

Here is the Bohemian with his

family, where is the cat?"

{یہ دیکھو بوہیمیا کا باشندہ اپنے بال بچوں سمیت موجود ہے۔ پر بتاؤ بلی کہاں ہے؟}

اِس تصویر میں لُطف کی بات یہ تھی کہ جو آدمی اُسے ہاتھ میں لیکر غور سے دیکھنا شروع کرتا اُسے بوہیمیا کا باشندہ معہ اپنی بیوی اور بال بچوں کے فوراً نظر آ جاتا تھا۔ رہٹ چلتا بھی دکھائی دے جاتا تھا۔ کھیت لہلہاتے اور سایہ دار درخت بھی نگاہ میں چڑھ جاتے تھے۔ دریا کا نظارہ بھی آنکھوں تلے پھر جاتا تھا ٭ علاوہ بریں سبزہ زار اور چرند پرند وغیرہ بیسیوں چیزیں دیدوں میں سما جاتی تھیں۔ لیکن بلی کا نام و نشان ندارد۔ گربہ مفقود۔ کہیں نہ ملتی تھی۔ گھنٹوں تلاش پڑے کرو۔ جستجو میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھو۔ رُوئے قرطاس کو اِس سرے سے اُس سرے تک چھان مارو۔ لیکن بلی کا دیدار نصیب ہونا مُحال ٭

آخر کار ہار کر غصّے سے تصویر کو دے پٹکا۔ تو ایلو! غضب ہو گیا! عجب! پُر عجب! بوہیمیا کا باشندہ کیا ہُوا؟ اُس کی بیوی اور بچے کہاں ہیں؟ رہٹ۔ کھیت۔ چرند۔ اور پرند اُن میں سے کچھ بھی سامنے نہ رہا۔ سارا قرطاس بلی ہی بلی بن گیا۔ ایک بلی نے سب کاغذ کو گھیر لیا۔ جب بلی آئی تو باقی سب صفائی ہو گئی ٭

ع جب ہم ہوتے تب تم ناہیں ٭ اب تم ہو ہم ناہیں

یہ تمثیل شکل بھگودید سنگیتا کے چالیسویں ادھیائے کے منتر ذیل کا ارتھ (معنی) جتلاتی ہے ٭

ईशावास्यमिदं सर्वं यत्किंच जगत्यां जगत्।
तेन त्यक्तेन भुञ्जीथा मा गृधः कस्यस्विद्धनम् ॥१॥

لفظی ترجمہ:- جو کچھ دِیکھے جگت ہیں سب ایشور میں ڈھانپ
کر ہو چَین اِس تیاگ سے۔ دھن لالچ سے کانپ

اِس منتر میں حقیقی سنیاس (تیاگ) کا اصلی سروپ ورنن کیا ہے۔ فقیر کی ماہیت بتلائی ہے ؛

منتر کا مطلب:- (منتر کا دوسرا حصّہ) اگر تجھ کو آنند کی آرزو ہے تو دُنیوی نعمتوں میں مت ڈھونڈھ۔ روپیہ میں نہیں ملے گا۔ شہرت میں نہیں ملے گا۔ شہوت رانی تمہیں سخت عذاب میں پھنسائے گی۔ آرزو ہائے نفسانی کے پیچھے لگ کر پچھتانا پڑے گا۔ جہل کے دامِ تزویر میں مبتلا ہو کر ماسوائے تاسف کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ دُنیا کے بھرے میں آکر کفِ افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ دُنیا رُوپی تصویر (موہمایا) میں سچے آنند کا سُراغ نہیں ملنے کا؟ حصولِ آنند کی اگر کوئی صورت ہے تو صرف ایک تیاگ (ترکِ دُنیا و مافیہا) ہے۔ تیاگ بِن آنند کبھی نہیں مِل سکتا ؛

(شرتی) न कर्मणा न प्रजया न धनेन त्यागेनैके अमृतत्व मानशुः[1]

(شرتی کا پہلا حصّہ) اِس تیاگ (ترکِ دُنیا و مافیہا) کے معنے منتر کے پہلے حصّے میں دِکھائے ہیں:- یعنے وہ تیاگ جس سے تمام دُکھ دُور ہوتے ہیں۔ اُس صفائے قلب کا نام ہے جس سے نگارۂ باطن تمام رُوپ سنسار کو باشتعبدہ موہمایا اور اُس کے کشمے کی تصویر کی مانند یک قلم

---

[1] نہ اعمال (افعال) سے نہ اولاد کے ذریعہ اور نہ دھن کے وسیلے بلکہ محض ایک تیاگ کے ذریعے اِنسان امرتتو (نجات) کو پاسکتا ہے ؛

ترک کر دیتی ہے۔ نظر فریب اسماء و اشکال سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ اور ایک آنند (آتما) ہی آنند (آتما) بہار دکھاتا ہے * یہ سب کچھ ایشور (آتما) میں ڈھک جاتا ہے۔ جگت کا جگت پن اندھیرے کی طرح روشنی (آتما) میں گم ہو جاتا ہے۔ سب تعلقات مٹ جاتے ہیں۔ کل قیود (بندھن) چھوٹ جاتے ہیں۔ غیریت کا نشان باقی نہیں رہتا *

ع دیدۂ دل ہوا جو وا۔ کھب گیا حسن دلربا
یار کھڑا ہو سامنے آنکھ نہ پھر لڑائے کیوں ؟

لہ بر آبِ حیاتِ تو جہاں مثلِ حباب است
او نیز چو برباد شود بر سرش آب است

शिवं सर्वगतं शान्तं बोधात्मकमजं शुभं ।
तदेक भावनं राम कर्मत्यागो हि स्मृतः (یوگ وسشٹ زبان پرکرن)

مطلب :- یعنی اے رامچندر! ایک شو مبارک ذاتِ اولے دہستی۔ علم۔ سرور) کے ماسواء سے آنکھ پھیر لینا اور حق ہی حق کو دیکھنا اسی کا نام کرم تیاگ (دفترِ سنیاس) *

(۵)

ویدانت سدہانت مکتاولی

योहमद्वय वस्त्वेव सद्वय दृढ निश्चयः ।
प्राप्य चानन्दमात्मानं मोहमद्वय विग्रहः ॥

مطلب :- وہ ایک "میں" جو اگرچہ در اصل وحدہٗ لا شریک ہوں۔

لہ تیری زندگی کے پانی پر دنیا بلبلے کی طرح ہے۔ جونہی کہ وہ برباد ہوتا ہے اس کے سر پر پانی ہوتا ہے (یعنی جب وہ ٹوٹتا ہے تو پانی ہو جاتا ہے) *

لیکن ایک مرتبہ غیریت کا پکّا معتقد ہو گیا تھا اب آنند (آتما) کا انوبھو کر کے وُہی ذاتِ یکتا ہُوں"۔

नास्ति ब्रह्म सदानन्दमिति मे दुर्मतिः स्थिता।
क्व गता सा न जानामि यदाहं तद्वपुः स्थितः॥

مطلب:- "برہم (اتم سرور) نہیں ہے" یہ میری نالائق رائے تھی- لیکن اب جو مَیں وُہی برہم ہُوں- نہ معلوم وُہ رائے کہاں اُڑ گئی!"۔

संसाररोगसंग्रस्तो दुःखराशिरिवापरः।
आत्मबोधसमुन्मेषादानन्दाब्धिरहं स्थितः॥

مطلب:- "مرضِ دُنیا (اسماء و اشکال) میں مبتلا ہُؤا مَیں غیر ہو گیا تھا۔ دُکھوں کا ذخیرہ اور کوہِ غم بن گیا تھا۔ لیکن اب معرفتِ ذات کی بدولت بحرِ سرور ہُوں"۔

योऽहमल्पेऽपि विषये रागवानतिविह्वलः।
आनन्दात्मनि संप्राप्ते स रागः क्व गतोऽधुना॥

مطلب:- "تب ناپائدار ہیچ اشیاء میرے دل میں تد و جذر پیدا کر دیتی تھیں۔ لیکن اب وُہ ہل چل سب دفع ہو گئی۔ کیونکہ آنند آتما مَیں خود ہُوں"۔

سن رشکہ ہُوئی- دُکھ دُور ہُوئے
زین چاندنی دیکھ کے دُودھ جیہی
بنگا گت پٹارڑی پُور رلیئی
ہُوئی منگلا چار جیکار بولو

دیکھ مکھ محبوب دے چند نُوں جی
پایا چت چکور آنند نُوں جی
آگے جھور دی ساں اک تند نُوں جی
لدھا اندروں بال گکند نُوں جی

यो वा एतदक्षरं गार्ग्यविदित्वास्माल्लोकात्प्रैति स कृपणः। (شُرتی)

وید فرماتا ہے کہ "جو شخص آتم گیان (معرفتِ ذات) کو حاصل نہیں کرتا اور عالمِ ظاہری سے مُنہ نہیں موڑتا ۔ وہ بخیل اور کمینہ (منحوس) ہے" جیسے کنجوس باوجود مال و دولت کے مکھیاں مارتا رہتا ہے ۔ اور تکالیف سہتا ہے ۔ ویسے ہی آتم آنند کے ہوتے ہیں جو چاہِ رنج و الم میں گرا تھا ۔ بارے اب رہائی ہوئی ۔ تجلی اور پنج تن سے چھٹکارا ہوا ۔

ع بلہا شاہ مُبارکاں رکھ دیو ۔ ہوئی شانت جائی گل لائے کے جی
[1] اَیُّھا النّاس بگوئید مبارکباد م ۔ کز صنمخانۂ تن در حرمِ جاں رفتم

विशुद्धोऽस्मि विमुक्तोऽस्मि पूर्णात्पूर्णां तमाकृतिः ।
असंस्पृश्य समात्मानमन्तर्ब्रह्माण्ड कोटयः ॥

مطلب ۔ "میں پاک ہوں ۔ آزاد مطلق (مُکت) ہوں ۔ پورن (آکاش) سے بھی بڑھ کر پورن (کُل) شئے محیط ہوں ۔ بے تعداد جہان (برہمانڈ) مجھ میں پڑے ہوں ۔ میں بے لوث ہی ہوں ۔ میری ذات آلودگی سے برتر ہے" ۔

نتیجہ

وہاں جہاں پر "کہاں" ؟ نہاں ہے (یہاں وہاں یا کہیں نہ)
تب جبکہ "کب" وہم و گمان ہے (اب تب اور کبھی نہ)
تھا ۔ ہے ۔ اور ہوگا ۔
کیا ؟ کون ؟
جس میں "کیا ؟ کون ؟" فنا ہے ۔ اللہ ۔ اللہ خیر سلا ۔

---

[1] اے لوگو! مجھ کو مُبارکباد دو کہ تن کے بُتخانہ سے اب جان کے حرم میں چلا گیا ہوں یعنی عالمِ جسمانی کے خیال سے اُٹھ کر عالمِ روحانی میں محو ہو گیا ہوں ۔

وحدت نامہ

(۱) آپے لاڑا۔ آپے لاڑی۔ آپے ماپے ہو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو

(۲) آپ ودھایاں۔ آپ سیاپے۔ آپ الاپے ہو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو

(۳) رانجھا توں ہیں۔ توں ہیں رانجھا۔ تجھ بن ہیر نہ بیلے رو۔ فقیرا! آپے اللہ ہو

(۴) تیرے جیہا سانوں ایتھے اوتھے کوئی نہ جاپے او

کوئی نہ جاپے او میرے سوہنیا! آپے اللہ ہو

(۵) گھنڈ کڈھ کے کیوں تک موتہ اُتے اوہلے رہیوں کھلو

اوہلے رہیوں کھلو میرے سوہنیا! آپے مولا ہو

(۶) توں ہیں سب دی جان پیاری۔ تینوں طعنہ لگے نہ کو

تینوں طعنہ لگے نہ کو میرے پیارے! آپے اللہ ہو

(۷) بولی طعنہ یاری۔ سیوا۔ جو دیکھیں توں سو

جو دیکھیں توں سو میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۸) سُولی۔ صلیب۔ زہر وسے۔ شکتے کرے نہ ٹکرا جو

کرے نہ ٹکرا جو میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۹) جنگل وچ وڑ یار جو ٹنگتے۔ اوتھے تیری لو

اوتھے تیری لو میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۱۰) توں ہیں مستی وچ شراباں۔ ہر گل دی خوشبو

ہر گل دی خوشبو میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۱۱) راگ رنگ دی مٹھی مُرلُوں لین کلیجا ٹوء
لین کلیجا ٹوء میرے پیارے! آپے صاحب ہو
(۱۲) لاہ رپھڑے یُوسف گھٹ رل سئے۔ ڈووئی دے پٹ ڈھوء
ڈووئی دے پٹ ڈھوء میرے سوہنیا! آپے صاحب ہو
(۱۳) آٹھویں عرش تیرا نُور چمکدا۔ ہور بھی اُونچا ہو
ہور بھی اُونچا ہو میرے سوہنیا! آپے صاحب ہو
(۱۴) ایہہ دُنیا تیرے نو نہاں دیوچ۔ ہتھ گل نے رکھ نہ رو
ہتھ گل نے دھر نہ رو میرے بھولیا! آپے صاحب ہو
(۱۵) جے رب بھالیں باہر کدھرے۔ ایس گلوں مُنہ دھو
ایس گلوں مُنہ دھو میرے پیارے! آپے صاحب ہو
(۱۶) تُو مولا۔ نہیں بندا جُندا۔ جھوٹھ دی چھٹ دے ٹُوء
جھوٹھ دی چھٹ دے ٹُوء میرے پیارے! آپے صاحب ہو
(۱۷) پون اندر تیری ہنیڑاں ڈھونڈرے۔ کیوں تینوں سکتے نہ ڈھوء
کیوں تینوں سکتے نہ ڈھوء میرے پیارے! آپے صاحب ہو
(۱۸) کاہنوں پیا کھیڈنا ہیں تیوں بھوں تلیاں۔ بیٹھ رنگلا ہو
بیٹھ رنگلا ہو۔ سائیں لاڈلے! آپے صاحب ہو
(۱۹) تیرے تارے سُورج نقش نقشے بجدے۔ تُوں نہ جاکر چھوء
تُوں نہ جاکر چھوء سائیں لاڈلے! آپے صاحب ہو
(۲۰) تیجے نہ نینوں شکھ سبے ادڑک۔ ایہو گرانی کھوء
ایہو گرانی کھوء میرے پیارے! آپے صاحب ہو
(۲۱) دُکھ ہرتاں نے شکھ کرنا۔ تینوں تاپ گئے کہ پوہ

تاپ سگیئے گذ پوہ میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۲۲) چور نہ سپئے تیتھوں بھوت نہ چمڑے۔ ہور گیوں کیوں ہو؟

ہور گیوں کیوں ہو میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۲۳) توں ساکھی۔ کیہڑھی کیہاں ماریں۔ ہُن ٹھاک کر چلیا ہیں سوہ

کیوں ٹھاک کر چلیا ہیں سو میرے پیارے! آپے مولا ہو

(۲۴) کھلیاں مینوں بھاؤ نہ کھاندے۔ ٹک ٹک قید نہ ہو۔

ٹک ٹک قید نہ ہو۔ مرجانیاں! آپے مولا ہو

(۲۵) وحدت توں کر کثرت دیکھیں۔ گیوں بھنیگا کدھروں ہو۔

گیوں بھنیگا کیوں توں ہو مرجانیاں! آپے صاحب ہو

(۲۶) تاج تخت چھاڑ ٹھٹی رلی۔ آیس گلے توں روہ

آیس گلے توں روہ مرجانیاں! آپے مولا ہو

(۲۷) چھڈ کے گھر دیاں کھنڈاں کھیراں۔ رکھیہ لوڑ چباویں توہ

رکھیہ لوڑ چباویں توہ مرجانیاں! آپے صاحب ہو

(۲۸) تیرے گھٹ وچ رام وسیندا۔ ہائے! گٹ گٹ بھر نانہ بھوہ۔

گٹ گٹ بھرنانہ بھوہ میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۲۹) رام رحیم سب بندے تیرے۔ تیتھوں بڑا نہ کوہ

تیتھوں بڑا نہ کوہ میرے پیارے! آپے صاحب ہو

(۳۰) پردے فاش ہوویں رب کرکے۔ ننگا شورج ہو۔

ننگا شورج ہو مرے پیارے! مخیرا! آپے اللہ ہو

(۳۱) چھڈ موہرا شن رام دوہائی۔ اپنا آپ نہ کوہ۔

اپنا آپ نہ کوہ میرے پیارے! آپے اللہ ہو

"ا"

ریویوز (تقریظات) بر رسالۂ الف

"ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما"

اکائی ذات میں میری ہزاروں رنگ ہیں پیدا!

مزے کرتا ہوں میں کیا کیا آہا ہا ہا! آہا ہا ہا!!

کروڑ میں پوری کروڑ اکائیاں شامل ہوتی ہیں۔ اور لاکھ کئی ہزار اکائیوں سے مرکب ہوتا ہے۔ لیکن اکائی میں کروڑ اور لاکھ اور ہزار اور سو کا نظارہ دکھانے والا "ہمہ یک است چہ دہ چہ صد چہ ہزار کی جھلک دکھانے والا۔ اور با تا تا وغیرہ کو ایک الف میں لانے والا ویدانت (تصوف) کا رسالہ "ا" ہے" +

(۵)

ذیل میں چند ایک ریویو جو مختلف اخباروں میں رسالۂ ہذا کی بابت نکل چکی ہیں۔ واسطے ملاحظۂ ناظرین بطور یادداشت درج کی جاتی ہیں +

اخبار کوہِ نور جلد ۵۲ نمبر ۴ اخبار الف۔ یہ ایک ماہوار رسالہ یا اخبار کا نام ہے جو علم تصوف یا ویدانت میں ابتدائے ماہ جنوری ۱۹۰۰ء سے لاہور میں باہتمام گو سوامی تیرتھ رام صاحب ایم اے کے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کا واجب التعظیم فاضل ایڈیٹر جیسا کہ علوم زبانِ انگریزی میں ایم اے کا ڈگری یافتہ ہے ویسا ہی زبانِ اُردو فارسی میں ایک قادرالکلام اور سحر بیان شخص ہے۔ جس کے سوانح فقرات کانوں سے اترتے ہی نیشتر بن کر قعرِ رگ و جان پر جا بیٹھتے ہیں۔ اور اپنے عجیب و غریب اثر سے آدمی کو مسحور کر کے طبیعت پر ایک وجد کا عالم پیدا کر دکھاتے ہیں

جابجا شعر و اشعار بھی اِس خوبصورتی سے درج کئے گئے ہیں جس سے علامہ مصنف
کی علمی فضیلت اور خداداد قابلیت اور ہمہ دانی اور سحر بیانی کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے
الغرض ایک تو تحریر کا موضوع نفسِ مضمون (مسئلۂ عرفان کا بیان) بجائے
خود ہی ایک گوہر نایاب تھا۔ ساتھ ہی اُسکے فصاحت و بلاغت کا وُہ دریا بہایا ہے
جس نے رسالہ کو نوراً علٰے نُور بنا دیا ہے۔ بہرحال یہ نادر الوجود تحفۂ قابلِ دید شئے
ہے۔ یہ یُوسفِ مصرِ معانی ایک روپیہ سالانہ کی ناچیز قیمت پر بِک رہا ہے جو گویا
کوڑیوں کے مول بھی نہیں۔ بلکہ مُفت اور بالکل مُفت خزانہ لُٹ رہا ہے۔ جو
شخص چاہے ایک روپیہ قیمت کا لفافہ بھیجکر یا بصیغۂ ویلیو پے ایبل طلب کر سکتا
ہے۔ درخواستیں اخبار الف کے پروپرائٹر و ایڈیٹر گو سوامی تیرتھ رام صاحب ایم۔
اے کے نام بازار سوتر منڈی لاہور کے پتہ پر بھجوانی چاہئیں ؞

ریویو اخبار | **اخبار سول اینڈ ملٹری نیوز جلد ۸ نمبر ۲۶**

نویسی کی مشکلات کا بیان انہیں کالموں میں بارہا کیا گیا ہے۔ مگر ان میں ایک
نئی آفت کا ذکر نہ تھا جو چند سال سے پیدا ہوئی ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ بعض
نیم ملا مصنفوں نے یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ کوئی چھوٹا موٹا قصّہ اوّل جلول عبارت
میں اِدھر اُدھر سے ترجمہ کیا اور جھٹ پٹ شائع کرکے ایک ایک جلد اخباروں
کے نام بھیجدی۔ اور پھر ہر تیسرے روز تقاضا موجود ہے کہ صاحب ریویو کیجئے۔ ریویو
سے اِنکا یہ مطلب ہوتا ہے کہ خواہ کتاب پڑھنے کے قابل ہو یا نہ ہو مگر اُسکی تعریف ضرور
کیجائے تاکہ ایک تو اشتہار مُفت میں ہو جائے۔ دوسرے اگر آئندہ کبھی اشتہار دینے کا
موقع ہو تو اخبارات کی رائیں جلی حروف میں درج کرکے پبلک کو یقین دلایا جائے کہ
دیکھئے کیسے نامی گرامی اخبار اِسکی تعریف میں رُطب اللّسان ہیں۔ یہ حضرت اتنا نہیں
سوچتے کہ آخر اُنکے خیال کے اور بھی تو صدہا آدمی مُلک میں ہیں۔ اکیلے آپ ہی تو

مصنف نہیں ہیں۔ کم سے کم ہفتے میں ایک دو درجن کتابیں ریویو کے لئے آئیں۔ تو کیا ایڈیٹر رات دن انکو ہی پڑھا کرے یا کچھ اور کام بھی اُسے کرنے کو ہے۔ اور اگر سچ سچ ایمانداری کے ساتھ ریویو کیا جائے تو کیا آپ خوش ہونگے۔ بعض حضرات نے ناول کا لفظ کہیں سے سُن لیا ہے۔ اور وُہ جانتے ہیں کہ اِس لفظ میں کچھ جادو ہے کہ جس کتاب کے سرورق پر لکھا جائے وُہ فوراً بِک جائیگی۔ ہم فہمیدہ کہتے ہیں کہ ہمیں سخت افسوس ہوتا ہے جب ہم زمانۂ حال کی تو تصنیف عموماً کتابیں دیکھتے ہیں کیسی ہیں جدت کا نام تک نہیں۔ ہمنے ریویو عموماً صرف اُن کتابوں پر کئے ہیں جنکو ہمنے پبلک کے لئے مفید سمجھا ہے اور باقی کی رسید دیدی ہے۔ پس آیندہ سے ہم حضرات اہلِ تصانیف کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہم کسی معمولی کتاب پر رائے زنی کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ نہ ہمارا یہ کام ہے کہ پبلک کو یہ بتلائیں کہ فلاں تصنیف اِس قسم کی لکھی ہے۔ اور اُس میں یہ یہ نقص ہیں۔ اور نہ ہم ہر ایک کتاب کے پڑھنے اور دیکھنے کے لئے مجبور ہیں۔ ہم صرف اعلےٰ قسم کی تصنیف و تالیف پر رائے دینگے۔ لکھنو کے ایک پبلشر نے دو ڈھائی آنے کا معمولی سا ایک ناول ہمارے پاس بھیجکر ریویو کے تقاضوں سے ناک میں دم کر دیا۔ اِس لئے ہمکو اِسقدر سطور لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اخبارِ ہذا سے معمولی تصانیف کی تعریف و توصیف کی توقع نہ رکھنی چاہئے۔ اسکی کیا ضرورت ہے کہ مصنفوں کی خاطر پبلک کا نقصان کرائے۔

رسالۂ الف: شروع سال سے اِس نام کا ایک رسالہ لاہور سے جاری ہُوا ہے اِسکے تین نمبر ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ مگر ایک سے ایک بڑھکر۔ مسائل تصوف کو اِس خوبی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ اِس سے بہتر کیا ہوگا۔ گسائیں تیرتھ رام صاحب ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اِسکے ایڈیٹر ہیں۔ جنکو انگریزی۔ فارسی اور سنسکرت تینوں زبانوں میں کامل دسترس حاصل ہے۔ اور ویدانت کے مسئلوں کو

خود اچھی طرح سمجھنے اور دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ شائقینِ تصوف ایک نظر ضرور دیکھیں کہ فیثاغورث۔ شنکر آچاریہ۔ حافظ شیراز۔ مولانا روم۔ عمر خیام۔ شوپن ہار۔ اور میکسمولر کی فلاسفی کس سحر بیانی کے ساتھ اردو زبان میں ادا کیجاتی ہے۔ یہی فلاسفی ہے جو ساری حکمت کا خلاصہ اور جملہ علوم کا عطر ہے۔ اسکے جاننے کے بعد پھر کچھ سیکھنا باقی نہیں رہتا۔ یہی فلاسفی ہے جو بیمار کو تندرست۔ قیدی کو آزاد۔ غلام کو آقا اور گدا کو بادشاہ بناتی ہے؛

مذہبِ عشق از ہمہ ملت جداست — عاشقاں را مذہب و ملت خداست

اس بے نظیر سالانہ رسالہ کی قیمت صرف ہ‍ معہ محصولڈاک ہے۔ مگر ایک ایک فقرہ انمول ہے۔ موتیوں سے تولنے کے قابل۔ جو پڑھے گا وہ ہمارے کلام کی تصدیق کریگا؛

اخبار پبلک گزٹ جلد ۲ نمبر ۹ رسالۂ الف یہ ایک ماہواری رسالہ نہایت عمدہ سکیل پر تصوف میں آنند پریس واقع سوتر منڈی لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ جملہ مضامین ویدانت درشن۔ بھگوت گیتا وغیرہ سے نہایت ہی سلیس اور عام فہم اردو میں ادا کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ رسالہ جس طرز سے شروع ہوا ہے۔ اگر اسی طرح سے چلتا رہا تو نہ صرف اپنے مقاصد ہی کی تکمیل کریگا۔ بلکہ ان عقل کے اندھوں کو جو دنیا و مافیہا کے جھمیلوں میں پڑ کے حقیقی مسرت کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے بخوبی دکھلا دیگا کہ کسقدر غلطی پر ہیں۔ ورنہ باغِ آفرینش کی ساری فلاسفی اس ایک ہی جملہ سے حاصل ہو سکتی ہے یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ سچا ویدانت اپنے نفس کی شناخت ہے۔ اور جب یہ ہو گئی تو خدا شناسی ہو گئی۔ ویدانت کے جاننے والوں کو عام لوگ پاگل۔ خبطی۔ ہسٹری۔ مخبوط الحواس دیوانہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود دیوانے ہیں۔ سچ کہا ہے ع "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی"۔ اس سے پہلے نمبر میں اڈیٹر صاحب نے عبودیت۔ ہویت۔ بشریت و ربوبیت کے

علاوہ گیان دھیان پر خوب بحث کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ حکیم انتھینیس کے اس مشہور مقولہ پر بحث کی ہے۔ جس میں اُس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ میری ظاہری صُورت پر نہ دیکھو۔ مجھے ذراسی کھڑے ہونے کو جگہ دو اور تماشا دیکھو کہ دُنیا کے تختے کو کیسا بانٹتا ہُوں۔ بیچارے کو قائم نصاب نہ مل سکا۔ اگر ویدانت سے اُسکو ذرا بھی حظ ہوتا تو خود بخود سمجھ جاتا کہ یہ بات جو وُہ کہہ رہا تھا وہ اُس کی اپنی آتما او شکتان اور قائم بالذات ہے۔ اڈیٹر صاحب نے ویدانت کے اوق مسئلوں کو نہایت سہل طریق سے اَدا کرنے کا ارادہ تو کیا ہے مگر افسوس ہے کہ ہر ایک کا دماغ اس کے سمجھنے کے قابل نہیں۔ سچ ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست ؎ کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

لٹریچر کے لحاظ سے زبان عُمدہ ہے۔ جابجا اردو۔ فارسی۔ پنجابی۔ ہندی۔ اشعار جو اِدھر سے توڑکر اُدھر جوڑے ہیں اِس نہج سے لکھے گئے ہیں کہ گویا اسی کے لئے مخصُوص تھے۔ اِس رسالہ کا سالانہ چندہ ع۸ معہ محصُول ڈاک ہے۔ اور اس کا موٹو ہمارے خیال میں حکیم ثنائیؔ کا یہ مصرعہ ہے ع "آشکارا مطلب باشد از الف"
ہم خُوب جانتے ہیں کہ ہندوؤں میں ایک اُصُول اور بھی ہے۔ اور وُہ ویدانت سے کچھ مختلف ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں ویدانت صرف پرکرتی (مادّہ یا میٹر matter) یا آتما (رُوح یا سپرٹ۔ spirit) کو موجودات کا باعث قرار دیکر اسی میں سب کچھ سمجھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہاں اِسکے برعکس پرماتما۔ آتما اور پرکرتی کو جُدا جُدا خیال کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ لیکن دُوسرے خیال کے مُطابق پرماتما کے درشن کرکے آنند حاصل کرنے اور خیال اوّل یا ویدانت کے مُطابق ذاتِ حقیقی میں واصل ہونے یا خود خُدا بن جانے کے طریقوں میں کوئی بڑا تفاوت نہیں ہے۔ غرض دونوں کی ایک ہے کہ رُوح کی صفائی ہی سے سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بدقسمتی

سے ہم معمولی اختلاف پر آپس میں اُلجھ پڑنا اور زندگی کو تلخ بنا لینا بُرا نہیں سمجھتے اور پیشتر اسکے کہ پرماتما کے درشن کرنے یا پرماتما بن جانے کے درجے تک عمل کی سڑک پر چل پہنچیں۔ بے عملی بلکہ بدعملی اختیار کر کے صرف زبانی تُو تُو میں میں تک رہ جاتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ مُنہ کے بل گر بھی پڑتے ہیں۔ ہم اُنہیں کیا کہیں کہ جو گیا بھیس میں اہم برہم کے مسئلہ پر اعتقاد رکھتے ہُوئے۔ اور اسی مسئلہ کا پرچار کرتے ہُوئے ہر ایک قسم کی خرابیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ کوئی کچھ نہیں کرتا۔ فعل کی جزا یا سزا ملنا ڈھکوسلا ہی ڈھکوسلا ہے۔ یہ وُہ ہیں جو ویدانت کے معنے غلط سمجھے ہُوئے ہیں۔ اور خود گمراہی میں پڑ کر دوسروں کو گمراہ کرنے پر کمربستہ ہو کر ہندو قوم کی مصیبتوں کو دوبالا کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایک طرف گناہ کئے کی سزا دینا اگر ایشور کے اختیار میں ظاہر کیا گیا ہے تو دُوسری طرف اُنہیں افعال کو جو گناہ سمجھے گئے ہیں صفائی رُوح اور اعلیٰ شانتی اور پرم آنند حاصل کرنے کے نقیض کہا گیا ہے*

پیسہ اخبار جلد ۱۴ نمبر ۳۱ رسالۂ الف۔ یہ ایک تصوّف کا ماہوار رسالہ ہے۔ جس کا نام "الف" ہے۔ اور جسکو پنڈت بیربھدر رام گوسوامی۔ ایم۔ اے نے مطبع آنند پریس سے شائع کیا ہے۔ یہ اِس رسالہ کا پہلا نمبر ہے جس میں ویدانت اور تصوّف کے کئی مضمون ہندوؤں اور مُسلمانوں کے مذاق کے مُطابق درج ہیں۔ اور جہاں بہت سے سنسکرت کے اشلوک ہیں۔ وہاں ساتھ ہی کئی ایک فارسی کی اسی مضمون کی کتابوں کے اشعار بھی درج ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جہاں ویدانت اور تصوّف ہے وہاں ہندو اور مسلمانوں کا کیا ذکر ہے۔ اِس مضمون کا کوئی ماہوار رسالہ اس سے پہلے جہاں تک مجھے عِلم ہے نہیں شائع ہُوا۔ گو متفرق رسالے کئی لکھے گئے ہونگے۔ اسکے سرورق پر اسکے نام کی تائید میں یہ پُرمضمون پنجابی فقرہ درج ہے ع اِکو الف تیرے درکار اور ایک شعر ؎

مذہبِ عشق از ہمہ ملّت جُداست * عاشقاں را مذہب و ملّت خُداست

اگر اس رسالہ کی قدردانی ہوئی تو یقین ہے کہ ایسی ہی قابلیت سے مُرتب ہوکر شائع ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ اِس کا پہلا نمبر قابل دید ہے ✤

اخبار معلومات دُنیا لاہور جلد ۵ نمبر ۱۳

رسالہ الف۔ اِس نام کا ایک ماہوار رسالہ علمِ تصوّف و اخلاق کا آنند پریس لاہور سے نکلنا شروع ہُوا ہے۔ یہ نصیحت و حکمت و اخلاق و تصوّف کا ایک دریا ہے اور فقیر دوست صاحبان کے لئے ایک رہنما ہے۔ اِس کے سرورق پر "اکّو الف تیرے درکار" لکھا ہُوا ہے۔ اور اُسی صفحہ پر اُس کے نیچے یہ شعر لکھا ہُوا ہے۔

مذہبِ عشق از ہمہ ملت جُداست ✤ عاشقاں را مذہب و ملت خُداست ✤

اسکے فاضل ایڈیٹر سوامی جی نے جابجا شعروں کی چاشنی سے اسکے حُسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ یہ رسالہ ضرور اس قابل ہے کہ ہر شخص خواہ مُسلمان ہو خواہ ہندو۔ اِس گوہر بے بہا سے فائدہ اُٹھائے۔ اور اپنے اخلاقِ حسنہ کو سنوارے۔ اور پھر بایں ہمہ صفت موصوف طرفہ بات یہ ہے کہ اتنا بڑا رسالہ جو ضخامت میں ۵۰۔۶۰ صفحہ سے کم نہیں ہوتا۔ اور کاغذ بھی اعلیٰ قسم کا ڈمی تختی ۲۰×۲۶۔ اور قیمت صرف ۱۲؍۔ اِس پتہ سے طلب کرو۔

لاہور۔ بازار شوتر منڈی۔ آنند پریس۔ مینیجر رسالۂ الف

اخبار کایستھ ہتکاری جلد ۱ نمبر ۱۲

رسالۂ الف۔ الف نامی ویدانت کا ماہوار رسالہ آنند پریس شوتر منڈی لاہور سے شائع ہونا شروع ہُوا ہے۔ جنوری کا نمبر ۱ اور فروری کا نمبر ۲ ہمارے دفتر میں پہنچ چکا ہے۔ اِس کے مصنف یا ایڈیٹر بحرِ عرفان میں ڈوبے ہوئے گوسوامی تیرتھ رام صاحب ایم اے لاہوری ہیں جو علمِ فارسی و سنسکرت میں بھی ایسے ہی عالم ہیں جیسے کہ علمِ انگریزی میں فاضل ہیں۔ آپکی قابلیت اور عالی خیالی اور ہمہ دانی اس رسالے کے پڑھنے والے کو بخوبی نقش ہو جاتی ہے دونوں رسالوں کے مضامین وحدانیت اور معرفت اور حقیقت سے بھرے ہیں۔ ہم اِس رسالہ کا دیدہ

رسالہ کے ایک اعلان پر ختم کرتے ہیں جو اسکے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اعلان میں رسالہ کے
مطلب کا لب لباب اور قیمت سالانہ و جائے اشاعت وغیرہ سب درج ہے۔ رسالہ قابل قدردانی
اہل ملک ہے (ایڈیٹر) وہ اعلان یہ ہے

اعلان

دح ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما ؏

؏ اکائی ذات میں بھری ہزاروں رنگ ہیں پیدا ✤ فرے کرتا ہوں میں کیا کیا آہا ہا ہا آہا ہا ہا!!
کروڑ میں پوری کروڑ اکائیاں شامل ہوتی ہیں اور لاکھ کتنی اکائیوں سے مرکب ہوتا ہے لیکن اکائی میں کروڑ
اور لاکھ اور ہزار کا نظارہ دکھانیوالا "ہمہ یک است چہ دہ چہ صد، چہ ہزار" کی جھلک دکھانیوالا۔ اور با تانا وغیرہ کو
ایک الف میں لانے والا رسالہ "ا" نمودار ہوا ہے۔ اس میں علاوہ دیگر مضامین کے کُل
کا کُل ویدانت درشن۔ بھگوت گیتا اور ساری اُپنشدیں (معہ بھاشیہ) آہستہ آہستہ اردو
میں شائع کیجائیں گی (مطابق سہارحانت بھگوان شنکر) ✤ نئی روشنی والوں کے لئے بھی روحانی
غذا کافی ہوگی۔ قیمت سالانہ بلا محصول ڈاک عہ مع محصول ڈاک پہ تاریخ اشاعت......
ہر مہینہ کا شروع۔ پتہ۔ منیجر الف۔ آنند پریس۔ سوتر منڈی۔ لاہور ✤ جسکو منظور ہو
درخواست کرے ساتھ کے ساتھ ✤ قیمت سب سے پیشگی۔ مابعد کا کوئی حساب نہیں۔ نارائن

رسالۂ الف	اخبار آفتاب پنجاب لاہور۔ جلد ۳۵ نمبر ۱۳

نام کا ایک تصوف و اخلاق کا ماہوار رسالہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ کیا ہے نصیحت
اور حکمت اور اخلاق و تصوف کا ایک دریا ہے۔ اس کا پانی (مضامین) آبحیات ہے۔ اس وقت
کسی فرد بشر کو پیاسا نہیں رہنا چاہیئے۔ اسکے ٹائیٹل پیج پر شروع میں "الف تیرے
درکار" لکھا ہوا ہے۔ اور نیچے ایک شعر ہے ؏ مذہب عشق از ہمہ ملت جدا است ✤
عاشقاں را مذہب و ملت خدا است ✤ لائق ایڈیٹر نے جابجا اشعار کی چاشنی سے مضمون
کی خوبی کو اور بھی دوبالا کر دیا ہے۔ یہ رسالہ ضرور اس قابل ہے کہ ہر ایک تعلیم یافتہ
ہندو و مسلمان اسے خرید کر فیضیاب ہوں۔ قیمت اسکی سالانہ پہ ہے جو بلحاظ خوبی مضامین
کاغذ کی عمدگی و لکھائی کی نفاست کے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ ملنے کا پتہ یہ ہے۔

منیجر الف۔ آنند پریس سوتر منڈی لاہور ✤

رسالۂ الف یہ رسالہ حال	صادق الاخبار بہاولپور جلد ۳۵ نمبر ۲۷

ہی میں لاہور سوتر منڈی آنند پریس سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ جس کے دو نمبر
ہمارے مطالعہ میں آئے۔ یہ رسالہ دراصل ویدانت کی جان اور ویدانتیوں کا ایمان ہے۔

کروڑ میں پوری کروڑ اکائیاں شامل ہیں۔ اسی طرح لاکھ ہزار اور سو اکائیوں سے مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن اکائی میں کروڑ اور لاکھ اور ہزار کا نظارہ دکھلانے والا ایک ہے۔ خواہ وہ دس میں ہے یا سو میں یا ہزار میں۔ اس مسئلہ کی تشریح اس رسالہ میں بخوبی ہوئی ہے۔ اس میں علاوہ دیگر مضامین کے کل کا کل ویدانت درشن۔ بھگوت گیتا اور ساری اپنشدیں (معہ بھاشیہ) آہستہ آہستہ اردو میں شائع ہوا کرینگی۔ نئی روشنی والوں کے لئے بھی روحانی غذا کافی ہوگی۔ قیمت معہ محصولڈاک سالانہ ۱؎ مقرر ہے۔ جس صاحب کو شوق خریداری ہو درخواست بنام منیجر الف۔ آنند پریس سوتر منڈی لاہور کے کرنی چاہیئے *

اخبار گلزارِ ہند لاہور جلد ۲ نمبر ۹ رسالۂ **الف**۔ اس نام کا ایک رسالہ لاہور سوتر منڈی مطبع آنند پریس سے ماہوار نکلنا شروع ہوا ہے کاغذ دبیز لکھائی چھپائی عمدہ۔ اور ضخامت ۴۶ صفحہ اور پھر سالانہ قیمت بلا محصولڈاک ۱۲؎ اور معہ محصول ۱؎۔ ہم یہ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ یہ رسالہ کس طرح قوم کی خدمت ادا کرتا رہے گا۔ جبکہ اتنی بڑی ضخامت کا رسالہ ایک روپیہ سالانہ چندہ پر دینگے۔ تو کیا بالائی خرچ گرہ سے کرینگے۔ یا یہ کہ محض قوم کی خاطر ہمارے معزز ہمعصر نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہے تو مبارک! مبارک!! *

خالصہ اخبار لاہور اخبار **الف**۔ اک الف نامے دا اردو وچ چالی صفحے دا ماہوار رسالہ گوسائیں تیرتھ رام صاحب ایم اے پروفیسر ریاضی اورنٹیل کالج لاہور سے نکالیا ہے۔ اس رسالہ وچ ویدانت دا ورنن کیتا ہے۔ اس دے مضمون وچ وید دے منتر اور اپنشداں دے پراناں نال گسائیں جی نے اپنے آتما دا ہلاس اور سدھانت لکھنا آرنبھ کیتا ہے۔ ایہہ رسالہ ویدانت مت دے پیاریاں نوں جو سنسکرت نہیں جاندے بہت ہی لابھ دایک ہے۔ مولہ اسدا اک روپیہ چھ آنہ سالانہ ڈاک محصول سمیت ہے اور منیجر آنند پریس سوتر منڈی لاہور دے نام پر درخواست بھیجنے سے مل سکتا ہے *

Alif. A monthly journal in Urdu devoted to Vedanta Edited by Pandit Tirtha Râm Goswâmi, M.A, No I January, 1900 A.D., Anand Press, Sutarmandi, Lahore. Re 1, annually.

We welcome this venture of Pandit Tirtha Rama Goswami It is an exceedingly needed and important move in the right direction. In a simple, chatty and amusing style, Pandit Tirtha Rama brings home to the heart of his readers, the blessed truths of Advaita Vedanta The subject matter of the first number is Anand, & if the future issues of the publication are half as lucid & popular as the present, inspite of its containing a wealth of quotations from Metaphysical literature, Pandit Tirtha Rama will earn the gratitude of all lovers of this noble philosophy. The journal is lithographed. We have noted its clean execution with pleasure.

(Prabuddha Bharat or Awakened India. No 43, 1900 A.D.)

We have read with interest two numbers of a newly started monthly in Urdu, entitled 'Alif', a somewhat quaint name but according well with the subject dealt with in the journal, viz, Vedanta. It is full of interesting quotations from Persian, Sanscrit and English, and its language has the commendation of being forcible and thoughtful. The name of the Editor is not indicated, but we have learnt that it is written by a distinguished Hindu-Graduate, whose thoughts have taken a thoroughly religious turn.

(The Punjab Observer X, No 501, 1900)

Alif (not the word but the letter) is the name of an erudite monthly, which has for its object the dissemination of Vedantic Philosophy. We believe Gosain Tirtha Rama M.A, one of the most brilliant & promising of our young Graduates, is the Editor. Some of the articles will amply repay careful study. (The Tribune no 28 March 6, 1900 A.D)

فہرست کُتب

شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ لکھنؤ

نمبر ۲۵ - مارواڑی گلی -

(۱) خُمخانۂ رام یعنی کُلّیاتِ رام - جلد اوّل (اُردو)

اِس میں شریان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج زندۂ جاوید کی تحریرات جو پہلے رسالہ الف کے شروع کے ۱۲ نمبروں میں شائع ہُوئی تھیں - اور جن میں بعد ازاں اپنی ہی قلم سے سوامی رام نے جابجا ترمیم کی تھی وہ سب کی سب مع ترجمہ و شرح فارسی و انگریزی غزلیات کے درج ہیں -

حجم کتاب تقریباً ۵۰۰ صفحہ ڈبائی کاغذ معہ دو فوٹو سوامی رام کے - قیمت قسم معمولی کاغذ جلد سادہ ۱۲؍
اور قسم اعلیٰ کاغذ سنہری جلد .... ۲؍

(۲) خُمخانۂ رام یعنی کُلّیاتِ رام جلد دوم (اُردو)

اس میں شریان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج زندہ جاوید کی وہ تحریرات درج ہیں جو اصل میں سوامی جی کی قلمی زندگی کا فوٹو ہیں - اور جو رسالۂ الف کے باقیماندہ نمبروں میں شائع ہُوئی تھیں لیکن بعد ازاں اپنی ہی قلم سے رام نے اُن میں جابجا ترمیم کی تھی - اُنکے ساتھ دیگر حالات سوانحعمری رام از قلم شری آر - ایس - نارائن سوامی و دیگر عاشقان رام بھی درج ہیں -

یہ کتاب اصل میں سوامی رام کی مُفصّل سوانحعمری ہے جس میں نہ صرف دُوسروں کی قلم سے لکھے ہُوئے حالاتِ زندگی رام ہیں بلکہ بہت سے تو سوامی جی کی اپنی ہی قلم سے لکھے ہُوئے ہیں -

حجم کتاب ۵۰۰ صفحہ سے زائد - ڈبائی کاغذ معہ ایک درجن مختلف فوٹو کے قیمت مسر قسم اوّل مجلّد ۲؍
قسم دوم مجلّد ۸؍

(۳) رام تیرتھ (یعنی) خطوطِ رام

بزبان اُردو جس میں وہ تمام مؤثر اور دلچسپ خطوط سلسلہ وار معہ تشریح مشکل الفاظ و نوٹ درج ہیں جو سوامی رام تیرتھ جی مہاراج نے طالب علمی کے

زمانے میں اپنے گورو بھگت دھنا رام جی کو لکھے۔ اور اپنے سنیاس آشرم کی زندگی میں چند پیارے طالبان حق کے نام تحریر فرمائے۔ ان خطوط کو پڑھکر شری سوامی جی کی علمی لیاقت اور سادہ پن ہی کا خیال نہیں بلکہ ایشور کی قدرت اور انکی قلبی حالت کا بھی اندازہ کرنے کا موقعہ ملسکتا ہے۔ معہ فوٹو سوامی جی مہاراج۔ حجم کتاب صفحہ ۲۰۰ سے زائد۔ ٹوائی کاغذ قیمت مجلد ۱۲ غیر مجلد ۸/-

(۴) رام برشا اردو مکمل

جس میں سوامی رام تیرتھ جی مہاراج اور دیگر مہاتماؤں کے وہ بھجن اور غزلیات مطابق مضامین کے چودہ ادھیاؤں (ابواب) میں منقسم ہیں کہ جو سوامی جی مہاراج کی نوٹ بکوں سے تحریروں۔ اور اپدیشوں میں پائے گئے تھے۔ انکے مطالعہ و گاش سے نہ صرف شردن منن و ندھیاسن (شنید۔ تصدیق۔ حق الیقین) ہی ہوتا ہے۔ بلکہ گانے اور سننے سے وجد کا عالم بھی طاری ہو جاتا ہے۔ پہلے یہ کتاب علیحدہ علیحدہ دو حصوں میں شائع ہوئی تھی۔ اب اس ایک ہی جلد میں دونوں حصے شامل ہیں۔ حجم تقریباً ۳۰۵ صفحہ۔ کراؤن کاغذ معہ فوٹو سوامی جی مہاراج۔ قیمت قسم اول و مجلد (عہ) قسم دوم مجلد (عہ)

(۵) مختصر سوانح عمری رام

مؤلفہ شری نارائن سوامی شاگرد رشید سوامی رام تیرتھ جی مہاراج۔ اس میں سوامی جی کے مختصر حالات زندگی درج ہیں۔ بہت سے حالات تو سوامی جی ممدوح کی اپنی قلم سے ہیں۔ باقی سب کے سب سوامی نارائن جی کے اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر۔ اور کچھ تھوڑے سے دوسرے رام بھگتوں کی شہادت کے مطابق درج کئے گئے ہیں۔ حجم قریباً ۳۲۶ صفحہ قیمت قسم اول مجلد (عہ) قسم دوم غیر مجلد۔ بارہ آنہ (۱۲/)

سوامی آتم تیرتھ جی کی چار پیاری پستکیں

یعنی

تصنیفات باوا اگیتا سنگھ صاحب آنجہانی۔ آتم درشی

(۱) **ویدانت وچن** (اردو) یہ کتاب ویدانت کے پریمیوں اور خاصکر اردو خواں اصحاب کے لئے از حد مفید ہے۔ کرم کانڈ۔ گیان کانڈ۔ پیدایش دنیا و انسان برہم گیان۔ مکتی یعنی (نجات) اور اپنشدوں کے دقیق فلسفہ کو معمولی عبارت میں واضح کیا گیا ہے اور آخر میں مشکل الفاظ کا فرہنگ بھی دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ویدانت کے پریمیوں کو بغیر کسی دیگر امداد کے

جلد اصل مقصد پر پہنچانے والی ہے اور اس میں مذکورہ بالا مضامین جن کا بغیر سنسکرت ویاکرن پڑھے سمجھنا از حد مشکل ہے نہایت عام فہم اور سلیس عبارت میں دیئے گئے ہیں۔ جسکو ادنیٰ استعداد کا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ پہلے یہ کتاب قلمی نسخہ کی شکل میں تھی۔ مگر شری سوامی رام تیرتھ جی مہاراج کے حکم کو پورا کرنے کی غرض سے اُنکے شاگرد رشید شری سوامی نارائن جی نے اسکو چار بار چھپوایا۔ رائے صاحب لالہ ہرنرائن جی ہوم منسٹر ریاستِ کشمیر۔ لایق شاگرد مصنف کتاب ہذا کی قلم سے تمہید۔ دیباچہ بھی شروع میں دیئے گئے ہیں۔ حجم۔ تقریباً ۶۰۰ صفحہ **قیمت**۔ قسم اول مجلد ۶؎۔ قسم دوم مجلد ۸؎

(۲) معیار المکاشفہ

اس میں چھاندوگ اُپنشد کے چھٹے باب کی مفصل شرح معہ نہایت دلچسپ حالات زندگی مصنف کتاب ہذا درج ہے۔ اسی باب کو پڑھتے پڑھتے باوا صاحب کو انکشافِ ذات ہوا تھا۔ سوامی رام تیرتھ مہاراج کی ہدایت سے یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۰۰ء میں شائع کی گئی تھی۔ اب ویدانت پریمیوں کے پے در پے تقاضوں پر لیگ سے دوبارہ اسکی اشاعت کرائی گئی ہے اور مشکل الفاظ کا فرہنگ بھی کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے۔ ہر ایک طالبِ حق کو اس کا مطالعہ ضرور بالضرور کرنا چاہیئے۔ حجم تقریباً ۶۰۰ صفحہ **قیمت**۔ قسم اول مجلد آرٹ پیپر (۵؎) قسم دوم بلا جلد (۸؍)

(۳) رسالہ عجائب العلم

باوا صاحب کی یہ تصنیف پہلی ہر دو تصانیف سے بہت ہی زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ اگرچہ اس مختصر نسخہ میں ذات حق کو محض ہستی و علم و سرور (ستچدانند) مجسّم کر کے نہایت ہی مؤثر دلائل و سلسلہ سے چھ لیکچروں میں واضح کیا ہے۔ لیکن ایک ایک لیکچر کیا ہے گویا سمندر کو کوزہ میں بھرا ہوا ہے۔ اسکے مطالعہ سے بڑے بڑے قلبی وہم مفقود ہو جاتے ہیں اور شکی چت بھی علم الیقین کی منزل تک پہنچا ہوا حق الیقین کا لطف اُٹھانے لگ جاتا ہے۔ جو اسے باغور پڑھے گا اپنے تجربے سے آپ ہی داد دیگا۔ حجم تقریباً ۱۳۰ صفحہ سائز ۱۸×۲۲۔

قیمت۔ قسم اول و مجلد آرٹ پیپر بارہ آنے (۱۲؍) قسم دوم بلا جلد چھ آنے (۶؍)

(۴) جگجیت پرگیہ

یعنی ایشیا واسیہ اُپنشد کا اُردو ترجمہ۔ جس کو باوا انگینا سنگھ صاحب بیدی آنجہانی نے شنکر آچاریہ کے سدھانت کے مطابق نہایت ہی واضح و مفصل شرح کے ساتھ کیا ہے اور اسکو اپنے اُسوقت کے آقا مہاراجہ صاحب بہادر کپورتھلہ کے نام نامی سے منسوب کر کے اس کا نام جگجیت پرگیہ رکھا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے پہل سمت ۱۹۴۶ میں یعنی قریب اکتالیس برس ہوئے شائع ہوا تھا۔ تب سے دوبارہ اشاعت کئی وجوہات سے نہ ہو سکی۔ کچھ عرصہ ہوا باوا جی کے شاگرد رشید رائے صاحب بابو ہرنرائن سابق ہوم منسٹر ریاست کشمیر سے یہ شائع شدہ نسخہ لیگ کے ہاتھ لگا۔ اور طالبانِ حق کے فائدے کے لیئے اسے ابھی شائع کیا گیا ہے۔ حجم قریباً ۹۰ صفحہ۔

قیمت۔ قسم اول آرٹ پیپر و مجلد بارہ آنے (۱۲؍) قسم دوم غیر مجلد چھ آنے (۶؍)

انگریزی تصنیفات

(۱) کلیات رام جو اب تک چار جلدوں میں منقسم تھیں اور قیمت فی جلد عا تھی۔ لیکن اب آٹھ جلدوں میں شائع کی جا رہی ہیں اور جس کا حجم فی جلد تقریباً ۴۰۰ ہے۔ قیمت فی جلد قسم معمولی عہ قسم اعلیٰ ۶

(۲) ہارٹ آف رام۔ (رام ہردیہ) قیمت قسم اوّل مجلد عہ قسم دوم بلا جلد ۸ر

(۳) پوئیم آف رام۔ (نظم رام) " عہ " ۸ر

مختصر سوانح عمری رام۔ معہ ایک لیکچر بر ریاضی ۸ر

سٹوری آف رام۔ از قلم سردار پورن سنگھ جی مرحوم .... ۱۲ روپیہ

ہندی تصنیفات

(۱) متذکرہ بالا کل اردو و انگریزی تصانیف رام کا ہندی ترجمہ جو بعنوان رام تیرتھ گرنتھاولی کے ۲۸ حصوں میں شائع کیا گیا تھا اور اب نو یا دس جلدوں میں نکالا جا رہا ہے اور جس کے شروع کے نو حصے تین جلدوں میں اب تک نکل چکے ہیں۔ قیمت فی سیٹ کل ۲۸ حصوں کا قسم اول مجلد ۱۵ روپیہ

قیمت " قسم دوم بلا جلد ۱۰ روپیہ

(۲) شروع کے نو حصوں کی تین جلدیں قیمت فی جلد قسم اوّل مجلد عہ ۸ر قسم دوم بلا جلد عہ

باقی متفرق حصے فی کاپی .... ۱۲ر " ۸ر

(۳) دس آدیش یعنی رام بادشاہ کے دس حکمنامے مجلد حجم قریباً ۲۲۵ صفحہ قیمت فی جلد عہ

(۴) مختصر رام جیونی۔ صفحہ ۶۲ بلا جلد ۴ر

(۵) ویدانو وچن ہندی صفحہ ۵۰۵ سے زائد۔ قیمت قسم اول مجلد ۶ قسم دوم ...... عہ

(۶) آتم ساکشاتکار کی کسوٹی (معیار المکاشفہ ہندی) صفحہ قریباً ۵۵ قیمت قسم اول مجلد ۱۲ر قسم دوم بلا جلد ۸ر

(۷) بھگوت گیتا پر ہندی شرح (ویاکھیا) از قلم شری سر۔ دیس نارائن سوامی شاگرد رشید شریان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج حجم ہر دو جلد کا قریباً دو ہزار صفحہ۔

قیمت فی جلد قسم دوم عا۔ اور قسم اول .... ۳ روپیہ

پتہ۔ شری رام تیرتھ پبلیکیشن لیگ نمبر ۵۲ مارواڑی گلی لکھنؤ